Commis erate = Feel, express pity for
Commissar iat = Dept for supply of Food
especially of military

بعونِ صنّاعِ مکین و مکاں بفضلِ خلاقِ زمین و زماں

۳

اُردو کا کلاسیکی ادب

رسومِ ہند

مصنفہ

رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب دہلوی

کپتان ڈبلیو جے ہالرائیڈ،

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

دیباچہ

رسوم ہند

(از خلیل الرحمٰن داؤدی صاحب)

یہ کتاب سر رشتۂ تعلیم پنجاب نے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع کی۔ پنجاب میں سر رشتۂ تعلیم سنہ ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا۔ اس زمانے میں سر جان لارنس چیف کمشنر تھے جو بعد میں ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک جد و جہد آزادی کے دوران میں اس سر رشتے کی سرگرمی کچھ کم ہو گئی تھی لیکن اس کے فرو ہونے کے بعد ہی، تعلیم کی طرف خصوصی توجہ کی گئی۔ پنجاب میں سنہ ۱۸۶۰ء تک سر رشتۂ تعلیم کی توجہ ورناکیولر مدارس تک محدود رہی۔ سنہ ۱۸۶۰ء کے بعد اعلیٰ تعلیم کے فروغ و اشاعت کا انتظام کیا گیا؛ چنانچہ سنہ ۱۸۶۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور، امرتسر اور دہلی میں تین مدرسے قائم تھے جن کے طلباء ہر سال کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات میں شریک ہوتے تھے۔ ان تین اعلیٰ مدرسوں کے علاوہ لاہور کا مشن اسکول بھی قابل ذکر ہے۔ اس زمانے میں لاہور کے میڈیکل اسکول میں طلباء کے دو طبقے تھے، ایک انگریزوں کا اور دوسرا ہندوستانیوں کا؛ بقول گارساں دی تاسی (خطبہ پانزدہم سنہ ۱۸۶۵ء) ثانی الذکر میں داخلے کے لیے ہندوستانی زبان کے امتحان میں کامیابی ضروری تھی، اس امتحان میں فارسی رسم خط میں املا لکھنا ہوتا تھا۔

میجر اے۔ آر۔ فلر سنہ ۱۸۵۶ء سے ہی سر رشتۂ تعلیم پنجاب کے

ناظم تھے، ان کا انتقال سنہ ۱۸۶۸ء میں راولپنڈی کے قریب نالے میں ڈوب کر ہوا ۔ فلر کی نظامت کے زمانے میں کیپٹن ہالرائڈ ناظر مدارس تھے اور فلر کی عدم موجودگی میں قائم مقام ناظم بھی رہ چکے تھے ۔ علوم مشرقیہ پر ان کے تبحّر اور سررشتۂ تعلیم پنجاب کی طویل ملازمت کے باعث، فلر کے انتقال کے بعد ہالرائڈ کو ھی سر رشتۂ تعلیم پنجاب کا ڈائرکٹر بنایا گیا ۔

سنہ ۱۸۶۴ء میں جب کہ میجر فلر ناظم تعلیمات تھے، حکومت پنجاب نے ہندوستانی زبان میں اعلیٰ درجے کی تصانیف تیار کرانے کے لیے ایک کمیشن قائم کیا تھا؛ اس کمیشن کے سربراہ سر ڈی ۔ میکلوڈ (Mcleod) تھےجو بعد میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر ہوگئے تھے۔ 'رسوم ہند' اسی کمیشن کے حسن کارکردگی کی ایک یادگار ھے، اس کتاب کی تالیف کمیشن کے قیام سنہ ۱۸۶۴ء کے فوراً بعد ھی شروع ھو گئی ۔

مؤلفین میں سب سے زیادہ نمایاں خدمات کیپٹن ہالراھڈ کی ھیں جو اس زمانے میں ناظر مدارس تھے ۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں جب کیپٹن ہالرائڈ ناظم تعلیمات ھو گئے تو انھوں نے اس کتاب کا ایک نسخہ پیرس میں گارساں دی تاسی کو بھیجا ۔ گارساں دی تاسی نے اس کتاب کے متعلق اپنے اٹھارویں خطبے میں جو اس نے پیرس میں ۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء کو دیا تھا، مرقومۃ الذیل الفاظ لکھے تھے :—

''کپتان ڈبلیو، آر، ایم ہالرائڈ (Holroyd) نے رسوم ھند کا پہلا جزو از راہ کرم مجھے بھیجا ھے ۔ موصوف پنجاب کے نئے ناظم تعلیمات ھیں اور اپنے پیشرو کی نسبت اردو کی نشر و اشاعت میں زیادہ جوش و سرگرمی کا اظہار کر رھے ھیں ۔ اس کتاب میں اھل ھند کے مذاھب اور ان کے مختلف فرقوں کا اختصار سے حال بیان کیا گیا ھے ۔ ھندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عقاید پر تبصرہ ھے اور بالخصوص شمالی ھند کے باشندوں کی خانگی زندگی اور ان کے عادات و اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ھے ۔ 'رسوم ھند' کی تالیف و ترتیب کا کام لاھور میں سنہ ۱۸۶۴ء میں شروع ھوا جب کہ سرکاری طور پر ایک کمیشن اس غرض کے لیے

مقرر کیا گیا تھا کہ ہندوستانی زبان میں اعلیٰ درجے کی تصانیف تیار کرائی جائیں ۔ اس کمیشن کے صدر سر ڈی ۔ میکلوڈ تھے جو آج کل صوبۂ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر ہیں ۔ 'رسوم ہند' کی زبان اور اس کا طرز تحریر سادہ ہے ، اتنا سادہ جو کسی مشرقی زبان میں ممکن ہے ۔ اس کتاب کے مکالموں کی زبان اس قسم کی ہے جو آج کل کے ناٹکوں میں استعمال کی جاتی ہے ۔ اس کتاب کی تالیف میں کپتان ہالرائڈ کے ساتھ ایک ہندو شریک تھے جو نارمل اسکول کے اول درجے کے مہتمم ہیں اور دوسرے دھلی کالج کے عربی کے ایک مسلمان پروفیسر نے بھی اس کام میں مدد دی ۔ ان کے علاوہ اور دوسرے اھل علم دیسی لوگ بھی شریک تھے "۔

(اقتباس از خطبات گارساں دی تاسی مترجمہ و شائع کردہ انجمن ترقیٔ اردو اورنگ آباد سنہ ۱۹۳۵ء صفحات ۱۸ے و ۱۹ے) ۔

گارساں دی تاسی نے 'رسوم ہند' کے بارے میں یہ باتیں سنہ ۱۸۶۸ء میں کہیں ۔ اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں یہ معاصرانہ شہادت ہے جس سے واضح ہے کہ اس کی تالیف میں زیادہ حصہ کپتان ہالرائڈ کا ہے اور ان کے مددگاروں میں سررشتۂ تعلیم پنجاب کے دوسرے کارکنان بھی ہیں ۔ گارساں دی تاسی اس تالیف میں ہالرائڈ کے معاون کی حیثیت سے جس ہندو کا ذکر کرتے ہیں وہ 'ماسٹر پیارے لال آشوب' ہیں ، مجھے اس کا پتا ان کے حالات سے چلا جو ان کی زندگی میں ہی ، ان کے برادر زادے لالہ سری رام دھلوی نے اپنی تالیف 'خمخانۂ جاوید' میں درج کیے تھے۔ چونکہ ماسٹر پیارے لال آشوب کا شمار بھی 'رسوم ہند' کے مؤلفین میں ہے اس لیے ان کے حالات کا ایک اقتباس 'خمخانۂ جاوید' سے پیش کرتا ہوں ، ان حالات کی اشاعت سنہ ۱۹۰۸ء کے وقت آشوب زندہ تھے :—

"قبلہ و کعبہ معظمی و محترمی عالی جناب رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب راقم تذکرہ کے عم نامدار ہیں ، سنہ ۱۸۳۸ء میں بمقام دھلی جو تین سو برس سے بزرگوں کا مسکن ہے ، پیدا ہوئے ، براقی دھلی کالج

کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں ، ریاضی کے مشہور پروفیسر ماسٹر رام چندر اور مولانا صہبائی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے ، کسب علم اور حصول کمال کے شوق نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی پہنچایا تھا ۔ دھلی کالج کے تمام درجے طے کر کے سنہ ۱۸۵۷ء میں تکمیل علم کے لیے آگرہ کالج میں تشریف لے گئے ، وھاں سے سند حاصل کر کے سنہ ۱۸۵۸ء میں بریلی جا کر سرکاری ملازمت اختیار کی مگر ایک سال کے بعد پنجاب چلے آئے ، تھوڑے عرصے تک گوڑگاؤں اور دھلی میں ھیڈ ماسٹر رھے ۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں دھلی سے تبدیلی کے وقت جو سپاس نامہ اھل شہر کی طرف سے آپ کی خدمت میں پیش ھوا ، اس سے اس خلوص و عقیدت کا بخوبی اظہار ھوتا ھے جو ھر طبقے کے لوگوں کو آپ کی ذات خاص کے ساتھ تھی ۔ حضرت غالب مرحوم نے جو فقرہ اس کاغذ پر اپنے دستخط کے نیچے لکھا تھا ، وہ قابل ذکر ھے ۔ آپ لکھتے ھیں 'بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج مجھے ھوا ھے ، وہ میرا جی جانتا ھے ۔ بس اب میں نے جانا کہ دھلی میں میرا کوئی نہیں رھا '۔ آپ نے لاھور آ کر سر رشتۂ تعلیم کے کیوریٹر کے نازک عہدے کے فرائض کو ۱۵، ۱۶ برس تک نہایت بیدار مغزی و ھوشیاری سے انجام دیا ۔ انھیں خدمات کے صلے میں جب ھندوستانیوں کو عہدہ انسپکٹری مدارس ملنے کی تجویز سرکار سے منظور ھوئی تو آپ ھی سب سے اول اس عہدۂ گرامی کے واسطے منتخب ھوئے ؛ چنانچہ سنہ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۹۵ء تک ، کامل بارہ سال ، دھلی اور جالندھر میں اس عہدے کا کام انجام دیا ۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں آپ ھی نے دھلی لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور ایک عرصے تک اس کے سکرٹری رھے اور متعدد لکچر علمی اور تاریخی مضامین پر دیے ۔ قیام لاھور کے زمانے میں کئی برس تک سرکاری اخبار کے ایڈیٹر رھے ۔ شمس العلماء پروفیسر مولوی محمد حسین آزاد اور شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی آپ کی وجہ سے اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا چکے ھیں بلکہ سنا ھے کہ مولانا حالی کو نیچرل شاعری کا شوق اور خیال آپ ھی کی صحبت سے ھوا اور آپ ھی کی مدد سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی ۔

''معظمی اور محترمی جناب عموی رائے بہادر صاحب نے اگرچہ نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا ہے مگر افسوس ہے کہ اپنے کلام کی ترتیب و تدوین نہیں فرمائی - شاعری کی ابتدا مکتب ہی سے ہو گئی تھی ، آپ کی تصانیف اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں سے چند کتابوں کے نام اس جگہ لکھے جاتے ہیں :—

''رسوم ہند کے پہلے تین باب ، قصص ہند حصہ اول و سوم ، اردو کی تیسری کتاب ، ترجمہ تاریخ انگلستان کلاں ، رسالہ اتالیق پنجاب کے اکثر مضامین ، ترجمہ دربار قیصری سنہ ۱۸۷۷ء مؤلفہ مسٹر ویلر -

''اس شستہ و با محاورہ بلکہ برجستہ دلاویز ترجمے کے صلے میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر کی طرف سے ایک تمغہ اور ایک جلد مطلّا و مذّہب مرحمت ہوئی - سنہ ۱۸۹۲ء سے پنجاب یونیورسٹی کے فیلو ہیں ، سنہ ۱۸۹۲ء میں رائے بہادری کا خطاب سرکار سے ملا ، سنہ ۱۸۹۵ء میں کامل ۳۶ سال کی ملازمت کے بعد پنشن لے کر گاہے لاہور ، گاہے دہلی رہے مگر اب مدت سے اپنے وطن مالوفہ میں سکونت پذیر ہیں ۔۔۔۔۔۔''- (اقتباس از 'خمخانۂ جاوید' مؤلفہ لالہ سری رام دہلوی - مجلد اول مؤلفہ سنہ ۱۹۵۸ء مطبوعہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۸۰ تا ۸۴) -

اس اقتباس سے یہ عیاں ہے کہ 'رسوم ہند' کے پہلے تین باب ماسٹر پیارے لال آشوب کے لکھے ہیں؛ یہ ایک معاصرانہ شہادت ہے جو یقیناً صحیح ہے -

ماسٹر پیارے لال آشوب سنہ ۱۸۶۴ء میں لاہور پہنچے، سنہ ۱۸۶۴ء میں ہی 'رسوم ہند' کی تالیف کا کام شروع ہو گیا تھا؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آشوب نے لاہور پہنچ کر سب سے پہلا تالیفی و تصنیفی کام یہی کیا - رسوم ہند کے اولین تین باب جو آشوب کے لکھے ہوئے ہیں یہ ہیں :—

۱ - ہندوؤں کی ذاتوں کا بیان ، ۲ - ہندوؤں کی مذہبی باتوں کا بیان ، ۳ - من سکھی اور سندر سنگھ کا قصہ -

'رسوم ہند' کی اشاعت اولیں سنہ ۱۸۶۸ء میں ہوئی جس کا ایک

نسخہ کپتان ہالرائڈ نے گارساں دی تاسی کو بھیجا تھا ۔ افسوس ہے کہ انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس کا کوئی نسخہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا ، البتہ سنہ ۱۸۶۹ء کا مطبوعہ نسخہ میرے پیش نظر ہے جس کی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے :—

کتاب کی لوح پر یہ الفاظ ہیں :

رسوم ہند
حسب الحکم جناب کپتان ہالرائڈ صاحب بہادر
ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب
۱۸۶۹ء
مطبع سرکاری میں چھپی

اس لوح کے بعد پہلا قصہ شروع ہوتا ہے جو ۴۰ صفحات کو محتوی ہے ۔ اس کے بعد ایک لوح آتی ہے جس پر مرقومۃالذیل الفاظ تحریر ہیں :—

رسوم ہند
قصہ من سکھی اور سندر سنگھ
۱۸۶۹ء
مطبع سرکاری میں چھپا

اس قصے کے ۷۹ صفحات ہیں ، صفحہ ۸۰ سادہ ہے ۔ اس کے بعد ایک اور لوح آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

رسوم ہند
قصہ خوشحال چند وغیرہ
۱۸۶۹ء
مطبع سرکاری میں چھپا

یہ حصہ صفحہ ۱۳۱ پر ختم ہو جاتا ہے ، صفحہ ۱۳۲ سادہ ہے ۔ اس کے بعد لوح اس طرح ہے :-

رسوم ہند
مسلمانوں کی مذہبی باتوں کا بیان

۱۸۶۹ء
مطبع سرکاری میں چھپا

یہ حصہ صفحہ ۱۴۴ پر ختم ہو جاتا ہے ، اس کے بعد بغیر لوح کے مرقومۃالذیل عنوان کے ساتھ اگلا حصہ شروع ہو جاتا ہے :-

جہاں آرا بیگم اور محمد یوسف ، گیتی آرا بیگم
اور محمد جمیل الدین کا قصہ

یہ قصہ صفحہ ۹۲ پر ختم ہو جاتا ہے ، اسی کے خاتمے کے ساتھ ہی کتاب بھی ختم ہو جاتی ہے ۔ اس طرح سے اس اشاعت میں یہ کتاب پانچ اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جزو کی علاحدہ علاحدہ لوح اور علاحدہ علاحدہ صفحات ہیں ۔ 'رسوم ہند' کی یہ قدیم تریں اشاعت ہے جو میری دسترس میں ہے ۔

'رسوم ہند' چونکہ زمانہ دراز تک نصاب تعلیم میں شامل رہی اس لیے لا تعداد مرتبہ شائع ہوئی ۔ اس کتاب کا ایک اچھا خاصا ایڈیشن اور میری نظر سے گزرا ہے جو سنہ ۱۸۸۶ء کا مطبوعہ ہے اور جس کی لوح پر یہ الفاظ ہیں :—

رسوم ہند
سر رشتۂ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر صاحب بہادر کے حکم سے
سر رشتۂ تعلیم پنجاب کے واسطے منشی گلاب سنگھ نے
اپنے مطبع مفید عام لاہور میں چھاپا
۱۸۸۶ء
سر رشتۂ تعلیم کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے
دفعہ ۱۵ تعداد جلد ۵۰۰۰ قیمت ۱۰ آنے

محولہ بالا ایڈیشن کی تبویب اس طرح پر ہے :—

پہلا باب:	ہندوؤں کی ذاتوں کا بیان	صفحہ ۱ تا ۷
دوسرا باب :	ہندوؤں کی مذہبی باتوں کا بیان	صفحہ ۷ تا ۲۸
تیسرا باب :	من سکھی اور سندر سنگھ کا قصہ	صفحہ ۲۹ تا ۸۸

'رسوم ھند' آج سے تقریباً ۱۰۰ سال پہلے تالیف کی گئی لیکن مطالب کی صحت ، حلاوت زبان اور سلاست بیان کے اعتبار سے گزشتہ ۱۰۰ سال میں کوئی دوسری کتاب اس پایے کی منصۂ شہود پر نہیں آئی ھے - یہ کتاب آج بھی مدارس کے طلباء کے لیے اتنی ھی مفید ھے جتنی کہ آج سے سو سال قبل تھی - آج بھی کوئی دوسری کتاب اس کی جگہ لینے کے لیے موجود نہیں ھے -

فہرست

پہلا باب

ہندوؤں کی ذاتوں[1] کا بیان

ہندوؤں کی سب سے پرانی کتاب رگ وید میں لکھا ہے کہ برھمن لوگ برھما جی کا منہ ، چھتری ان کے بازو اور ویش ان کی رانیں ہیں اور شودر ان کے پاؤں سے نکلے ہیں اور اس جگہ منہ سے بولنے والا یعنی اچّھا بُرا بتانے والا ، بازو سے لڑنے والا ، رانوں سے قوّت دینے والا اور پاؤں سے خدمت کرنے والا مراد ہے ؛ مگر دھرم شاستر اور پرانوں میں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ ہندوؤں کی چاروں ذاتیں حقیقت میں برھما جی کے جسم ہی سے پیدا ہوئی ہیں اور اس باب میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہوئی ہیں لیکن ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے باشندے نہیں ہیں بلکہ کسی زمانے میں پچھم کی طرف سے آئے تھے اور انھوں نے آھستہ آھستہ سارے ملک کو فتح کر کے اس پر اپنا قبضہ کر لیا ، پھر ان لوگوں کو جو پہلے سے اس ملک میں رھتے تھے ، اپنا فرماں بردار بنا کر اُن کا نام شودر یعنی خدمت گار رکھا اور اپنے تئیں اُن سے بڑا جان کر لفظ دُج یعنی دوبارہ پیدا کیا ہوا ، اپنے واسطے مقّرر کیا -

---

۱ - ذات عربی لفظ ہے اور اس کے معنی مشہور ہیں اور بہتیرے ہندو لوگ جن سے ذال کا تلفظ ادا نہیں ہو سکتا ، جات بولتے ہیں مگر حقیقت میں جات بھی صحیح لفظ ہے اور زبان سنسکرت میں ذات کا مترادف ہے بلکہ اگر قوم کے معنوں میں ذات کو بھی جات کا معّرب کہیں تو بجا ہے -

منو جی کے دھرم شاستر[1] میں جو قریب نو سو برس پہلے حضرت عیسیٰؑ کے بنا تھا ، ان ذاتوں کی مذہبی باتوں اور ان کے رہنے سہنے کا حال پہلے پہل لکھا گیا ہے - اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ برھمن سب لوگوں سے اچّھے ہیں اور ان کے واسطے بہت سے حق اور فائدے ایسے مقّرر کیے گئے ہیں جو اور ذات کے لوگوں سے واسطے نہیں ہیں ؛ چنانچہ دان لینے کا انھیں کو حکم ہے اور کسی کو نہیں مل سکتا اور اگر ان سے کوئی قصور ہو جائے تو اُس کے واسطے بہت کم سزا مقّرر ہے -

اگرچہ اس کتاب میں برھمنوں کو سب سے زیادہ بڑائی دی گئی ہے ، لیکن ان کے واسطے کام بھی بہت سخت قرار دیے گئے ہیں ؛ چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ برھمن اپنی عمر کے اول چوبیس برس جاترا[2] کرنے اور وید پڑھنے میں بسر کرے اور پھر پچاس برس کی عمر تک اپنے خانگی کاموں یعنی شادی کرنے اور نسل بڑھانے میں مصروف رہے اور اس عرصے میں اُس کو وید پڑھنا اور پڑھانا ، دان دینا اور لینا اور جگ[3] کرنا اور کرانا بھی ضرور ہے اور ان کاموں میں وید پڑھانا سب سے اچھا ہے لیکن مندر میں بیٹھ کر بطور پیشے کے پوجا اور جگ کرانا ، اُجرت پر پجاری بننا اور شودر اور کمینے آدمیوں سے دان لینا برھمنوں کو بہت منع ہے اور اس بات کی ایسی تاکید ہے کہ اگر وہ مفلس ہو جائیں اور بھوکے بھی مرنے لگیں تو بھی انھیں شودر سے دان لینا اور کسی کا نوکر نہ ہونا چاھیے ، دانے چُننا ، بھیک مانگنا اور کھیتی کرنا بہتر ہے - انھیں یہ بھی حکم ہے کہ وہ ناچنے ، گانے ، جُوا کھیلنے اور اور ایسی ہی باتوں سے

---

۱ - ھندو لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہماری مذہبی کتابیں بہت ہی مدت کی بنی ہوئی ہیں -

۲ - تیرتھ میں جا کر دیوتاؤں کے درشن کرنے اور دان دینے کو جاترا کہتے ہیں -

۳ - قربانی کرنے اور دیوتاؤں کے روبرو نذر دینے کو جگ کرنا بولتے ہیں -

پرہیز کریں اور مال و دولت اور دنیا کی عزّت کا خیال نہ کریں ، کیوں کہ ان سے وید کے پڑھنے میں ہرج ہوتا ہے ۔ برھمن کو اپنی عمر کا تیسرا حصّہ اس طرح گزارنا چاہیے کہ وہ جنگل میں جا کر رہے ، بناسپتی کھائے ، درختوں کی چھال اور کالے ہرن کی کھال پہنے ، زمین پر سوئے ، بال اور ناخن بڑھائے ، جاڑے میں بھیگا ہوا کپڑا پہنے ، برسات کا مینہ اپنے اوپر لے ، گرمی کی دھوپ کھائے اور آگ کے پانچ ڈھیر رکھ کر اس کے بیچ میں ہو بیٹھے ۔ چوتھے حصے میں اس کے واسطے کوئی جسمی تکلیف مقرّر نہیں ہے ؛ اس عرصے میں اسے چپکا بیٹھ کر خدا کی طرف دل لگانا چاہیے اور اپنی روح کے نکلنے کو ایسا سمجھنا چاہیے جیسے ایک پرندہ کسی درخت پر سے اپنی خوشی اڑ جاتا ہے ۔

اگرچہ چھتری لوگ برھمنوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی ان کو عزّت دار سمجھنا چاہیے کیوں کہ دھرم شاستر میں لکھا ہے کہ برھمنوں کا کام بغیر چھتریوں کے اور چھتریوں کا بغیر برھمنوں کے نہیں چل سکتا اور دونوں کا فائدہ دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے سلوک پر موقوف ہے ۔ راجہ ہمیشہ چھتریوں ہی کی نسل میں سے ہوتے ہیں اور حکومت کے سب عہدے انھیں کو دیے جاتے ہیں ۔ ان کا کام دان دینا ، جگ کرنا ، وید پڑھنا ، دل کی خواہش کو روکنا ، رعیّت کی نگہبانی کرنا ہے ۔

ویشوں اور چھتریوں میں وہی فرق ہے جو چھتریوں اور برھمنوں میں ۔ ویشوں کا کام لین دین کرنا ، مویشی[1] پالنا ، کھیتی کرنا ، سودی روپیہ دینا ، جگ کرنا اور وید پڑھنا ہے ۔

شودروں کو یہ حکم ہے کہ وہ اُن لوگوں کی جو ذات میں اُن سے بہتر ہیں ، خصوصاً برھمنوں کی خدمت کریں اور اگر انھیں کہیں نوکری نہ ملے تو ہاتھ کا کام جیسے لکھنا ، تصویر کھینچنا ، معماری

---

۱ ۔ یہ لفظ اصل میں مواشی ہے جو عربی کے قاعدے کے موافق ماشیہ کی جمع ہے ، امالہ کر کے مویشی بولنے لگے ۔

اور آور اسی قسم کے کام کرنے چاهییں ـ شودروں کو جگ کرنے کی اجازت هے مگر اس میں وید کے منتر پڑھنے کا حکم نہیں هے ـ برهمنوں کو شودروں سے جگ کرانا اور اُن کے سامنے وید پڑھنا نه چاهیے بلکه یہاں تک لکھا هے که انهیں دهرم شاستر بتانا اور پراشچت[1] کے طور سے بھی آگاہ کرنا مناسب نہیں هے ـ شودروں کو اپنے آقا کا جھوٹا کھانا اور اُس کا اُترا هوا کپڑا پہننا لازم هے ـ برهمنوں کو شودروں کے هاتھ کا پکا هوا کھانا نه کھانا چاهیے، سُوکھے دانوں کے لینے کا ڈر نہیں هے ـ شودروں کو دولت جمع کرنی بھی منع هے، کیوں که شاید انهیں دولت پر غرور هو جائے اور وہ برهمنوں کو ستانے لگیں ـ اگر شودر سے کوئی قصور هو جائے تو اس کے واسطے نہایت سخت سزا مقرّر هے؛ چنانچه دهرم شاستر میں لکھا هے که وہ اپنے سے اُونچی ذات کے کسی آدمی کو گالی دے تو اُس کی زبان چھیدنی چاهیے ـ

هر ایک ذات کے آدمی کو کسی نیچی ذات کی عورت سے شادی کرنی منع نہیں هے مگر یه بات ضرور هے که وہ اس عورت کو اپنی ذات کی عورت کا سا درجه نه دے؛ مثلاً برهمن کو اختیار هے که وہ چھتری یا ویش ذات کی عورت سے شادی کر لے مگر اُسے اپنے گھر میں وہ رتبه نه دے جو برهمنی کو دینا چاهیے ـ اس قسم کی شادی کرنے سے جو اولاد پیدا هو، وہ اس درجے پر گنی جاتی هے جو باپ کی ذات سے نیچا اور ماں کی ذات سے اُونچا هو ـ کسی عورت کو اپنے سے نیچی ذات کے مرد سے شادی کرنے کی اجازت نہیں هے اور اسی سبب سے اُس شخص کو جس کا باپ شودر اور ماں برهمنی هو، چنڈال یعنی سب سے کمینه کہتے هیں ـ

دهرم شاستر میں برهمنوں کو آور ذات کے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا منع نہیں هے لیکن ظاهر میں ایسا معلوم هوتا هے که جیسا اب دستور هے، ویسا هی منو جی کے زمانے میں بھی چاروں ذاتیں کھانے پینے

---

۱ ـ گناهوں کے عوض کرنے کو سنسکرت میں پراشچت کہتے هیں ـ

میں شریک نہ تھیں - برھمن شودر کے سوا آور سب ذات کے آدمیوں کے ھاتھ کا پکا ھوا کھانا کھا سکتا ھے اور اگر شودر کے ھاتھ کا پکا ھوا کھائے تو اُسے اس گناہ کے عوض میں کئی دن تک پھیکے دلیے کے سوا آور کچھ نہ کھانا چاھیے -

منوجی کے زمانے سے لے کر آج تک ھندوؤں کی ذاتوں میں بہت سے تبدّل واقع ھوئے ھیں اور اکثر برھمنوں کا یہ قول ھے کہ ھماری ذات کے سوا آور سب ذاتیں خصوصاً چھتری اور ویش اب مل جل کر بگڑ گئی ھیں مگر بعض لوگ اس بات کو نہیں مانتے؛ چنانچہ کھتری اور راجپوت اپنے تئیں چھتریوں کی نسل سے بتاتے ھیں اور بعض قومیں جن کا پیشہ سوداگری اور کھیتی اور آور اسی طرح کے کام ھیں، اپنے تئیں ویش کی نسل سے ظاھر کرتی ھیں -

تمام ذاتیں جن کا حال پہلے لکھا گیا ھے حقیقت میں موجود ھوں یا نہ ھوں مگر اس میں شک نہیں ھے کہ ھر ایک ذات کے لوگوں نے بلکہ خود برھمنوں نے بھی وہ کام کرنے چھوڑ دیے جو دھرم شاستر میں ان کے واسطے فرض ھیں؛ چنانچہ برھمن لوگ بجاے وید پڑھنے اور پڑھانے اور طرح طرح کی تکلیفیں سہنے کے اب ھر قسم کا پیشہ اختیار کر لیتے ھیں بلکہ ان کو نوکری کرنے سے بھی پرھیز نہیں ھے -

اس زمانے میں ھندو لوگوں کے واسطے اس بات کی بڑی تاکید ھے کہ ایک ذات کا کوئی آدمی دوسری ذات کے آدمی کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہ ھو اور اگر اس سے اس طرح کا کوئی قصور ھو جائے یا برادری کے دستور کے خلاف کوئی اور بات ظاھر ھو تو وہ ذات سے نکال دیا جاتا ھے؛ اس کے سب رشتہ دار اسے چھوڑ دیتے ھیں، اس کا حُقّہ پانی بند ھو جاتا ھے، کوئی برھمن اس کے گھر نہیں جاتا اور نہ اس سے کچھ دان لیتا ھے، نہ پوجا پاٹ کراتا ھے - ھندوؤں کے راج میں ایسے قصور کرنے والے پر اور بھی زیادہ سختی ھوتی ھے؛ چنانچہ ان کی عملداری میں اس قسم کے آدمی کی گواھی درست نہیں ھوتی اور نہ اس کو ورثہ مل سکتا ھے - اس گناہ کے دور کرنے اور ذات میں شریک

ہونے کے واسطے ایک بہت اچھا طریق مقرر ہے ؛ ایسے پاپی کو چاہیے کہ پہلے گنگا جی کے اشنان کرے ، پھر برادری کے سب لوگوں کو جمع کرکے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہے "بھائیو! میرا قصور معاف کرو ، مجھ سے پھر کبھی ایسا پاپ نہ ہوگا" ، یہ کہ کر اپنے سب بھائی بندوں اور برہمنوں کو بھوجن کرائے ، پھر برہمنوں کو نقدی دے کر رخصت کرے ۔ اس پراشچت کے کرنے سے برہمن لوگ مہربان ہو کر آسے برادری میں شریک کر لیتے ہیں اور کھانے پر بٹھا دیتے ہیں ۔

ویشوں اور شودروں سے مل کر اب بہت سی ذاتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو منو جی کے زمانے میں نہ تھیں ۔ ان میں سے اکثر لوگ مثلاً سنار ، لُہار اور بڑھئی اپنے اپنے موروثی پیشوں کے نام سے مشہور ہیں ۔ اس قسم کے آدمی منو جی کے زمانے میں بہت ہی کم تھے کیوں کہ اس وقت کے لوگوں کی وضع سیدھی سادی تھی اور اس کے دھرم شاستر میں ان کے واسطے کوئی ذات بھی مقرر نہیں ہے ؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس زمانے میں دوغلے[1] ہونگے ۔

ان ذاتوں کے سوا ایک اور نئی ذات ایسی نکلی ہے جس نے برہمنوں کی بزرگی میں خلل ڈالا ہے ، اس ذات میں فقیروں اور گسائیوں کے طرح طرح کے فرقے شامل ہیں ۔ پہلے پہل یہ لوگ اپنے دل کی خواہشوں کو روکتے تھے مگر اب ان کے بہت سے فرقے ایسے ہیں جو شادی ، لین دین اور پیشہ کرنے کو برا نہیں جانتے بلکہ دولت جمع کرنی آن کی بڑی آرزو ہے ۔

ہندوؤں کے چند فرقے جو اس زمانے میں زیادہ مشہور ہیں ، آن کی عادتوں اور طریقوں کا ذکر آگے لکھا جائے گا مگر پہلے کچھ ہندوؤں کی مذہبی باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

---

۱ - اگرچہ کتب لغت سے دریافت ہوتا ہے کہ اس لفظ کی اصل دغول یا داغول بواو مجہول ہے جس کے معنی مکار اور حرام زادے کے ہیں مگر عجب نہیں ہے کہ دوغلہ اصل میں دوغّلہ بہ تشدید لام ہو اور یہ لفظ اسی اناج پر بول سکتے ہیں جو دو قسم کے غلّے سے ملا ہوا ہو ۔

دوسرا باب

ہندوؤں کی مذہبی باتوں کا بیان

ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابیں چار ہیں جن کو وید کہتے ہیں مگر دوسرے پڑھے لکھے ہندو ان میں سے صرف تین ہی کو آسمانی کتابیں جانتے ہیں ۔ وید کی مختلف باتوں کو جو مدّت سے لوگوں کو زبانی یاد تھیں ، حضرت عیسیٰؑ کے چودہ سو برس پہلے ویاس جی نے جمع کیا ۔ ان کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ خدا ایک ہے اور سب سے بڑا ہے اور کل جہاں کو اسی نے پیدا کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہوا ، آگ ، پانی ، زمین ، سورج ، چاند ، ستارے اور بعض نیکیاں مثلاً انصاف ، حکمت ، سب کے سب دیوتا ہیں اور ان کی پوجا کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ۔

ان دیوتاؤں کے راضی رکھنے کے واسطے ویدوں میں کئی طرح کی نذریں مقرر کی ہیں ؛ چنانچہ اکثر گھی ، چاول ، سوم کا رس اور کبھی کبھی ذبح کیے ہوئے جانور بھینٹ چڑھاتے تھے اور منتر کے زور سے دیوتاؤں کو بلا کر کہتے تھے کہ آپ ہماری نظر قبول کیجیے اور ہم کو دونوں جہان میں عزّت دیجیے ۔ ویدوں میں بڑے بڑے راجاؤں کے واسطے گھوڑے کی قربانی جائز رکھی ہے اور کہیں کہیں انسان کی قربانی کا بھی ذکر ہے مگر اکثر بجائے انسان کے کسی اور جانور کو ذبح کیا کرتے تھے ۔ ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے گھوڑے کی قربانی کا ڈھنگ دریائے سندھ کے پار رہنے والوں سے اُڑایا ہے اور آدمی کی قربانی کا طور ہندوستان کے اصلی باشندوں سے سیکھا ہے ۔

ویدوں میں بھگوان کے کئی سروپوں مثلاً شکت یعنی قدرت اور آور چیزوں کا بھی بیان ہے مگر برھما جی ، وشن جی اور شو جی جن کو ہندو لوگ پیدا کرنے والا ، پالنے والا اور مارنے والا جانتے ہیں ، ان کا ذکر ویدوں میں بہت ہی کم ہے - منو جی نے اپنے دھرم شاستر میں وید کے اکثر دیوتاؤں کی پوجا جائز رکھی ہے مگر وشن جی اور شو جی کا اس میں کہیں نام بھی نہیں ہے اور وشن جی کے اوتاروں ، رام چندر جی اور کرشن جی کا تو کیا ذکر ہے - اسی شاستر سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مورتوں کی پوجا نہ کرنی چاہیے مگر دیوتاؤں کی مورتوں کی تعظیم واجب ہے اور اُن کے سائے پر قدم رکھنا یا اُن کو لانگھنا ہرگز درست نہیں ہے -

منو جی اپنی کتاب میں دنیا کی پیدائش کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے اپنی ذات سے دنیا کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے اُس نے پانی کو پیدا کیا اور اُس میں ایک بیج ڈالا جو تھوڑے عرصے کے بعد انڈے کی صورت میں بدل گیا ، اس انڈے میں سے برھما جی نکلے اور انھوں نے آدھے جسم کو نر اور آدھے کو مادہ بنایا اور مادہ حصے سے براٹ[1] کو پیدا کیا اور براٹ کی تپسیا کے سبب سے منو جی پیدا ہوئے اور وہ منو جی میں ہی ہوں جس کی پیدائش اسی طرح سے ہوئی ہے اور میرے سبب سے زمین ، آسمان ، دیوتا ، انسان اور تمام چیزیں ظاہر ہوئی ہیں - منو جی کا ایک یہ بھی قول ہے کہ ہندوؤں کی چاروں ذاتیں خاص برھما جی ہی کے جسم سے پیدا ہوئی ہیں؛ چنانچہ پہلے باب میں جہاں ہندوؤں کی ذاتوں کا بیان ہے ، اس امر کا کچھ ذکر آ چکا ہے - منو جی نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دنیا ایک خاص مدت کے بعد فنا ہو کر خدا کی ذات میں مل جاتی ہے اور پھر اسی طرح سے پیدا ہوتی ہے جس طرح سے پہلے پیدا ہوئی تھی -

دھرم شاستر کے موافق انسان کو دو روحیں دی گئی ہیں - ایک

---

۱ - عام روح جسم میں پڑی ہوئی -

کو چھیتریگ یا جیو آتما کہتے ہیں اور دوسری کو سہاں بولتے ہیں - پہلی روح کے سبب سے بدن کو حرکت ہوتی ہے اور آدمی کلام کر سکتے ہیں اور اچّھے بُرے کام بھی اسی روح سے ظاہر ہوتے ہیں - دوسری روح کے باعث سے پہلی روح کو ہر ایک جنم میں آرام یا تکلیف معلوم ہوتی ہے اور یہی روح رجوگن ، ستوگن ، تموگن یعنی شہوت اور نیکی اور بدی کا مقام ہے ؛ چوں کہ سہاں آرام یا تکلیف کے پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے تو اُسے گناہ کی سزا کا کچھ دکھ نہیں ہوتا ، صرف چھیتریگ کو تکلیف ہوتی ہے - یہ دونو روحیں ہمیشہ پرم آتما یعنی خدا کی روح کے سہارے پر رہتی ہیں اور جب چھیتریگ روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہ سہاں اور پرم آتما سے بھی جدا ہو جاتی ہے اور آرام یا تکلیف اُٹھانے کے واسطے اُسے ایک اور جسم عنایت ہوتا ہے - وہ اُس جسم میں آ کر اچّھے یا برے کاموں کے عوض کچھ مدّت تک سُرگ یا نرگ میں رہتی ہے اور اس کے بعد پھر اُسے سہاں اور پرم آتما کا سہارا مل جاتا ہے اور کچھ تھوڑے سے گناہ کے عوض جو نیک آدمی سے کبھی نہ کبھی ہوا ہے یا گنہگار آدمی سے سزا بھگتتے بھگتتے باقی رہ گیا ہے ، اس روح کو حیوان اور درخت اور کمینے لوگوں کی جونوں میں جانا پڑتا ہے اور ان جونوں کو بدل کر اور گناہوں سے پاک صاف ہو کر ، اسے پھر اچھا برن نصیب ہو جاتا ہے مگر جس آدمی نے صرف نیک ہی کام کیے ہوں ، اُس کی روح کو جینے مرنے اور جونیں بدلنے کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ وہ سیدھی پرم آتما سے جا کر مل جاتی ہے -

ہندوؤں کی مذہبی رسموں میں سے جن کا ذکر ویدوں میں آیا ہے ، دو رسمیں بہت بڑی ہیں : ایک جنیو ڈالنا ، دوسرے سرادھ کرنا - جنیو ڈالنے کے واسطے برھمن کی عمر زیادہ سے زیادہ سولہ ، چھتری کی بائیس اور ویش کی چوبیس برس کی ہے - جب کسی آدمی کے جنیو ڈالا جاتا ہے تو پنڈت لوگ اس کی صورت برھم چاری فقیروں

سی بنا کر اُس کو گایتری[1] منتر پڑھاتے ہیں اور اُس وقت سے اُسے صبح اور دو پہر اور شام کو پوجا پاٹ اور خدا کا دھیان کرنا پڑتا ہے ۔ ہندوؤں میں جب کسی کے ماں باپ مر جاتے ہیں تو وہ ہر مہینے میں اُن کے نام پر ایک پنڈ دان کرتا ہے یعنی چاول ، گھی ، شہد ، دودھ اور اَور اسی قسم کی چیزوں کا ایک لڈّو بنا کر اپنے آگے رکھتا ہے اور منتر کے زور سے اپنے مرے ہوئے بڑوں کو بلا کر اُن سے اس نذر کے قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے ، پھر برھمنوں کو بھوجن کراتا ہے اور اسی رسم کو سرادھ کرنا کہتے ہیں ۔

برھمن لوگوں کو دھرم شاستر میں گوشت کھانے کی اجازت ہے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ جگ کا چڑھا ہوا ہو اور اسی طرح روٹی ، کھیر ، مال پُوّا اور اَور چیزیں بھی جگ ھی کی چڑھی ہوئی جائز لکّھی ھیں ۔ اگرچہ دھرم شاستر میں گوشت کھانا منع نہیں ہے مگر اُس میں یہ بھی لکّھا ہے کہ اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ گوشت کھانے میں ایک جان دار چیز کی جان جاتی ہے اُسے چھوڑ دے تو بہت اچھی بات ہے ۔

ان رسموں کے سوا شاستر کے موافق اَور بھی بہت سی ضروری رسمیں ھیں ؛ چنانچہ برھمنوں کو مہمانوں کی خاطر داری کرنی واجب ہے اور اس بات کی اس وقت اَور بھی تاکید ہے کہ جب مہمان بھی برھمن ھو ۔ شاستر میں نیکی کرنے اور سچ بولنے کی بڑی تاکید ہے اور بدی سے بچنا نیکی کرنے سے بھی بہتر لکھا ہے مگر بعض جگہ جھوٹ اور فریب بھی جائز رکھا ہے مثلاً کسی کی جان بچانے کے واسطے جھوٹی گواھی دینی درست ہے اور اسی طرح اگر کوئی راجہ اپنے ملک اور راج کے فائدے کے واسطے جھوٹ اور فریب اختیار کرے تو مضائقہ نہیں ہے بلکہ ایسی صورتوں میں جھوٹ بولنا اور فریب کرنا بہت مناسب ہے ۔

---

۱ ۔ وید کے ایک منتر کا نام ہے جسے برھمن لوگ سب منتروں سے اچھا جانتے ھیں اور یہ خیال کرتے ھیں کہ اس کے پڑھنے سے بہت قدرت حاصل ھو جاتی ہے ۔

اس باب میں هندوؤں کی ان مذهبی باتوں کا بھی ذکر کیا جائے گا جو آج کل هندوستان میں مانی جاتی هیں مگر چوں که منو جی کے زمانے کے بعد ایک اور نیا مذهب جس کو بودھ کہتے هیں، رواج پا گیا تھا اس واسطے پہلے اس کا بیان کرنا مناسب معلوم هوتا هے -

اگلے زمانے میں برهمنوں کے قول کے موافق هندو لوگ یه خیال کرتے تھے که جس شخص میں 'بدّھ'[1] یعنی عقل کامل آ جاتی هے، اسے قدرت خدائی حاصل هو جاتی هے اور وه بُدھ کہلانے لگتا هے مگر یه عقل صرف اسی شخص کو نصیب هو سکتی هے جو دهرم میں نہایت کوشش کرے - حضرت عیسیٰؑ کے چھ سو برس پہلے ایک چھتری راجه کے بیٹے نے جس کا نام سدھارتھ تھا، اس درجے کے حاصل کرنے کے واسطے دهرم پر کمر باندھی اور ایک روز رات کے وقت اپنا راج پاٹ چھوڑ کر بیراگ اختیار کیا اور بہت دنوں تک بَنوں اور جنگلوں میں تپّسیا کرتا رها - انجام کار اس کے دل پر یه بات ٹھن گئی که مجھ کو بُدھ کا رُتبه حاصل هو گیا اور اپنے تئیں جہان کی سب باتوں سے واقف جان کر یہی مذهب جس کا نام بودھ هے، پھیلانے لگا اور اس وقت سے اس کا نام شاکی سنگھ گوتم یا شاکی منی مشہور هوا -

یه مذهب پہلے پہل بنارس کے گرد و نواح میں جاری هوا، پھر آهسته آهسته تمام هندوستان میں پھیل گیا اور حضرت عیسیٰؑ کے ڈھائی سو برس پہلے اس نے بڑی رونق پائی اور تھوڑے عرصے کے بعد جزیرۂ سراندیپ، برما اور چین میں جہاں اب تک اس مذهب کے هزاروں آدمی موجود هیں، چمک گیا لیکن اب هندوستان میں پہاڑی ملکوں کے سوا اس کا کہیں نام و نشان بھی باقی نہیں هے - اس مذهب میں ذات کو کچھ دخل نہیں هے اور هر ایک آدمی کا درجه اس کے عملوں پر موقوف هے؛ چنانچه شاکی منی اپنے مذهبی کلام میں بیان کرتے

---

۱ - زبان سنسکرت میں بدھ (سنسکرت) به تشدید دال مہمله بمعنی عقل کامل اور بدھ (سنسکرت) بسکون دال مہمله بمعنی عاقل کامل هے -

ہیں کہ ذاتوں میں ہرگز تمیز نہ کرنی چاہیے اور مرد اور عورتیں اور جوان اور بچّے سب کو رحم دلی اختیار کرنے اور تکلیفیں سہنے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ شاکی منی کے نزدیک نجات ایک خاص حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان خوشی اور رنج اور دوستی اور دشمنی بلکہ تمام خیالوں اور خواہشوں سے چھوٹ جاتا ہے ۔

گوتم کی زندگی میں بُدھ مذہب نے خوب رواج پایا اور اُن کے مرنے کے بعد اور بھی ترقی ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اس مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے جو آج تک مختلف مقاموں میں موجود ہیں ۔ ان میں سے ایک فرقے کا یہ قول ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں ہے اور سب میں بڑا بُدھ ہوتا ہے اور اب تک چوبیس بُدھ گزر چکے ہیں اور گوتم پچیسواں بُدھ ہے ۔ اسی فرقے کے لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مادے میں ایک ایسی خاصیّت ہے کہ وہ خود بخود جہان کی صورت میں بدل جاتا ہے اور پھر فنا ہو کر نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے اور یہی حالت ہمیشہ جاری رہتی ہے ۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ خدا موجود ہے لیکن اُس نے دنیا کو نہیں پیدا کیا اور نہ اُس کو دنیا کے کاموں اور انسان کے نیک و بد سے کچھ علاقہ ہے ۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ اگرچہ خدا کو دُنیا سے کچھ سروکار نہیں ہے لیکن پھر بھی تمام چیزیں اُسی کی مرضی سے پیدا ہوئی ہیں ۔

بُدھ مذہب کے اکثر آدمی ہندوؤں کے دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں لیکن اُن کا درجہ بُدھ سے کم جانتے ہیں ۔ بہتیرے آدمی دنیا کو چھوڑ کر ایک علاحدہ مکان میں جو دھار کہلاتا ہے ، ہو بیٹھتے ہیں اور اس مکان میں سے ہر ہفتے میں صرف ایک دن باہر نکل کر اشنان کو جاتے ہیں اور پھر اپنے استھان پر آ جاتے ہیں اور وہاں بیٹھے بیٹھے بھجن کرتے ہیں ، خوشبو کے واسطے آگر کی بتّیاں جلاتے ہیں اور صندل آگ میں ڈالتے ہیں ۔ ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس مذہب کی عورتیں بھی علاحدہ مکان میں بیٹھ کر بھجن کیا کرتی تھیں اور مردوں کے سے سارے ڈھنگ برتتی تھیں ۔

بُدھ مذھب کے گرو جانور کے مارنے کا خوف برھمنوں سے بھی زیادہ کرتے ھیں اور اسی واسطے وہ کبھی اندھیرے میں پانی نہیں پیتے کہ ایسا نہ ھو کوئی جانور منہ میں چلا جائے اور نظر نہ پڑے - بُدھ مذھب میں جو بڑے بڑے گرو گزرے ھیں ، اُن کے چیلے اُن کی ھڈّیاں اور دانت تبرّک کے طور پر ایک جگہ رکھ کر وھاں ایک عمارت بطور چھتری کے بنا لیتے ھیں اور کبھی کبھی وھاں جا کر درشن کیا کرتے ھیں -

اس مذھب کے بانی یعنی گوتم منی کے باب میں عجب عجب طرح کے قصّے مشہور ھیں ؛ چنانچہ بعض لوگ بیان کرتے ھیں کہ وہ دنیا سے غائب ھو کر آسمان پر چلے گئے اور وھاں اِندر بن کر تین کروڑ پینسٹھ لاکھ برس تک رھے اور پھر دھرم جاری کرنے کے واسطے اس جہان میں آئے - بعض آدمیوں نے لکّھا ھے کہ اُنھوں نے ایک دفعہ کسی شیر کو بھوکا دیکھ کر اپنے تئیں اُس کے آگے ڈال دیا اور کہا کہ تو مجھے کھا لے - ایک جگہ یہ بھی ذکر آیا ھے کہ اُن کے آخر اوتار لینے سے پہلے اُن کی ماں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بڑی شان و شوکت سے ایک سفید ھاتھی پر سوار ھیں - اس خواب کے دیکھتے ھی اُس نے بڑے بڑے پنڈتوں اور جوتشیوں کو بُلا کر اُس کی تعبیر پوچھی - اُنھوں نے کہا ”سائی تیرے بیٹے کو بڑا ادھکار ھوگا - یا تو وہ راجہ بن کر اچل راج کرے گا یا رشی ھو کر تپّسیا کرے گا“-

جب تک بُدھ مذھب خوب ترقی پر رھا تب تک برھمنوں کی دال نہ[1] گلی لیکن جب یہ مذھب ھندوستان سے جاتا رھا ، تب اُنھوں نے پھر سر اٹھایا اور اپنے ھی مذھب کو رونق دینی شروع کی اور رفتہ رفتہ اٹھاڑہ کتابیں جن کو پُران کہتے ھیں ، جمع کیں - ھندو لوگ بیان کرتے ھیں کہ یہ پُران انھیں ویاس جی کے بنائے ھوئے ھیں جنھوں نے ویدوں کو جمع کیا تھا مگر یورپ کے باشندوں نے خوب تحقیق کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے آٹھ سو برس بعد یہ کتابیں بنائی گئی تھیں -

---

۱ - 'دال گلنے' سے 'مطلب حاصل ھونا' مراد ھے -

دھرم شاستر اور پُرانوں کے موافق تمام ھندو اس بات کو مانتے ھیں کہ دنیا بار بار پیدا ھو کر فنا ھوتی ھے اور اس امر کا ذکر وشن پُران میں اس طرح پر لکھّا ھے کہ آدمیوں کا ایک سال دیوتاؤں کے ایک دن کے برابر ھوتا ھے اور دیوتاؤں کے بارہ ھزار سال کے چار جگ ھوتے ھیں ، جن کے نام ست جگ ، ترتیا ، دواپر اور کل جگ ھیں ؛ چنانچہ اب اس ۱۲ ھزار سال کے عرصے میں سے تین جگ گزر چکے ھیں اور کل جگ موجود ھے - ایسے ایسے ھزار زمانے یعنی چار ارب بتّیس کروڑ سال برھما جی کے ایک دن کے برابر ھوتے ھیں اور اس عرصے میں چودہ منو جی پیدا ھوتے ھیں اور ھر ایک منو جی کے زمانے میں بعض دیوتا فنا ھوتے ھیں اور پھر پیدا ھو جاتے ھیں - جب برھما جی کا بھی ایک دن گزر چکتا ھے تو سارا جہان فنا ھو جاتا ھے اور رات بھر فنا کی حالت میں رہ کر صبح کو پھر پیدا ھوتا ھے اور برھما جی اپنے ھی برسوں کے حساب سے سو برس جیتے ھیں - ان کے مرنے کے بعد ایک بڑی قیامت آتی ھے اور تمام دیوتا اور انسان اور حیوان سب کے سب پرم آتما میں مل جاتے ھیں -

منو جی کے دھرم شاستر کے موافق پُرانوں میں یہ بھی لکھا ھے کہ آدمی مرنے کے بعد سُرگ یا نرگ میں جاتا ھے اور وھاں آرام یا تکلیف اُٹھا کر جُونیں بدلتا ھے اور اُسے اپنی نیکی یا بدی کے درجے کے موافق عوض ملتا ھے - اگر وہ بہت ھی نیک ھے تو مرنے جینے سے چھوٹ کر پرم آتما میں مل جاتا ھے مگر پرانوں سے یہ پایا جاتا ھے کہ دیوتاؤں کا پوجنا اور مذھبی رسموں کا ادا کرنا ھر طرح کی نیکی کرنے سے بہتر ھے اور یہ بات دھرم شاستر کے خلاف ھے -

اس زمانے کے اکثر ھندو پُرانوں ھی کی باتوں پر چلتے ھیں اور اگرچہ اُن میں بہت سے امر ایک دوسرے سے مختلف ھیں مگر ھندو لوگ سب کو صحیح اور درست جانتے ھیں ، ھاں بعض آدمی ایک بیان کو دوسرے بیان سے زیادہ پسند کرتے ھیں لیکن غلط دوسرے کو بھی نہیں کہتے - بعض پُرانوں میں لکھا ھے کہ شیش ناگ

نامی ایک سانپ ہے، زمین اُس کے پھن پر ٹھہری ہوئی ہے اور جب وہ سر جُھکاتا ہے تو زمین میں بھونچال آتا ہے۔ بعض میں یہ لکھّا ہے کہ زمین ایک بیل کے سینگ پر ٹھہری ہوئی ہے اور جب وہ تھک کر اپنا بوجھ ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بدلتا ہے تو زلزلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور بھی بہت سی باتیں اس باب میں لکھّی ہوئی ہیں مگر ہندو لوگ سب کو درست سمجھتے ہیں۔

پُرانوں کے موافق سب ہندو جانتے ہیں کہ خدا ایک ہے جسے نارائن یا بھگوان کہتے ہیں لیکن اس کی پوجا کوئی نہیں کرتا اور بھگوان کے تینوں سروپوں برھما جی، وشن جی اور شو جی کو مانتے ہیں مگر ان میں سے صرف وشن جی اور شو جی کو پوجتے ہیں۔

پُرانوں میں لکھا ہے کہ اب تک وشن جی کے نو بڑے اوتار ہو چکے ہیں اور دسواں باقی ہے۔ پہلی دفعہ اُنھوں نے مچھلی کا اوتار لے کر ویدوں کو ایک راچھس سے چُھڑایا، پھر باراہ یعنی سُؤر بن کر دنیا کو ایک اُسر سے جو اُس کو سمندر میں لیے جاتا تھا، بچایا؛ اُس کے بعد کچھوے کی صورت ہو کر مندراچل پہاڑ کو اپنی پیٹھ پر سہارا دیا اور دیووں اور دیوتاؤں نے اس پہاڑ کو رئی بنا کر اس کے گرد ایک بڑا سانپ رسّی کے طور پر ڈالا اور اسی کچھوے کے سہارے سے سمندر کو پہاڑ سے خوب بلویا کہ اس میں سے ۱۴ رتن نکل پڑے اور یہ سب رتن دیوتاؤں کو بانٹ دیے گئے۔ چوتھی دفعہ وشن جی نے نرسنگھ کا اوتار لیا اور ایک ایسی صورت میں ظاہر ہوئے جو انسان اور شیر دونوں سے ملی ہوئی تھی۔

اس اوتار کے لینے کا یہ سبب ہے کہ کسی راجہ کا ایک بیٹا تھا، وہ وشن جی کو بہت مانتا تھا اور ہر وقت انھیں کا دھیان رکھتا تھا۔ اس کے باپ نے اس امر سے ہر چند اُسے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ آخر ایک روز راجہ نے کہا کہ میں تجھے مار ڈالتا ہوں، دیکھوں! تیرا وشن کیونکر تجھے بچاتا ہے!

لڑکے نے جواب دیا کہ میرے وشن جی ہر وقت میری نگہبانی

کرتے ہیں اور وہ ہر جگہ موجود ہیں ۔

یہ سنتے ہی راجہ نے غصّے میں آ کر اپنا ہاتھ ایک ستون پر مارا اور کہا ''اگر تیرا وشن ہر جگہ موجود ہے تو اس میں کیوں نہیں آ جاتا'' ۔

یہ کہنا تھا کہ وشن جی نرسنگھ کا اوتار لے کر ستون میں سے نکل پڑے اور اپنے ناخن سے راجہ کو مار کر لڑکے کو بچا لیا ۔

پانچویں دفعہ برھمن بن کر راجہ بل سے چھل کیا ۔

کہتے ہیں کہ جب راجہ بل نے تپّسیا کے زور سے تمام زمین و آسمان کو اپنے قبضے میں کر لیا تو اِندر نے جو سُرگ کا راجہ تھا ، وشن جی کے پاس جا کر پناہ لی اور کہا ''مہاراج ! اب میرا کہیں ٹھکانا نہیں رہا ۔ راجہ بل نے زمین اور آسمان تو لے لیا ، میرا استھان بھی کوئی دم کو لینا چاھتا ہے''۔

یہ سن کر وشن جی نے اپنی صورت ایک بَونے برھمن کی سی بنائی اور راجہ بل سے آ کر کہا ۔ ''مہاراج ! میں تمھیں سدا اشیرباد دیتا رہا ہوں ، آج مجھے بھی کچھ دان دیجیے''۔

راجہ نے کہا ۔ ''مانگ کیا مانگتا ہے ؟ اس سمے جو تو مانگے ، سو دوں'' ۔

برھمن بولا ۔ ''جتنی زمین میرے تین قدم میں آ جائے ، وہ کرپا کر کے مجھے دے دیجیے''۔

راجہ اس بات کو بہت خفیف سمجھ کر ھنسا اور کہا ''ھماری آ گئّیا ہے ، جا لے لے''۔

برھمن نے پہلے قدم میں ساری زمین اور دوسرے قدم میں آسمان کو لے لیا ۔ جب تیسرے قدم کے واسطے کوئی جگہ باقی نہ رھی تو راجہ نے اپنا جسم اُس کے آگے ڈال دیا اور کہا کہ اب کی دفعہ میں خود موجُود ہوں مگر وشن جی نے رحم کھا کر اس کی جان بچا دی ۔

چھٹے اوتار میں وشن جی نے پرسرام بن کر چھتریوں کو تباہ کیا ، ساتویں میں رامچندر ہو کر راون کو مارا ؛ اس اوتار کی حالت میں اُن سے عجب عجب طرح کی باتیں ظاہر ہوئیں اور وہ سب کی سب حکایتوں اور نقلوں کے طور پر کتاب رامائن میں جسے والمیک جی نے تصنیف کیا ہے ، لکھی ہوئی ہیں -

کہتے ہیں کہ رام چندر جی کے باپ دسرتھ کی کئی رانیاں تھیں اور اُن میں آپس میں رشک اور حسد تھا ؛ اس سبب سے رام چندر جی اپنی سوتیلی ماں کے فریب سے مدّت تک بنوں اور جنگلوں میں رہے - اتفاقاً ایک روز وہ اپنی استری سیتا جی کو چھوڑ کر شکار کو گئے تھے کہ ایک راچھس سونے کا ہرن بن کر اُن کے آگے آیا - رامچندر جی نے اس کے شکار کا اردہ کیا کہ اتنے میں راون فقیر کا بھیس بدل کر اُن کی استری پاس آیا اور چالاکی سے اُسے لنکا میں اُڑا لے گیا -

جب رام چندر جی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے ہنومان جی اور سوگریو سے جو بندروں اور ریچھوں کے راجا تھے ، مدد لے کر راون پر چڑھائی کی اور اُسے مار کر اپنی استری وہاں سے لے آئے - اتنی بات میں شک نہیں ہے کہ دنیا میں رام چندر جی نامی ایک راجا گزرے ہیں اور اُنھوں نے لنکا پر چڑھائی بھی کی ہے -

آٹھویں دفعہ وشن جی نے اسروں کو مارنے کے واسطے بُدھ کا اوتار لیا - نویں مرتبے بلرام بن کر دنیا کو ظالموں کے ظلم سے چُھڑایا اور دسواں اوتار 'نس کلنک' نامی اب ہونے والا ہے اور وہ سنبھل مراد آباد میں 'وشن جس' برھمن کے گھر میں ظاہر ہوگا -

ان اوتاروں کے سوا وشن جی کے اور بھی بہت سے اوتار ہیں مگر اُن میں سری کرشن جی بہت ہی نامی ہیں اور یہ اوتار اگرچہ پہلے دسوں اوتاروں میں داخل نہیں ہیں لیکن آج کل ہندوستان میں اُن سے بھی زیادہ مشہور ہیں -

وشن جی نے سری کرشن جی کا اوتار بسدیو کے گھر میں لیا اور چوں کہ اُن کے ماموں کنس نے پنڈتوں اور جوتشیوں سے یہ سُنا تھا کہ

میرا بھانجا مجھے قتل کرے گا ، اس واسطے جو لڑکا اس کی بہن کے ہاں پیدا ہوتا تھا وہ اُسے مار ڈالتا تھا ۔ جب سری کرشن جی پیدا ہوئے تو بسدیو نے مشہور کیا کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے ۔ کنس کو یہ فریب معلوم ہوگیا اور اُس نے سری کرشن جی کے مارنے کے واسطے بہت سی تدبیریں کیں مگر کوئی بات بن نہ پڑی ، آخر کار سری کرشن جی نے کنس کو مار ڈالا ۔

بچپن ہی میں سری کرشن جی سے ایسی ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو نہایت عجیب تھیں اور گوپیوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹّھا کرنا اور اُن کے کپڑے چُرا لینا تو بہت ہی مشہور ہے ۔ مہابھارت اور بھاگوت میں لکھا ہے کہ جب دونوں خاندانوں پانڈوں اور کوروں میں لڑائی ہوئی تو سری کرشن جی نے پانڈوں کی مدد کر کے کوروں کو شکست دی اور پھر لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے مگر اَور کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک بھیل کے تیر سے مارے گئے ۔

ہندو لوگ وشن جی کی اتنی پوجا نہیں کرتے ، جتنی اُن کے دونوں اوتاروں راجہ رامچندر جی اور سری کرشن جی کی کرتے ہیں اور سری کرشن جی کو تو خاص نارائن ہی کا سروپ جانتے ہیں ۔

بہت سے لوگ شو جی کو جن کا نام مہا دیو بھی ہے ، پوجتے ہیں اور اُن کی صورت ایسی خیال کرتے ہیں جیسے کوئی فقیر اپنے بالوں کی لٹیں چھوڑے ہوئے بیل پر سوار ہے اور اُس کے بدن سے سانپ لپٹے ہوئے ہیں اور بالوں میں سے گنگا کی دھاریں نکل رہی ہیں ۔ اگرچہ ہندو لوگ مہادیو جی کو دنیا کا فنا کرنے والا جانتے ہیں مگر چوں کہ ساری چیزیں فنا ہونے کے بعد پھر پیدا ہو جاتی ہیں اور سوا اس کے مہا دیو جی بھگوان کا ایک سروپ بھی ہیں تو اس واسطے اکثر لوگ انہیں پیدا کرنے والا بھی خیال کرتے ہیں اور مندروں میں اسی خیال سے اُن کی پوجا ہوتی ہے بلکہ بہت سی عورتیں اُن سے اولاد کی درخواست کرتی ہیں ۔ بنگالے کی طرف مہا دیو جی کی پوجا عجب طرح سے ہوتی ہے : بعض بنگالی اپنی پیٹھ میں ایک کانٹا چبھو کر کسی

چرخ میں لٹک جاتے ہیں اور اس چرخ کے ساتھ مہا دیو جی کے نام پر چکّر کھاتے ہیں اور بعض اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو سوؤں سے چھیدتے ہیں ۔

کہیں کہیں شو جی کے اوتار بھی مانے جاتے ہیں ، چنانچہ مرہٹے کھانڈے راؤ کو اُنھیں کا اوتار مان کر پوجتے ہیں ۔ علاوہ اس کے اکثر ہندو بعض دیوتاؤں کی استریوں کی بھی پوجا کرتے ہیں مثلاً لچھمی جی ، سرسوتی جی اور پاروتی جی کو جو وشن جی ، برہما جی اور شو جی کی استریاں ہیں ، بہت سے لوگ پوجتے ہیں اور اُن کو دولت اور علم اور فنا کی دیویاں سمجھتے ہیں مگر پاروتی جی کو بعض آدمی پیدا کرنے والی اور پالنے والی بھی خیال کرتے ہیں ۔ پاروتی جی اکثر دیوی بھوانی اور دُرگا بھی کہلاتی ہیں اور اُن کے ماننے والوں کے بہت سے فرقے ہیں ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں ذات کی کچھ بھی تمیز نہیں ہے ۔ ان فرقوں کے سب لوگ خواہ برہمن یا چھتری یا اور کسی ذات کے ہوں ، ساتھ بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے ہیں اور اکثر ایک کونڈے میں گوشت اور شراب ملا کر سب کے سب اُس کے گرد ہو بیٹھتے ہیں اور کھانا شروع کرتے ہیں اور جب نشے میں چُور ہو جاتے ہیں تو اُن سے ایسی ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جن کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے ۔

بہتیرے ہندو بھوت پریت اور اسی قسم کی چیزوں کو دیوتا مان کر اُن کی پوجا کرتے ہیں ۔ اکثر گاؤں والے ایک دو مُردوں کو جو زندگی کی حالت میں ان کے گاؤں میں زبردست تھے ، اپنے گاؤں کا نگہبان جان کر پوجتے ہیں اور بعض ہندو لوگ مسلمان پیروں اور شہیدوں کی قبروں کی پوجا کرتے ہیں ۔ اس کے سوا ہر ایک گاؤں میں ایک 'بھیّاں'[1] کی بھی پوجا ہوتی ہے اور یہ دیوتا زمین کا نگہبان ہے اور گاؤں کے لوگ اسے سانپ کی صورت میں خیال کر کے اُس کی ایک منڈھی بناتے ہیں اور وہاں دودھ دہی چڑھا کر پوجا

---

۱ - صحیح 'بھمیا' ہے ، 'بھومی یعنی زمین کا مالک ۔

کرتے ہیں - بعض ہندو سیتلا ، کھجلی اور آور بیماریوں کو دیوتا جان کر پوجتے ہیں -

ہندوؤں میں ہر ایک دیوتا کے پوجنے والوں کے بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقے میں برہمن یا گسائیں کی قوم سے ایک ایک گرو ہوتا ہے اور یہ گرو اکثر بڑے دولتمند ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے سب چیلے چندہ کر کے ان کو روپے دیتے رہتے ہیں - ہر ایک ہندو خواہ کسی فرقے کا ہو ، اپنے ماتھے پر ایک ٹیکا لگاتا ہے اور اس ٹیکے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس دیوتا کی پوجا کرتا ہے -

اس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہندوؤں میں دیوتاؤں کی نہایت ہی کثرت ہے اور اُن کے نزدیک چھوٹے بڑے سب کے سب دیوتا ۳۳ کروڑ ہیں اور اُن میں سے مشہور دیوتا یہ ہیں : گنیش جی جنھیں مشکلوں کا آسان کرنے والا خیال کرتے ہیں اور ہر کام میں برکت کے واسطے پہلے انھیں کی پوجا کرتے ہیں ؛ اندر ، کویر ، سوام ، کارتک اور کام دیو جو سُرگ ، دولت ، لڑائی اور شہوت کے دیوتا ہیں ؛ ورن ، اگن ، پرتھوی ، پون ، سوریہ اور سوم یعنی پانی ، آگ ، زمین ، ہوا ، سورج اور چاند -

علاوہ ان کے نو ستارے اور بہت سے دریا بھی انھیں تینتیس کروڑ دیوتاؤں میں داخل ہیں اور دریاؤں میں گنگا جی اول درجے پر ہیں اور جمنا جی دوسرے درجے پر اور ہندو لوگ ان دونوں کو عورت کی صورت میں خیال کرتے ہیں - اندر اور پون اور بڑے بڑے دیوتاؤں کے واسطے جدا جدا مکان مقرر ہیں جن کو لوک کہتے ہیں اور ان میں سے اندر استھان کی جو اندر پوری اور اندر لوک بھی کہلاتا ہے ، بڑی تعریف لکھی ہے ؛ چنانچہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اندر لوک میں سونے کے محل جواہر آبدار سے آراستہ ہیں، ہر طرف باغ خوشنما موجود ہیں ، نہریں بہ رہی ہیں ، پھول کھل رہے ہیں ، بیلیں لہلہا رہی ہیں ، درخت ہر جگہ چھا رہے ہیں ، اپسرا اور گندھرب اپنے ناز و انداز سے راجہ اندر کو رجھا رہے ہیں -

ہندوستان میں ایک اور مذہب بھی جاری ہے جسے جین کہتے ہیں ۔ اس مذہب کے لوگوں کا بھی بُدھ کے موافق یہ قول ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں ہے اور اگر ہے تو اُسے دنیا کے کاموں میں کچھ دخل نہیں اور نہ اُس نے دنیا کو پیدا کیا ہے بلکہ مادے میں ایک ایسی خاصیّت ہوتی ہے کہ وہ خود بخود دنیا کی صورت میں بدل جاتا ہے ۔ ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی میں جاری ہوا اور گیارھویں صدی میں اس کی بہت ترقی ہوئی اور بارھویں صدی کے بعد اُس کا زوال شروع ہو گیا ۔

جس طرح بُدھ مذہب کے لوگ بُدھ کو مانتے ہیں ، اسی طرح جین مذہب والے ارھنت کو پوجتے ہیں ۔ اُن کا یہ قول ہے کہ زمانے میں ۲۴ ارھنت موجود ہیں اور یہ سب کے سب پہلے آدمی تھے مگر تپسّیا کے سبب سے اُنھیں یہ درجہ حاصل ہو گیا اور جب اُن کا زمانہ پورا ہو چکے گا تو اور ۲۴ ارھنت دنیا میں پیدا ہو جائیں گے ۔ جینی لوگ اس زمانے کے ارھنتوں میں سے رشب جی کو جو سب سے پہلے ارھنت ہیں اور پارس ناتھ کو جو تیئسویں ہیں اور مہابیر جی کو جو چوبیسویں ہیں ، بہت پوجتے ہیں ۔ بعض اہل یورپ انھیں پچھلے دونوں ارھنتوں کو اس مذہب کا بانی خیال کرتے ہیں ۔

جین مذہب والے ہندوؤں کے اکثر دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں لیکن ان میں درجوں کی کچھ تمیز نہیں کرتے اور بعض دیوتاؤں کے نام کے بہت سے دیوتا جانتے ہیں اور ان کی مدّتیں بہت دراز بیان کرتے ہیں اور ویدوں کو آسمانی کتابیں نہیں جانتے ۔ یہ لوگ جانور کی بڑی نگہبانی کرتے ہیں اور اس امر میں اپنے اُوپر طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں ۔ جینیوں کی بہت سی ذاتیں ہیں اور اُن کے بعض فرقوں کے پُجاری جو جتی کہلاتے ہیں سب ذاتوں کے ہوتے ہیں اور وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں ؛ ان میں سے اکثر میلے کچیلے بنے رہتے ہیں اور کبھی نہاتے دھوتے نہیں ہیں ۔

جینی لوگوں کے دو فرقے بڑے مشہور ہیں : ایک دگمبری ،

دوسرے سوتیمبری - دگمبری جنھیں سراؤگی بھی کہتے ہیں ، وہ لوگ ہیں جو اپنے دیوتاؤں کی مورتوں کو ننگا رکھتے ہیں اور انھیں کسی قسم کا کپڑا یا زیور نہیں پہناتے ؛ ان کے سنی بھی بالکل ننگے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں جہات ستّہ یعنی چھ سمتوں کے سوا اور کسی طرح کا لباس درکار نہیں ہے اور اسی واسطے اس فرقے کو دگمبری کہتے ہیں کیونکہ لفظ دگمبر مرکّب ہے دگ اور امبر سے اور دگ سنسکرت میں سمت کو کہتے ہیں اور امبر چادر کو ، تو دگمبری فرقے سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی چادر یا لباس صرف سمت ہو - اس فرقے کی بھی کئی قسمیں ہیں مگر زیادہ مشہور وہ لوگ ہیں جو پہلے بنیے تھے اور پھر جینی ہو گئے -

سوتیمبری وہ جینی ہیں جو اپنے ٹھاکروں کو کپڑے تو نہیں پہناتے مگر خول کے طور پر زیور اور چاندی سونے کے انگرکھے[۱] اور پاجامے پہنا دیتے ہیں اور ان کے جتی بھی سفید لباس پہنتے ہیں اور اسی سبب سے اس فرقے کا نام سوتیمبری ہے کیونکہ لفظ سوتیمبر مرکّب ہے سویت اور امبر سے اور سویت سنسکرت میں سفید کو کہتے ہیں - ان لوگوں کی بھی کئی قسمیں ہیں اور منہ بندھے بھی جنھیں سیوڑے اور ڈھونڈھیے کہتے ہیں ، انھیں لوگوں میں سے ہیں - اس فرقے کے آدمی کھانے پینے کی بہت تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور جانور کی نگہبانی کرنے میں اور قسم کے جینی لوگوں سے زیادہ کوشش کرتے ہیں اور اس مطلب کے واسطے ایک سوت کی چونری جسے اوگھا کہتے ہیں ، اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں تاکہ بیٹھتے وقت اس سے اپنی جگہ صاف کر لیا کریں اور کوئی جانور ان کے نیچے نہ دب جائے - علاوہ اس کے کپڑے کی ایک تھیلی سی بنا کر اپنے منہ پر باندھ لیتے ہیں تاکہ منہ کی بھاپ سے کوئی جانور نہ مر جائے - جین مذھب کے لوگ ھندوستان کے اکثر شہروں میں موجود ہیں اور راجپوتانہ اور گجرات وغیرہ کی طرف ان کی بہت کثرت ہے -

---

۱ - لفظ انگرکھا مرکب ہے انگ اور رکھا سے اور زبان سنسکرت میں کل لفظ کے لغوی معنی محافظ تن ہیں -

ہندوؤں میں اور بھی بہت سے مذہبی فرقے ہیں جن کے بانی فقیر گزرے ہیں اور ان میں سے ایک فرقہ جسے سِکھ کہتے ہیں بہت مشہور ہے ، اس فرقے کی ابتدا گرو نانک جی سے ہوئی ہے -

یہ گرو کالو نامی ایک کھتری کے ہاں ضلع لاہور کے تل ونڈی گاؤں میں ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے تھے - جب وہ بڑے ہوئے تو کالو نے ان سے سوداگری کرانی چاہی اور چالیس روپے دے کر کہیں تجارت کو بھیج دیا - اتفاقاً رستے میں وہ کئی فقیروں سے ملے اور اُن سے کچھ گفتگو کی ؛ فقیروں نے انھیں سمجھایا کہ دنیا بالکل ناپائدار ہے ، اس پر دل نہ لگانا چاہیے اور جہاں تک ہو سکے ، اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے - گرو نانک جی کے دل پر اس گفتگو کا کچھ اثر ہو گیا اور وہ انھیں محتاج دیکھ کر چالیس روپے کا آٹا شہر میں سے خرید لائے اور سب کو کھلا پلا کر خالی ہاتھ اپنے گھر چلے گئے - ان کا باپ یہ حال سن کر بہت ناراض ہوا اور غصّے میں آ کر چاہا کہ انھیں خوب مارے مگر ایک مسلمان زمیندار نے اپنے پاس سے چالیس روپے دے کر اُنھیں بچا لیا -

جب گرو نانک جی کا دل کسی پیشے میں نہ لگا تو اُن کے باپ کو بڑا غم ہوا اور وہ اس امر میں طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگا - گرو نانک جی کی ایک بہن تھی نانکی اور وہ سلطان پور میں جو جالندھر دوآبے میں واقع ہے ، ایک شخص جے رام نامی سے جو غلّہ بیچا کرتا تھا ، بیاہی ہوئی تھی - جب کالو کو کوئی تدبیر نہ سوجھی تو اس نے ناچار ہو کر گرو نانک جی کو ان کی بہن کے پاس بھیج دیا -

ان دنوں میں وہاں کا حاکم نوّاب دولت خاں تھا اور جے رام کو بھی اس کے دربار میں کچھ دخل تھا - اُس نے اپنے سالے گرو نانک جی کو نوّاب کے مودی خانے کا مہتمم کرا دیا -

تھوڑے دنوں کے بعد گرو نانک جی کی شادی ایک عورت سلکھنی نامی سے ہوئی - اس سے دو بیٹے پیدا ہوئے : سری چند اور

لکھمی داس ۔ ان دونوں کے پیدا ہو جانے کے بعد وہ دنیا سے نفرت کر کے جنگل میں جا بیٹھے اور جو جو خیال ان کے دل میں تھے، اُن کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنے لگے ۔

ان کا دلی ارادہ یہ تھا کہ تمام جہان میں ایک مذہب جاری ہو جائے اور فرقوں کا مذہبی اختلاف بالکل جاتا رہے اور اسی واسطے انھوں نے اپنے ارادے کے موافق بہت سے مسئلے پہلی کتابوں میں سے انتخاب کیے ۔ اُن کے مسائل کا حاصل یہ ہے کہ خدا واحد ہے اور حقیقی مذہب ایک ہی ہے اور مختلف مذہب اور ذاتیں انسان کے دخل کرنے سے پیدا ہوئی ہیں؛ نفس کی خواہش کا خیال نہ کرنا، غصے کا پی جانا اور دل کا صاف رکھنا، برہمنوں کے بھوجن کرانے اور استھانوں پر چڑھاوا چڑھانے سے بہتر ہے ۔

گرو نانک جی کے ساتھ ایک گویّا بھی رہتا تھا اور جب گرو نانک جی عبادت میں مصروف ہوتے تو وہ گویّا رباب بجا کر ان کا دل بہلاتا اور خدا تعالیٰ کی تعریف کے سوا اور کچھ نہ گاتا اور اکثر یہی کہتا رہتا ۔ "تو ہی ہے نرنکار کرتار، نانک بندہ تیرا" ۔

جس وقت محمد ظہیر الدین بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا اُس وقت گرو نانک جی ایمن آباد میں تھے، بیگار والوں کے ساتھ وہ بھی پکڑے گئے مگر جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُنھوں نے ایسی معقول گفتگو کی کہ بادشاہ نے رحم کھا کر انھیں چھوڑ دیا ۔

اُس کے بعد گرو نانک جی نے مُلک مُلک پھرنا شروع کیا اور پھر گورداس پور میں جو دریاے راوی پر ہے، جا کر رہنے لگے اور وہاں ایک دھرم سالہ بنوا کر اس کا نام کرتار پور رکھا اور وہیں اپنے بال بچّوں اور چیلوں کو بھی بلوا لیا ۔ جب اُنھوں نے زیادہ شہرت پائی تو اُن کو گرو نانک اور بابا نانک اور نرنکار پکارنے لگے؛ انجام کار ستّر برس کی عمر میں ۱۵۳۹ء میں مر گئے ۔

اُنھوں نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنی جگہ نہ بٹھایا بلکہ چیلوں میں سے لہنا کھتری کو اپنا جانشین کیا اور اُس کا نام انگد

رکھا۔ یہ گرو مقام ترن تارن ضلع امرتسر میں مر گئے اور انھوں نے امر داس کھتری کو اپنا جانشین کیا۔ امر داس کے بعد اُن کا داماد رامداس کھتری گرو بنا۔ اُن کے خاندان میں گرو کا درجہ موروثی ہو گیا اور یہ درجہ گرو گوبند جی کی ذات تک رہا۔ گرو گوبند جی نے گرو نانک کے مسائل کو ایسا بدلا کہ وہ اپنے عملوں کے سبب سے بجائے سِکھ کے جس کے معنی چیلے کے ہیں، سنگھ یعنی شیر کہلانے لگے اور لٹیرے بن کر دور دراز مقاموں کا سفر کرنے لگے۔ گرو گوبند جی نے اُنھیں تاکید کی کہ وہ اپنے بال بڑھائیں اور اُن کو استرہ یا قینچی نہ لگائیں۔

گرو نانک جی کے مسئلوں اور نصیحتوں کو سکّھوں نے جمع کر کے ایک کتاب میں لکھا ہے جسے آدھ گرنتھ یا گرنتھ کی پہلی جلد کہتے ہیں اور دوسری جلد گرو گوبند جی نے سو برس بعد تصنیف کی؛ یہ کتاب اس وقت کی پنجابی زبان میں ہے اور گرمکھی خط میں لکھی ہوئی ہے۔

سکھ پنجاب میں کثرت سے ہیں اور ہر قوم کے آدمی کو اپنے مذہب میں شریک کر لیتے ہیں؛ چنانچہ چمار اور بھنگی بھی اس مذہب میں آ کر مذہبی سِکھ کہلاتے ہیں۔

تیسرا باب

من سکھی اور سُندر سنگھ کا قصہ

جو فقرے مصنّف نے اپنی طرف سے لکھے ہیں ، اُن کے پہلے علامت م[1] ہے اور جو غیر کی زبان سے بیان کیے ہیں ، اُن کی ابتدا میں نشان غ[2] ہے ۔

ایک دفعہ بہار کے موسم میں جبکہ جاڑا گزر گیا اور جنگل میں طرح طرح کے بیل بوٹے اور رنگ رنگ کے پھول کھلنے لگے ، اھیر پور گاؤں میں سیتلا کا بڑا میلا ھوا ۔ وھاں کی تمام عورتیں اور مرد ھاتھوں میں پُجاپا لیے اپنے اپنے گھروں سے باھر نکلے ۔ رستے میں ھم عمر لڑکیاں آپس میں ھنستی بولتی سیتلا کے سہیلے[3] گاتی جاتی تھیں ۔ ان میں ایک اھیر کی لڑکی جس کا نام من سُکھی تھا ، اپنے چچا سجان سنگھ نمبردار اور چچی چندر کور کے ساتھ گھر سے باھر نکلی ۔ اسی وقت ان کا پروھت گیان چند مشر بھی اپنی بیٹی پاربتی کو ھمراہ لیے ، ماتا جی کی پوجا کرنے ، ان کے ساتھ ھوا ۔ من سُکھی نے پاربتی کو دیکھتے ھی اس کا ھاتھ پکڑ لیا اور دونوں کی باتیں ھونے لگیں ۔

اس میں پاربتی نے کہا ۔ ”من سکھی ! تیرے بیاہ کو تو پانچ برس ھو گئے ھوں گے اور تو بھی ۱۵ برس کی ھوئی ، اب گَونا کب ھوگا ؟ “

اس نے جواب دیا ”اب کے بیساکھ میں بتاویں ھیں“ ۔

---

۱ ، ۲ - اس آڈیشن کی ایڈیٹنگ میں م اور غ کی علامتوں کو اس خیال سے حذف کر دیا گیا ہے کہ ان سے مطالعے کی روانی میں خلل پڑتا تھا ۔

۳ - تعریف کے گیت ۔

پھر پاربتی نے کہا ''جی‌جی[1] تیرا بنڑا تو بڑا سندر ہے''۔

یہ بات سن کر من سُکھی مسکرائی اور کہنے لگی ''ہاں جی‌جی! میں نے بھی اسے کئی بیر چھپ چھپا کر دیکھا تھا، مجھے بھی اس کی صورت بھلی لگی تھی''۔

پاربتی نے کہا ''من سکھی! اب تو تیرے گَونے کا مہینہ ہی بھر رہ گیا ہے، جب تو اپنے بنڑے کے ساتھ چلی جائے گی تو مجھ سے کاہے کو ملے گی؟ چھ سات مہینے پیچھے کبھی آئی، دو چار دن رہ گئی، پھر تُو کہاں اور ہم کہاں!''

من سُکھی بولی۔ ''نہیں ری! میرے چاچا نے یہ سوچا ہے کہ اس کو اپنے ہی گھر رکھیں، وہ بڑا نردھن ہو گیا ہے''۔

پاربتی نے کہا ''جی‌جی یہ تو بگھوان کی مایا ہے، ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، دھن دولت کس کے تھر رہی ہے؛ پر یہ اچھا ہوا کہ تیرا بنڑا یہیں آ رہے گا''۔

من سُکھی نے کہا ''کیا خاک اچھا ہوا؛ جی‌جی! سب دھن کے غرضی ہیں۔ اب میرے چاچا چاچی اس کی ویسی آؤ بگھت کہاں کریں ہیں، جیسی پہلے کریں تھے''۔

پھر پاربتی نے پوچھا ''من سُکھی تیرے چاچا چاچی کس کارن ماتا کی جات[2] دینے آئے ہیں؟''

اُس نے کہا ''تجھے خبر نہیں؟ جب میرے بھائی کے ماتا نکلی اور ساری دیہ میں کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رہی اور اس کے جینے کی آس جاتی رہی اس سمے میری چاچی نے پلہنڈے[3] تلے ماتا سے

---

۱ - اکثر ہندو بہن کو جی‌جی اور بہنوئی کو جی‌جا کہتے ہیں۔
۲ - کسی مندر پر جا کر مانی ہوئی نذر کے پورے کرنے کو جات دینا کہتے ہیں۔
۳ - ہندو لوگ اپنے اعتقاد میں جانتے ہیں کہ سیتلا کو ٹھنڈا پانی بہت پسند ہے اور اسی سبب سے پلہنڈے یعنی ٹھلیوں کی گھڑونچی کے نیچے بیٹھ کر سیتلا سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔

ارداس[1] کر کے کہا تھا کہ ماتا رانی اپنے غلام پر دیا کر ! جب یہ پانچ برس کا ہوگا ، میں تیری جات دونگی اور تیرے نام پر ایک بچھڑا چھوڑونگی اور بھگت کو جوڑا پہناؤنگی ۔ سو اب میرا سوھن بھائی پانچ برس کا ھو گیا ھے اس لیے ھم جات دینے آئے ھیں'' ۔

یہ باتیں ان لڑکیوں میں ھو ھی رھی تھیں کہ اتنے میں سب کے سب سیتلا کے مندر کے پاس آ پہنچے ۔ من سکھی پاربتی سے جدا ھو کر اپنی چچی کے ساتھ ھو لی اور اپنے بھائی سوھن کو گود میں لے کر مندر کے اندر گئی ۔ کیا دیکھتی ھے کہ وھاں ایک پیتل کی مورت پھول اور ھاروں سے لدی ھوئی رکھی ھے ۔ من سکھی کے چچا نے اپنی بیوی سے کہا ''لے موھن کی ماں[2] ! بچاپا نکال اور چھورے کے ھاتھ سے ھاتھ چھوا کے سہارانی پر چڑھا دے اور بھگت جی کو جوڑا پہنا دے اور بچھڑے کو چھوڑ دے'' ۔

من سکھی کی چچی نے سب بچاپا چڑھا دیا ، پھر سب کے سب مندر کے باھر نکلے ۔ ایک بھنگی نے آتے ھی مرغ[3] پھڑ پھڑایا اور کہا ''داتا کی خیر ! صدقے کا پیسہ دلاؤ'' ۔

دوسری طرف سے ایک اور بھنگی سؤر کا بچہ ھاتھ میں لیے ھوئے آیا اور دو چار دفعہ لڑکے کے سر پر وار کر چھوڑ دیا اور کہا ''گھینٹے کی چھڑوانی کا پیسہ مل جائے''۔

چندر کور نے ان دونوں کو ایک ایک پیسہ دے دیا ۔

ذرا ھی آگے بڑھے ھوں گے کہ ایک عورت مٹی کی مورت لیے ھوئے سامنے سے نظر پڑی اور چندر کور کو دیکھ کر بولی ''کلیجے[4]

---

۱ ۔ ارداس لفظ عرضداشت کا بگڑا ھوا ھے ۔

۲ ۔ ھندوؤں کا یہ عقیدہ ھے کہ اگر خاوند بیوی کا یا بیوی خاوند کا نام لے تو ان کی عمر کم ھوتی ھے ۔

۳ ۔ ھندوؤں کے اعتقاد میں مرغ اور سورکا بچہ یہ دونوں جانور بچوں کی بلائیں اور آفتیں اپنے اوپر لے لیتے ھیں ۔

۴ ۔ سیتلا کو ان ناموں سے بھی پوجتے ھیں کیوں کہ وہ کلیجہ نکال لیتی ھے اور بدن پر پھپولے ڈال دیتی ھے ۔

والی کی بھی بھیٹ چڑھاتی جا'' ۔

ایک آور بولی ''پھپولے والی سے بھی ڈر'' ۔

ایک نے کہا ''کُھجلی[1] ماتا کا بھی پیسہ رکھتی جا'' ۔

من سُکھی کی چچی ایسی خوفناک آوازیں سن کر کانپتی تھی اور ہر ایک کے آگے پیسہ رکھتی جاتی تھی ۔ آخر کار جب پیسے دیتے دیتے حیران ہو گئی تو جلدی سے پیچھا چھڑا کر ایک طرف کو چلی اور وہیں کسی درخت کے تلے سب نے جمع ہو کر باسی کھانا کھایا ۔ جب کھانا کھا چکے اور میلا کم ہو گیا ، یہ بھی اپنے گھر کی طرف چلے اور وہاں پہنچ کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے ۔

اسی روز رات کے وقت جب گھر کے سب آدمی جمع تھے ، سجان سنگھ ایک چار پائی پر بیٹھا ہوا حقّہ پی رہا تھا اور اس کی بیوی ایک طرف زمین پر بیٹھی تھی ، دوسری طرف من سُکھی سوھن کو کھانا کھلا رھی تھی ، سجان سنگھ نے اپنی بیوی سے من سُکھی کے گَونے کا ذکر کیا اور کہا ''سوھن کی ماں ! من سُکھی کا بنڑا ایک مہینے پیچھے آوے گا اور وہ یہیں رہے گا'' ۔

اس کی بیوی نے کہا ۔ ''سامنے کی کوٹھڑی خالی کر دوں گی اور گَونے کا بھی سارا سامان دھرا ہے'' ۔

تھوڑی دیر تک ان میں یہی باتیں ھوتی رھیں ، پھر من سُکھی اور سوھن اندر کے دالان میں اپنی چار پائی بچھا کر سو رہے ؛ باھر کے دالان میں چندر کور اپنے چھوٹے بیٹے کو لے کر لیٹ گئی اور سجان سنگھ اسی دالان کی کوٹھڑی میں جا پڑا ۔

جب صبح ھوئی تو نمبردار چار پائی سے اُٹھ کر اپنی چلم بھر ساچے پر آ بیٹھا اور حقّہ پینے لگا ۔ تھوڑی ھی دیر ھوئی تھی کہ ایک

---

۱ - سیتلا کے مندر کے پاس اکثر مٹی کے ڈھیر یا پتھر کا نشان کھجلی کی پوجا کے واسطے بھی بنا ھوا ھوتا ہے ۔

فقیر جٹا دھاری کندھے پر مرگ چھالا ڈالے ، ھاتھ میں چمٹا لیے ھوئے اس طرف سے گزرا اور نمبردار کو ماچے پر بیٹھا ھوا دیکھ کر چپ چاپ اس کے سرھانے آ بیٹھا ۔ نمبردار نے کہا ''مہاراج کہاں سے آنا ھوا ، کیا چاھیے ؟''

فقیر نے کچھ جواب نہ دیا ۔

نمبردار بولا ''مہاراج ! کچھ کہیے ! کیا اِچّھا ھے ؟''

فقیر نے کہا ''بابا کچھ اِچّھا نہیں ، جو تیرا جی چاھے تو ایک سلفا پلوا دے''۔

نمبردار نے اپنے حقّے پر سے چلم اُتار کر فقیر کے حوالے کی ، اُس نے ایک دم لگایا کہ لو اُٹھ آئی ۔ یہ دیکھ کر نمبردار نے کہا ''مہاراج ! کیا تمباکو کی چاندی[1] ھی کر دو گے ؟''

فقیر نے جواب دیا ''سائیں کے بھنڈار میں کچھ کمی نہیں ھے ؛ جو تیری یہ مرضی ھے تو ایسا ھی ھو جائے گا''۔

فقیر تو یہ کہ کر چل دیا اور نمبردار کو گھڑی بھر کے بعد جب پھر حقّے کی طلب ھوئی تو وہ چلم بھرنے گیا اور جونھیں چلم اُلٹی ، ایک چاندی کی ڈلی اس میں سے نکل پڑی ۔ یہ دیکھ کر نمبردار حیران ھو گیا اور دفعۃً پکار اُٹھا ''موھن کی ماں ، دوڑیو ! موھن کی ماں دوڑیو !''

اُس کی آواز سن کر چندر کور گھبرائی ھوئی آئی اور کہا ''کیا ھے ! کیوں پکارے ھے ؟''

نمبردار نے چاندی کی ڈلی اس کے ھاتھ پر رکھ دی اور کہا ''لے دیکھ یہ کیا ھے ؟''

وہ بولی ''یہ چاندی کی ڈلی تو کہاں سے لایا ؟''

---

۱ - جس وقت حقّے کا ایسا دم لگاتے ھیں کہ تمباکو جل کر راکھ ھو جاتا ھے ، اس وقت کہا کرتے ھیں کہ تمباکو چاندی ھو گیا ۔

نمبردار نے تمام گزرا ہوا ماجرا کہ سنایا ۔ اس کی بیوی بولی ''ھاں ایک بابا جی کو تو میں نے تیرے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا ، پر مجھے یہ خبر نہ تھی کہ وہ ایسے سدھ ہیں'' ۔

نمبردار نے کہا ''میں بھی یہ نہ جانوں تھا کہ بابا جی ایسے ہیں'' ۔

چندر کور بولی ''جلدی جا ، چاروں طرف آور آدمی دوڑا دے اور جہاں سے بابا جی ملیں ، ان کو لا'' ۔

نمبردار نے بہت سی خاک چھانی مگر فقیر کا کہیں پتا نہ لگا ، ناچار اپنے گھر چلا آیا ۔

اس کے بعد کئی دن تک فقیر کا چرچا ہوتا رہا اور من سکھی کے گونے کے دن قریب آ گئے ۔ نمبردار نے گونے کا تمام سامان تیار کر ھی رکھا تھا کہ اتنے میں دولھا اور اس کے تین چار رشتے دار دو گاڑیاں اور ایک گھوڑی لے کر آ گئے ۔ سجان سنگھ نے انھیں چوپاڑ میں اتار کر ھر طرح سے ان کی خاطر داری کی اور یہ لوگ دو روز تک وھاں ٹھہرے ۔

دولھا کے گاؤں میں آتے ھی من سکھی نے گھر سے باھر نکلنا چھوڑ دیا ؛ جو کبھی نکلتی بھی تو رات کے وقت ھم جولیوں سے ملنے جاتی اور خوب مل مل کر روتی ۔ وہ سب کی سب اسے سمجھاتیں ''کیوں رووے ھے ؟ پندرہ دن پیچھے تیرے چاچا چاچی تجھے بلا لیں گے'' ۔

جس روز گونے کا مہورت نکلا ، اس روز نمبردار نے گیان چند مشر کو بلوایا ۔ اس نے آتے ھی چوک لپوایا اور اس پر ایک طرف آٹے سے نو خانے بنا کر ان میں چاول رکھ دیے اور ایک مٹی کی ڈلی لے کر اس پر کلاوا لپیٹا ؛ پھر دولھا دلھن کو دو پٹروں پر بٹھایا اور اس مٹی کی ڈلی کو گنیش اور نو خانوں کو نو گرہ قرار دے کر پوجا کرائی اور رولی ، چاول ، پھول ، پان ، بتاشے اور پیسے ان پر چڑھا دیے

پھر گیان چند نے لڑکے کے دوپٹے اور لڑکی کی اوڑھنی کا ایک ایک سرا لے کر دونوں کو سلایا اور اس میں چھالیہ کی ڈلی ، چاول اور ایک ٹکا رکھ کر گرہ باندھ دی ۔ اس کے بعد پٹا پھیر کی رسم ہوئی اور پٹڑوں کو جن پر دولھا دلھن بیٹھے ہوئے تھے، بدل دیا ۔ جس وقت نائی نے پٹڑوں کے بدلنے کے لیے اُٹھایا تو پاربتی جو وہاں کھڑی ہوئی تھی ، اُس سے کہنے لگی "دیکھ رے ! یہ پٹڑے آپس میں ٹکراویں نہیں ، جو ایسا ہوا تو من سکھی اور جیجا میں سدا کھٹا پٹی رہے گی" ۔

جب وداع کی تیاری ہوئی ، من سکھی اپنے سارے رشتہ داروں اور سہیلیوں سے مل کر خوب روئی اور موہن کو گود میں اُٹھا کر کہنے لگی "بھائی ! تو چاچی سے کہتا رہیو 'جیجی کو جلدی بلا لے'۔"

موہن کا بھی یہ حال تھا وہ سب کو روتا دیکھ کر سہم گیا اور اپنی بہن کی گود میں بیٹھ کر بلکنے لگا ۔ من سکھی کی چچی نے چلتے وقت اپنی بھتیجی کی بہت تسلّی کی اور یہ بھی کہ دیا "بیٹی ! جو تیری ساسو کہے ، سو کریو اور جو بڑی بوڑھی آوے ، اس کے پیروں پڑیو" ۔

من سکھی بڑی مشکل سے روتی ہوئی گاڑی میں بیٹھی اور برابر کوس بھر تک روتی چلی گئی ۔ اس کا چچا بھی دُور تک گاڑی کے ساتھ ساتھ گیا اور رخصت ہوتے وقت کہنے لگا "من سکھی گھبرا مت ! میں اپنی بیٹی کو بہت جلدی بلا لوں گا" ۔

آخر کار جب وہ اپنی سسرال میں پہنچی تو اس کی ساس اور اور دو چار عورتیں اسے گاڑی میں سے اتار کر گھر میں لے گئیں ، پھر دولھا دلھن کو پٹڑوں پر بٹھا کے دلھن کے ہاتھ میں ایک لڈّو دیا اور اُس کی گود میں اس کے دیور کو لا بٹھایا ۔ وہ بیٹھتے ہی بول اُٹھا "بھابی ! لڈو مجھ کو اور بیٹا تجھ کو" ۔

یہ کہ کر گود میں سے اُتر پڑا اور کھانے لگا ۔

مَن سُکھی پندرہ روز تک اپنی سسرال میں رہی اور جس طرح اس کی چچی نے اسے سمجھا دیا تھا ، اسی طرح ساری باتیں کرتی رہی - جب اس کا سُسرا یا جیٹھ گھر میں آتا تو اُٹھ کر ایک طرف کوٹھڑی میں چلی جاتی اور کسی عورت کے سامنے کبھی خاوند سے کلام نہ کرتی اور نہ اس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتی -

پندرہ دن کے بعد اُس کی چچی نے موھن اور دو چار لڑکوں کو ایک معتمد آدمی کے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر من سکھی کے لینے کو بھیجا ، وہ اُسی روز اُسے اور اُس کے خاوند کو لے کر چلے آئے -

سندر سنگھ اپنی سسرال میں رھنے لگا مگر وھاں رھنے سے اس کی طبیعت کچھ خوش نہ ھوئی کیوں کہ سجان سنگھ اس کو حقیر سمجھ کر ھر وقت طعنے دیتا اور کبھی کبھی یہ کلام بھی اپنی زبان پر لاتا ''من سکھی بڑی ابھاگی ھے جو تجھ سے نردھن کے پلّے پڑی''-

سندر سنگھ کو اپنی سسرال میں رھتے ھوئے کچھ دن گزرے تھے کہ ایک روز دفعۃً وھی بابا جی جو پہلے اپنی کرامت دکھا گیا تھا ، چوپاڑ میں سجان سنگھ کے آگے آ کھڑا ھوا اور پکارا ''الکھ جاگے ھے''-

سجان سنگھ جس کو مدت سے اس کے دیکھنے کی آرزو تھی ، حیرت میں آ کر کہنے لگا ''اجی آؤ ، مہاراج ! ھم تو اسی دن سے تمھاری یاد گاری کر رھے تھے - بڑی کرپا کی ، جو آپ نے درشن دیے''-

یہ کہ کر اُسے اپنے گھر لے گیا اور بیوی سے کہا ''لے موھن کی ماں ! آج ھمارے بھاگ آدے ھوئے ، جو وھی بابا جی پھر آئے''- پھر فقیر کی طرف مخاطب ھو کر بولا ''واہ مہاراج ! دھن ھو''-

اُس کا یہ کہنا تھا کہ بابا جی نے اپنی جھولی میں سے ایک

سونے کی ڈلی نکال کر اُس کے حوالے کی اور کہا ”بابا ہم تجھ سے بڑے پرسن ہیں لا ایک سُلفا پلوا دے ، پھر کسی اور دسا کو سدھاریں“۔

نمبردار نے بڑی خوشی سے چلم بھر کر اسے پلوائی اور اس کی بیوی نے کہا ”سہاراج ! آج روکھی سوکھی روٹی یہیں پاؤ“۔

فقیر نے کہا ”مائی ! یہ کھانا پینا تم گرھستیوں کے لیے ھے ، ھم تو اپنا پیٹ بن کے پھل پھلاری سے بھر لیتے ھیں“۔

سندر سنگھ جو ایک کونے میں بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سن رہا تھا ، پہلے ھی ایسے فقیروں سے ڈرا ہوا تھا کیوں کہ اس کے گاؤں میں ایک فقیر اس طرح کی باتیں بنا کر کسی آدمی کو جل دے گیا تھا۔ اُسے اُس فقیر کی نسبت بھی دغا بازی کا شُبہ پیدا ھوا اور اس کی طرف ایک ایسی نگاہ کی ، جس سے وہ بھی تاڑ گیا کہ سندر سنگھ یہاں میری دال نہ گلنے دے گا۔ یہ سوچ کر فقیر وھاں سے اُٹھ کھڑا ھوا اور بولا ”لے بابا سجان سنگھ ! فقیر کے دل میں سوج آ گئی تھی ، جو تیرے پاس آ نکلا تھا۔ اب ھم رمتے ھیں ؛ پر ایک بات تجھ سے کہے جاتے ھیں ، شاید تجھ کو کڑوی معلوم ھو ، پر یہ بھی کہا ھے ، آئی بات کو من میں نہ رکھیے ، یہ لڑکا سندر سنگھ جو تیرا جائی ھے ، اس کا یہاں رھنا تیرے واسطے اچھا نہ ھوگا۔ ھم نے تو کچھ اور چاھا تھا ، پر ھونی بلوان ھے ، اپنا چاھا ھوتا نہیں“۔

فقیر تو یہ کہ کر چلا گیا اور سجان سنگھ اپنی بیوی سے کہنے لگا ”لے موھن کی ماں ! جو آج سندر سنگھ ھمارے گھر میں نہ ھوتا تو جانے کیا نو ندھ[1] بارہ سدھ ھو جاتی۔ میں تو پہلے ھی جانوں تھا

---

۱ - جب مطلب بخوبی حاصل ھو جاتا ھے تو اس وقت کہا کرتے ھیں کہ نو ندھ بارہ سدھ ھوگئی اور اس کی اصل یہ ھے کہ ندھ سنسکرت میں کویر کے خزانے کا نام ھے اور سدھ آسمانی قوت کو کہتے ھیں اور ھندوؤں کے مذھب میں کویر جو خزانوں کا دیوتا ھے ، اُس کے قبضے میں نو خزانے ھیں اور دیوتاؤں کی قوتیں بارہ ھیں ؛ تو نو ندھ بارہ سدھ ھو جانے سے یہ مراد ھے کہ کویر کے نو خزانے اور دیوتاؤں کی ساری قوتیں حاصل ھوگئیں -

یہ چھورا میرے گھر کی بھی اینٹ سے اینٹ[1] بجا دے گا۔ ہمارے کہاں بھاگ! جو ایسے اتیت جوگی جٹا دھاری ہمیں درشن دیں؛ پر کیا کیجیے! درشن دیتے ہی بات کی بات میں سندر سنگھ کے کارن غصّے ہو کر چلے گئے''۔

سندر سنگھ جو وہیں کھڑا ہوا تھا، یہ بات سن کر نہایت ناراض ہوا اور آنسو بھر کر کہنے لگا ''اس پاکھنڈی کا جانا تمھارے لیے اچّھا ہوا، جو میں آج نہ ہوتا، تو یہ ضرور تمھارا ستّیاناس کر جاتا اور ایسا لوٹتا کہ بدن پر ایک لتّا بھی نہ چھوڑتا''۔

سجان سنگھ سندر سنگھ کی طرف مخاطب ہو کر بولا ''ارے نر بھاگ! کیوں جھک مارے ہے۔ میں نے تو تجھ کو اسی دن جان لیا تھا جس دن تیرے ساتھ چھوری کے پھیرے ہوئے تھے! پر کیا کروں، کرموں کی ریکھ امٹ ہے، نہیں تُو اور میرا گھر!''

جب سجان سنگھ نے سندر سنگھ کو ایسی سخت سخت باتیں سنائیں تو وہ بھی بھر آیا اور افسوس کر کے کہنے لگا ''بھگوان سب پر دیا رکھے، کسی کو بگاڑے نہیں۔ جب میں تیرے گھر آ کے رہا تو تُو نے مجھے یہ باتیں سنائیں۔ لے اب تُو جان اور تیرا گھر''۔

یہ کہہ کر سندر سنگھ غصّے میں بھرا ہوا مکان کے باہر آیا اور جنگل میں جا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جب سجان سنگھ کی سخت باتوں کا خیال اس کے دل میں آتا تو کہتا ''میں نے تیرے نت دن کے طعنے مہنے بھی سہے، پر کیا کروں، اب تو تُو بھگو بھگو کر جوتیاں مارنے لگا۔ میرا تیرے گھر میں کیوں کر نباہ ہوگا، اب تو یہاں سے چلا جانا ہی اچّھا ہے''؛ مگر جس وقت اسے من سکھی کی محبت کا خیال آتا تو نہایت بیقرار ہو کر کہتا ''ہائے

---

۱ - بالکل ویران کر دینے کو اینٹ سے اینٹ بجانا کہتے ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی مکان ٹوٹ پھوٹ کر بالکل گر پڑتا ہے تو اس کی اینٹیں علاحدہ علاحدہ ہو کر آپس میں ٹکرانے لگتی ہیں۔

چلا تو جاؤں پر اس بن کیوں کر جیوں گا ! ہاں کسی کوئیں یا جوھڑ میں ڈوب مروں گا"۔

اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ یکایک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں سپاھیوں میں جا کر بھرتی ھو جاؤں تو اچھا ھے؛ جو کسی لڑائی میں مارا گیا تو جان سے چھٹ گیا اور جو بڑھ کر تلوار لگائی تو یہ بھی جانیں گے کہ سندر سنگھ کسی کا بیٹا تھا - آخر کار یہی بات اس کے دل پر جم گئی اور اپنا ارادہ ظاھر کرنے کے لیے من سکھی کے پاس گیا -

من سکھی نے جس وقت اسے دیکھا ، روتی ھوئی اس کے گلے سے آ لگی اور بولی "آج چاچا اس نپوتے بابا جی کے بہکانے سے پھر تجھ کو برا بھلا کہنے لگا تھا - ایسی باتوں کو سن کر میں بھنی جاؤں ھوں اور جی میں آوے ھے کہ منہ لپیٹ کر کسی کوئیں میں ڈوب مروں"۔

سندر سنگھ نے کہا " تیرے چاچا کے گھر میں رھنے سے مجھ کو بڑی لاج آئے ھے اور تو بھی دکھی رھے ھے ، اس لیے میں نے یہی سوچا ھے کہ یہاں سے چلا جاؤں"۔

اس بات کو سنتے ھی من سکھی چلا اٹھی اور بولی "اے تو مرے بابا جی ! تجھ میں یہ گن تھے ! تو میرے دھنی کو مجھ سے بچھاڑنے آیا تھا ! تیرا ستیاناس جائے ، آگ لگاؤں تیری جٹا میں ، پھوک دوں تیرے سونے چاندی کو"۔ پھر سندر سنگھ سے کہنے لگی "کیا تو چلا جائے گا اور مجھے چھوڑ جائے گا ؟ دیکھ میں کہے دوں ھوں جو ایسا کیا تو میری صورت ھی[1] کو ترستا پھرے گا ، بس دیکھ لی تیری پریت جو پیٹھ دیے جائے ھے"۔

---

۱ - یہاں بھی اردو کے قاعدے کے موافق لفظ ھی حصر کے واسطے ھے اور فقرے کے معنی یہ ھیں کہ تمام چیزوں کا میسر آ جانا ممکن ھے مگر خاص میری صورت نہیں دیکھ سکے گا -

سندر سنگھ نے من سکھی سے کہا ''تو ھی بتا ، اب میرا یہاں رھنا کیسے ھو سکتا ھے ؟ کیا تو اس بات کو اچھا جانے ھے کہ تیرے چاچا کے روز روز کے طعنے مہنے سہوں ، دھرکار ھے میرے ایسے رھنے پر ! نام کو تو میں جائی تھا ، پر تیرے چاچا نے تو کتے کے برابر بھی آدر نہ دیا ، اب میں یہاں رہ کر کیا کروں ؟ میرا یہاں سے جانا تجھے بھی اچھا ھوگا ۔ دیکھ تو بھگوان کیا کرے ھے ؟ کیسے دلدر پار ھوویں ھیں ، بہت سا روپیہ کماؤں گا اور تیرے واسطے اچھے اچھے گہنے اور اوڑھنیاں بھیجوں گا اور تھوڑے دنوں پیچھے تجھے بھی اپنے پاس بلا لوں گا ''۔

من سکھی نے کہا '' جو تو جائے ھے تو مجھے تھوڑا سا بس دیتا جا اور اپنے ھاتھ سے میری کفن کاٹھی کرتا جا ، پھر جہاں تیرے من میں آوے چلا جائیو''۔ یہ کہ کر پکار اٹھی ''ھے دھرتی ماتا ! جو تو پھٹ جائے تو میں تجھ میں ابھی سما جاؤں ''۔

من سکھی کی ایسی درد ناک باتیں سن کر سندر سنگھ کی چھاتی پھٹی جاتی تھی مگر وہ تو اپنے چلے جانے کا ارادہ دل میں ٹھان ھی چکا تھا اس واسطے جہاں تک ھو سکا ، اس نے من سکھی کی تشفی کی اور انجام کار وھاں سے رخصت ھوا ۔

جب چندر کور نے دیکھا کہ سندر سنگھ شام تک گھر نہ آیا اور من سکھی کوٹھڑی میں منہ لپیٹے پڑی رھی تو اس کی سہیلی پاربتی کو بلا کر کہا '' ھے گیان چند[1] کی ! من سکھی پاس جائیو ۔ پوچھ تو اس کا بنڑا کہاں گیا ھے اور وہ کیوں نہیں کھاتی پیتی ؟''

پاربتی فوراً من سکھی کی کوٹھڑی میں گئی اور کہا '' جی‌جی ! آج کیا ھے جو تو ایسی اداس پڑی ھے ؟''

من سکھی اسے دیکھ کر رو پڑی اور کہنے لگی ''اس سے تو مر جانا ھی اچھا ھے ۔ تیں نے سنا نہیں ؟ آج تیرا جیجا نکل گیا ۔

---

۱ - یعنی اے گیان چند کی بیٹی -

پاربتی ! دکھ میں کوئی کسی کا ساتھی نہیں ؛ کس کا چاچا ، کس کی چاچی ! جو آج میرے ماں باپ ہوتے تو میں ایسی نرآدری کیوں ہوتی !'' پھر اپنی ساری حقیقت اس کے روبرو بیان کی ۔

پاربتی نے اُسے بہت تسلّی دی اور اس کی چچی کے پاس جا کر کہا ''اری تمھارا تو کنبا بڑا نردئی ھے ! کھائے کیا وہ پتھر ؟ تم نے اُس کے بنڑے کو تو نکال ھی دیا''۔

یہ کہ کر وھاں سے اپنے گھر گئی اور تمام ماجرا اپنی ماں کو سنایا ۔ اس نے خاوند سے اس بات کا ذکر کیا ۔ گیان چند مشر نے جس وقت یہ حال سنا ، فوراً سجان سنگھ کے پاس دوڑا گیا اور کہا ''چودھری جی ! یہ بات تمھارے جوگ تھی کہ تم اپنے جائی کو نکال دو ؟ بھائی کسی کا ایک سا سہا نہیں رھا ۔ کیا تمھیں اس کا آدھ سیر آٹا دوبر تھا ؟ ان دنوں کو بھول گئے جب تمھارا اھیر پور کا گاؤں اس کے دادا کی چودھرایت میں تھا ؟ بھائی کیا ٹوٹا آ جاتا جو اھیر کا چھورا اپنے کڑوے کسیلے دن تمھارے گھر کاٹ جاتا ؟''

پروھت تو یہ کہ کر چلا گیا مگر سجان سنگھ کو اس کی باتوں سے بڑی شرمندگی حاصل ھوئی ؛ پھر تو گاؤں کے لوگ بھی اُسے لعنت ملامت کرنے لگے اور وہ ان کی نظروں میں حقیر ھوگیا ۔ جب سجان سنگھ نے دیکھا کہ سب آدمی مجھے بُرا بھلا کہتے ھیں اور من سکھی بھی سندر سنگھ کی جدائی میں دن رات تڑپتی ھے تو وہ اپنی حرکت سے نہایت پشیمان ھوا ۔ اسی غم میں رھتا تھا کہ ایک اور مصیبت اس پر پڑی ۔

چند روز کے بعد اس کے چھوٹے لڑکے کو جو برس دن کا تھا ، شدت سے بخار آیا اور دوسرے دن سیتلا کا دانہ دکھائی دیا ؛ پھر یہ زور ھوا کہ سارا بدن پھل گیا اور کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ رھی ۔ لڑکے کو ایک علاحدہ دالان میں لے گئے اور سب عورتوں کی پرچھائیں سے بچایا ۔ رات بھر اس کے پاس چراغ روشن رکھتے ، دن کو انگیٹھی

سُلگاتے ، بلّی[1] کو کبھی اس کے پاس نہ آنے دیتے ؛ نہانے ، دھونے ، بال منڈوانے اور کپڑا بدلنے سے سب نے پرہیز کیا ، دوسرے دیوتا کا نام لینا چھوڑ دیا ۔ سیتلا کے بھگت کو کئی دفعہ بُلا کر جھاڑا پھونکی کرائی ، پر کوئی تدبیر نہ بن پڑی ۔ لڑکے کو بیماری کی شدّت ہوتی گئی ؛ نہ سیتلا نے مہربانی کی ، نہ بھگت جی کام آئے ۔ لڑکا بیچارہ اپنی جان سے گیا ۔

سجان سنگھ یہ حال دیکھ کر بہت رویا اور دھڑا دھڑ اپنی چھاتی پیٹنے لگا ۔ پھر غصّے میں آ کر بولا " ہتیاری رانڈ سیتلا ! تجھے ماتا کس نے کہا ہے ! ، تو تو ڈائن ہے ، میرا کلیجہ نکال کر لے گئی ۔ مریو تیرا سیڈھو[2] بیر !"

یہ سن کر اس کی بیوی گھبرائی اور رو رو کر کہنے لگی " ماتا کو کیوں کوسے ہے ؟ اس نے تیرا کیا لیا ہے ؟ اپنے بھاگ کو دیکھ ، جو ہونا تھا سو ہوا ، کرم کا لکھا کیا مٹے ہے ؟"

دونوں کے رونے کی آواز سن کر ان کے رشتہ دار اور گاؤں کے بہت سے آدمی آئے اور انہیں بہت سی تسلّی دی ۔ پھر کھجور کے دو پنکھے اور ایک سفید کپڑا[3] اور تھوڑی سی سُتلی منگا کر لڑکے کو پنکھوں میں لپیٹا اور کپڑے کو اس کے اوپر ڈال کر اور سُتلی سے باندھ کر مرگھٹ کی طرف لے گئے ، پیچھے سے عورتیں روتی پیٹتی نکلیں ۔ سجان سنگھ کی بیوی کا غم کے مارے یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں ؛ ہر وقت یہی کلام اس کی زبان سے نکلتا تھا " ارے میرے لال ! تو مجھے چھوڑ کر کہاں چلا گیا ؟ تیرا پالنا سُونا پڑا ہے ، تیرے کھلونوں سے کون کھیلے گا ؟"

لڑکا سیتلا سے مرا تھا اور اس کا مونڈن بھی نہیں ہوا تھا ، اس واسطے اسے پھونکا نہیں ، مرگھٹ میں جا کر دفن کر دیا ۔

---

۱ ۔ ہندوؤں کے اعتقاد میں بھوت پریت بلی کی صورت میں بدلتے رہتے ہیں ۔
۲ ۔ ہندوؤں کے نزدیک سیڈھو سیتلا کے بھائی کا نام ہے ۔
۳ ۔ لڑکی پر سرخ کپڑا ڈالتے ہیں ۔

اتنے میں عورتیں کسی کوئیں پر نہا دھو کر گھر میں آئیں اور مردوں کے آتے ھی اور زیادہ رونا پیٹنا ھونے لگا ، دن بھر کسی نے دانہ منہ پر نہ رکھا ، شام کو گاؤں کے دو چار بڑے بوڑھے آئے اور سجان سنگھ کو سمجھانے لگے " جو اس جگ میں آیا ھے ، کوئی بچا ہیں - بھائی سجان سنگھ ! سنتوش رکھ ، بھگوان تیرے بڑے بیٹے کو جیتا رکھے ، وہ پھولے پھلے - نہ کھانے سے کیا ھوئے ھے ؟"

ان میں سے ایک سن سکھی کی طرف منہ پھیر کر کہنے لگا " اری چھوری ! اٹھ آگ بال کر روٹی پو لے "۔

تین دن تک اس لڑکے کا ماتم رھا ، پھر رفتہ رفتہ ماں باپ کا کچھ فکر دور ھوا -

جب کئی مہینے گزر گئے اور جاڑے کا موسم شروع ھوتے ھی گنگا اشنان کے دن قریب آ گئے تو سجان سنگھ کی بیوی نے کہا " سوھن کی عمر پانچ برس کی ھو گئی ھے ، اس کے بال اتروانے ضرور ھیں ، پھر جانے کب اوسر ملے ! گنگا جی کی مہر سے اب تو دس بیس روپے بھی پاس ھیں ؛ آؤ چلو ، گنگا جی ھو آویں "۔

سجان سنگھ نے کہا " میرے من میں بھی یہی بات تھی "۔ پھر گھر سے باھر آ کر اس کا ذکر گیان چند مشر سے کیا -

وہ بولا "چودھری جی یہ تو خوب بچاری ، کیا بات ھے گنگا جی کے میلے کی ! جس کے بڑے بھاگ ھوں اس کو گنگا جی درشن دے ھیں - ھم کو بھی اپنے ساتھ لے چلنا ، تمھارے طفیل ھم بھی اشنان کر لیں گے "۔

سجان سنگھ نے کہا " دادا ھمارے سر آنکھوں پر ، پہلے تو پیچھے ھم "۔

اس گفتگو کے تین چار روز بعد گاؤں کے لوگ گنگا جانے کی تیاری کرنے لگے ؛ انھوں نے بھی اپنا سامان کیا - نمبردار نے اپنے دونوں چھکڑے درست کیے اور چالا دیکھ کر سب اسباب ایک

چھکڑے میں لادا اور دوسرا چھکڑا عورتوں کی سواری کے لیے رکھا - جب سارے گاؤں کے لوگ جنھیں گنگا جانا تھا ، تیار ہو گئے اور اپنے اپنے چھکڑوں کو لے کر گاؤں کے باہر کھڑے ہوئے ، تو اُن کی عورتیں جمع ہو کر یہ راگ گاتی ہوئی گاؤں کے دروازے پر آئیں :

راگ	ترجمہ اور مطلب
رام ![1] جمنا آرے گنگا پرے اور بیچ بہے دریاؤ - رادھا پیاری ہے ! لینا جھکولے ٹھنڈے نیر کے -	اے رام ! ادھر اُدھر جمنا اور گنگا دو دیبیاں بطور محافظ کے کھڑی ہیں اور بیچ میں پانی بہتا ہے - اے پیاری رادھا ! ٹھنڈے پانی کے غوطے لگاؤ -
پہلا جھکولا میرے رام کا جن یہ سرشٹ آپائے - رادھا پیاری ہے ! الخ -[2]	پہلا غوطہ میرے رام کا جس نے اس جہان کو پیدا کیا - اے پیاری رادھا - الخ
دوجا جھکولا میرے باپ کا جن منڈھا چھوایا- رادھا پیاری ہے! الخ -	دوسرا غوطہ میرے باپ کا جس نے منڈھا چھوا کر مجھے بیاہ دیا - اے پیاری رادھا ! الخ -
تیجا جھکولا میری ماں کا جو بوجھ مری دس ماس - رادھا پیاری ہے ! الخ -	تیسرا غوطہ میری ماں کا جس نے دس مہینے مجھے اپنے پیٹ میں رکھ کر تکلیف اٹھائی - اے پیاری رادھا ! الخ -
چوتھا جھکولا میرے بیر کا - ہم اُجے ہیں ایک اودرما ہیں -رادھا پیاری ہے ! الخ -	چوتھا غوطہ میرے بھائی کا جو اسی پیٹ میں سے پیدا ہوا ہے جس میں سے میں پیدا ہوئی ہوں - اے پیاری رادھا ! الخ

۱ - یہ راگ بطور ترجیع بند کے ہے مگر بحر اور وزن کا کچھ ٹھکانا نہیں اور نہ ایسے راگوں میں ان باتوں کا کچھ لحاظ ہوتا ہے- اس راگ کی ابتدا میں رام منادیٰ ہے اور اس کے پہلے حرف ندا محذوف ہے یعنی اے رام -

۲ - الخ الیٰ آخرہ کا مخفف ہے اور اس سے یہ مطلب ہے کہ تمام عبارت آخر تک پڑھنی چاہیے -

راگ	ترجمہ اور مطلب
پانچواں جھکولا میرے سسر کا جن بیاہی دو دل جوڑ - رادھا پیاری ہے ! الخ -	پانچواں غوطہ میرے سسرے کا جس نے دونو سمدھیانوں کے لوگ جمع کر کے میرا بیاہ کر دیا - اے پیاری رادھا ! الخ -
چھٹا جھکولا میری ساس کا جن سونپ دیا گھر بار- رادھا پیاری ہے ! الخ -	چھٹا غوطہ میری ساس کا جس نے مجھے اپنا گھر بار حوالے کر دیا - اے پیاری رادھا ! الخ -
ساتواں جھکولا میرے جیٹھ کا جن بانٹ لیا گھر بار - رادھا پیاری ہے ! الخ -	ساتواں غوطہ میرے خاوند کے بڑے بھائی کا جس نے میرے گھر بار کا حصہ بانٹ لیا - اے پیاری رادھا ! الخ -
آٹھواں جھکولا میری بہن کا جن گود کھلائی - رادھا پیاری ہے ! الخ -	آٹھواں غوطہ میری بہن کا جس نے مجھے اپنی گود میں کھلایا - اے پیاری رادھا ! الخ -
نواں جھکولا میرے پرکھ کا جو لایا تھا سر دھر موڑ - رادھا پیاری ہے ! الخ -	نواں غوطہ میرے خاوند کا جو سر پر شادی کا تاج رکھ کر مجھ کو بیاہ لایا تھا - اے پیاری رادھا ! الخ -

من سکھی بھی اس راگ کے گانے میں شریک تھی مگر اس کی آواز میں کچھ خوشی نہیں پائی جاتی تھی اور جب نویں جھکولے میں ’پرکھ کا نام آیا تو یکایک اُس کے آنسو نکل پڑے -

تھوڑی دور تک سب عورتیں پیادہ پا چلیں ، پھر اپنی اپنی گاڑیوں اور چھکڑوں پر ہو بیٹھیں - من سکھی بھی چھوٹے بھائی کو گود میں لے کر چھکڑے پر چڑھ گئی اور پاربتی بھی من سکھی کے پاس جا بیٹھی -

اتنے میں سجان سنگھ سب سے آگے کے چھکڑے والے سے بولا ، ”چھوڑے بیل ھانک دے“ -

اس کے ھانکتے ھی سب کے سب بول اٹھے ”گنگا مائی کی جے !“ دس دس قدم کے فاصلے پر یہی آواز لگاتے جاتے تھے -

جب اپنے گاؤں سے تین چار کوس کے فاصلے پر نکل گئے تو اور گاؤں کے چھکڑے بھی ان چھکڑوں سے آ ملے - پھر تو چھکڑوں کی ایسی قطار بندھی کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی ، چھکڑا ھی چھکڑا دکھائی دیتا تھا - ان چھکڑوں کے ساتھ بہت سے لوگ پا پیادہ بھی ھاتھ میں لاٹھی لیے پیٹھ پر گٹھڑی لادے چلے جاتے تھے اور کچھ گھوڑیوں پر سوار تھے -

دو گھڑی دن رھے پڑاؤ پر پہنچتے ھی بیلوں کو کھول کر اُن کے آگے نیار ڈال دیا ؛ پھر سب اپنا اپنا کھانا یعنی باجرے کی روٹی ، چُورما اور اسی قسم کی چیزیں جو ان کے پاس تھیں ، نکال بیٹھے اور کھا کر خوب سیر ھو گئے -

رات کو بعض آدمی چھکڑوں کے نیچے لیٹ گئے اور پڑتے ھی سو گئے اور بعض دیر تک بھجن گاتے رھے - عورتیں بھی سب مل کر گیت گاتی رھیں ؛ من سکھی اور پاربتی بھی گانے میں شریک تھیں مگر موھن ھر گھڑی ان کے بیچ میں آ بیٹھتا اور غُل مچانے لگتا - من سکھی نے پاربتی سے کہا ”جی‌جی ! پہلے میں اپنے بھائی کو سُلا آؤں ! پھر آ کے گاؤں گی “-

یہ کہ کر موھن کو گود میں لے گئی اور چھکڑے میں لٹا دیا مگر وہ اُٹھ کر ضد کرنے لگا اور بولا ”میں سو رھوں گا ، تو تُو پھر وھیں چلی جائے گی “-

من سکھی نے کہا ”نہیں بیرن ! لے میں ایک پہیلی کہوں ، بتا دے گا ؟“

موھن نے کہا ”کہ “-

من سکھی بولی ”کھیت میں اپجے سب کوئی کھائے ، گھر میں ھوئے تو گھر بہ جائے “-

سوھن نے جواب دیا ''بھلی پہیلی کہی، یہ تو پھوٹ ہے پھوٹ''

پھر من سکھی نے کہا ''اچھا! یہ بتا 'ہری تھی من بھری تھی سوا لاکھ موتی جڑی تھی، راجا جی کے باغ میں دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی''۔

سوھن نے کہا ''جی‌جی! یہ تو نہیں بتائی جائے تو ھی بتا دے''۔

وہ بولی ''کہ ھارا جھک مارا کوئیں کا پنہارا''۔

سوھن نے کہا ''یہ تو نہیں کہوں''۔

من سکھی نے کہا ''اچھّا تو بتا ھی دوں، کوکڑی ہے''۔

اس کے بعد من سکھی نے اور بہت سی پہیلیاں کہیں، پھر سوھن نے کہا ''جی‌جی! اب تو کوئی کہانی کہ''۔

من سکھی نے اس کے آگے ایک کہانی کہنی شروع کی؛ اتنے میں سوھن کی آنکھ لگ گئی اور من سکھی اٹھ کر پاربتی کے پاس جا گانے میں شریک ھو گئی۔

جب چار گھڑی رات باقی رھی سب کے سب اپنی اپنی گاڑیوں اور چھکڑوں پر بیٹھ گئے اور گنگا جی کی جے پکار کر آگے آگے چلے۔

اسی طرح منزل منزل طے کرتے ہوئے دھلی تک پہنچے اور شہر پناہ کے باھر پہاڑ گنج کے پڑاؤ پر اترے۔ گیان چند نے چھکڑے سے اترتے ھی سجان سنگھ سے کہا ''اس اندر پرست میں ایک ستھان بڑا سریشٹ ہے؛ مادھو داس کی باغیچی[1] اس کا نام ہے، وھاں سدا کتھا بارتا ھوتی رھتی ہے، بڑے بڑے مہاتما وھاں آ کر ٹھہرتے ھیں۔ آؤ چلو، پہلے اس کے درشن کر آئیں''۔

---

۱ - اصل میں صحیح لفظ باغچہ ہے، تصغیر باغ کی - اس میں ی کا اضافہ کر کے باغیچہ بنا لیا - پھر بہتیرے ھندو لوگ جو فارسی نہیں جانتے اپنے اصلی تلفّظ کے موافق بگیچہ اور اس کی تانیث یا تصغیر بگیچی بولنے لگے -

شام کے وقت دونوں کے دونوں سادھو داس کے باغیچے کی طرف گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ اس کے باھر کی طرف بہت سے دیوتاؤں اور جانوروں کی تصویریں کھچی ہوئی ہیں، اندر کی طرف دیواروں سے لگے ہوئے مندر بنے ہوئے ہیں اور ہر ایک مندر کے آگے دالان ہے؛ باغیچے کے بیچ میں ایک طرف بارہ دری اور دوسری طرف چھوٹا سا ایک حوض ہے، اس حوض میں فوّارے چھوٹ رہے ہیں اور صحن میں ایک دو پیپل اور تُلسی اور امرود کے کئی درخت لگے ہوئے ہیں۔

پہلے گیان چند مشر سجان سنگھ کو سب سے بڑے مندر میں لے گیا۔ وہاں دروازے کے سامنے کئی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور ان میں سب سے اونچی سیڑھی پر رام چندر جی اور ان کے بھائی لچھمن جی اور استری سیتا جی کی مورتیں جو پتھر کی بنی ہوئی تھیں، اچھّے اچھّے کپڑے اور گہنا پہنے ہوئے رکھی تھیں؛ دوسری سیڑھی پر کرشن جی کے بچپن کی کئی پیتل کی مورتیں دھری تھیں اور تیسری پر کچھ کالے پتھر جو کسی دریا میں سے نکلتے ہیں اور جن کو وشن جی کا اوتار جان کر سالگ رام کہتے ہیں، رکھے تھے۔ دائیں ھاتھ کی طرف ایک کوٹھڑی میں مہا دیو جی کی چومکھی پرتما دھری تھی۔

وہاں کے درشن کر کے گیان چند نے سجان سنگھ کو سب مندروں کے درشن کرائے؛ ایک میں بلدیو جی اور ان کی استری ریوتی جی کی مورت تھی، دوسرے میں گنگا جی کی، تیسرے میں کرشن جی اور رادھکا جی کی، چوتھے میں لچھمی نرائن جی کی جو وشن جی کے اوتار ہیں، پانچویں میں وشن جی کے اوتار بدری ناتھ جی کی، چھٹے میں مہا دیو جی کے اوتار کدار ناتھ جی کی، ساتویں میں ھنومان جی کی۔ ان بڑی بڑی مورتوں کے سوا ہر ایک مندر میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مورتیں بھی تھیں اور کہیں کہیں تصویریں بھی لگی ہوئی تھیں اور بعض مندر شیشوں سے جگمگا رہے تھے۔

جب سجان سنگھ کدار ناتھ جی کے مندر میں گیا تو اس نے

گیان چند مشر سے پوچھا " دادا ! یہ مورت کس کی ہے ؟ ہم نے کسی اور مندر میں آج تک نہیں دیکھی "۔

گیان چند نے کہا " بھائی سجان سنگھ اس مورت کی بڑی کتھا ہے ۔ ارجن کے بھائی راجہ بھیم نے جو بڑے بلوان تھے جب دیکھا کہ اس سنسار میں اس سے کوئی لڑنے والا نہیں رہا تو اس کے بازو کھجلانے لگے اور اس نے اپنے دل میں بچارا کہ میں مہا دیو کی پوجا کروں تو وہ ضرور مجھ سے آ کر لڑیں گے ۔ جب مہا دیو جی مہاراج اس سے پرسن ہوئے تو بھینسے کا روپ دھار کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے ۔ بھیم نے چاہا کہ ان سے لڑے ، وہ بھاگ نکلے ۔ بھیم نے ان کا پیچھا کیا ، مہا دیو جی زمین میں گھس گئے ۔ یہ دیکھ کر بھیم نے ان کی پونچھ خوب زور سے پکڑ لی اور کہا " مہاراج ! بھاگ کر کہاں جاؤ ہو ؟ اب تو میں نہ جانے دوں گا ۔ سو پونچھ اور پچھلا دھڑ تو بھیم کے ھاتھ میں رہ گیا اور منہ نیپال کے پہاڑ میں جا نکلا ۔ اب منہ کی پوجا نیپال میں ہوتی ہے اور پونچھ اور پچھلے دھڑ کی کدار ناتھ جی میں ۔ سو یہ کدار ناتھ جی کی مورت ہے "۔

سجان سنگھ نے یہ بات سن کر کہا "مہاراج مہا دیو جی بڑے بھولے ہیں ۔ دیکھو بھگت کے کارن کیا روپ دھارا ہے "!

جب سب مندروں کے درشن کر چکے تو پھر رام چندر جی کے مندر پاس آئے ۔ وہاں پجاری نے مندر کے آگے پردہ ڈال رکھا تھا اور باہر گھنٹے ، گھڑیال ، سنکھ بج رہے تھے ۔ تھوڑی دیر کے بعد پردہ اٹھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ پجاری کئی بتّیوں کا پیتل کا چراغ جسے آرتی کہتے ہیں ، ھاتھ میں لیے ہوئے مورتوں کے گرد پھرا رہا ہے اور آہستہ آہستہ زبان سے کچھ کہ رہا ہے اور دو آدمی مندر کے دروازے پر کھڑے ہوئے ٹھاکروں پر چنور ہلا رہے ہیں ۔

جب پُجاری کئی دفعہ اس چراغ کو سر سے پاؤں تک پھرا چکا تو اُس نے زمین پر رکھ دیا اور ایک آدمی فوراً اُٹھا کر ہنومان جی کے مندر میں لے گیا اور پہلے انھیں آرتی دلوائی کیوں کہ وہ رام چندر جی

کے بڑے بھگت ھیں ۔ پجاری نے اس عرصے میں جتنے آدمی وھاں کھڑے تھے ، سب کے اوپر پانی چھڑکا اور پھر وھی آدمی جو ھنوسان جی کے مندر میں آرتی لے گیا تھا ، باھر نکلا اور سب نے اس آرتی پر اپنے اپنے ھاتھ لے جا کر منہ پر ملے کیوں کہ ھندو لوگ یہ خیال کرتے ھیں کہ اس عمل سے ھمارے سب پاپ دُور ھو جاتے ھیں اور عقل کو روشنی حاصل ھوتی ھے ۔

سجان سنگھ اور گیان چند نے بھی آرتی لی اور تھوڑی دیر تک وھیں کھڑے رھے ۔ اس میں ایک فقیر جو بھبوت رمائے ، سونجھ کی تاگڑی باندھے ، سر پر جٹا چھوڑے کھڑا تھا ، ایک آرتی[1] گانے لگا جس کی اتنی عبارت سجان سنگھ کو بھی یاد رہ گئی ۔

آرتی	ترجمہ اور مطلب
جے جانکی ناتھا ! تم رگھوناتھ ھمارے مات پتا بھرات مات پتا بھراتا تم ھوسجن سنگاتی ، بھگت مکت داتا ۔ جے دیو جے دیو ۔	یعنی اے رام چندر جانکی کے خاوند اور خاندان رگھو کے سردار ! تم ھمارے ماں باپ ، بھائی ، دوست اور رفیق ھو اور عبادت کرنے والے کو نجات دیتے ھو ۔ تمھاری فتح ھو !

فقیر آرتی گانے کے بعد پیٹ کے بل لیٹ گیا اور دونوں ھاتھ پھیلا کر ڈنڈوت کی ۔ سجان سنگھ نے دو پیسے اس مندر پر چڑھائے اور پجاری نے تبرّک کے طور کچھ شیرینی اسے دی ۔ پھر گیان چند اور سجان سنگھ تو اپنے پڑاؤ پر آ گئے اور سارے پجاری دیوتاؤں کے سونے

۱ ۔ اصل میں آرتی ایک پیتل کا کئی بتیوں کا چراغ ھوتا ھے جو ھندو لوگ بتوں کے سروں کے گرد پھراتے ھیں ، پھر وہ بھجن بھی جو اس وقت گائے جاتے ھیں ، آرتی کہلانے لگے ۔

کے لیے سیجیں بچھا مندروں کے دروازے بند کر اپنی اپنی جگہ جا سوئے۔

سجان سنگھ اور گیان چند جس وقت پڑاؤ پر پہنچے، انھوں نے مندروں اور دیوتاؤں کا سارا حال عورتوں کے سامنے بیان کیا۔ عورتوں نے کہا "ہم بھی تڑکے چلیں گے، رستہ بھی ادھر ھی کو ھے۔ تم آگے چھکڑوں کو چلنے دینا، ہم درشن کر کے پیچھے سے پُل کے پار آ ملیں گے"۔

رات بھر پڑاؤ میں رھے، صبح کو توپ چلتے ھی سب چھکڑے روانہ ھوئے۔ سجان سنگھ تو اپنے دونوں چھکڑوں کر لے کر پُل کے پار اتر گیا اور گیان چند اپنی بیوی اور چندر کور اور پاربتی اور من سکھی کو جمنا کے اشنان کرا کر پھر سادھو داس کی باغیچی میں لے آیا اور سب کو ھر ایک مندر کے درشن کرائے۔

اتفاق سے اس روز هفتہ تھا، اس لیے انھوں نے شہر کی بہت عورتوں کو پیپل کے درختوں کی پوجا کرتے ھوئے دیکھا۔ من سکھی نے پاربتی سے پوچھا "جی‌جی! یہ لُگائیاں پیپل کیوں پوجیں ھیں؟"

اس نے کہا "میں نے باپو کو یہ کہتے ھوئے سنا ھے: کوئی دھن کے لیے پوجے ھے، کوئی اولاد کے لیے اور کوئی کسی کے لیے اور پیپل ھری کا سروپ ھے، سنیچر کے دن اس میں لچھمی رھتی ھے اور اتوار کے دن الچھمی اور اسی کارن اتوار کو اس کے نیچے بھی نہیں نکلیں ھیں اور کسی کسی پیپل میں بھوت پریت بھی رھا کریں ھیں"۔

یہ سن کر من سکھی بولی "جی‌جی! کہے تو میں بھی پیپل کی پوجا کروں؟" پاربتی نے کہا۔ "تیرا لوگ[1] پردیس گیا ھے، تجھے تو پیپل دیوتا سینچنا بہت سپھل ھوگا"۔

---

۱ - ھندوؤں کے ھاں اکثر خاوند کو لوگ کہتے ھیں۔

من سکھی نے کہا - "لے تو جی‌جی ! اب تو جا کے تھوڑا سا دودھ لا دے ، میں کوئیں پر سے پانی لاؤں ہوں"۔

جب دودھ اور پانی آ گیا تو من سکھی نے دونوں کو ملا کر اس میں پھول ، بتاشے اور رولی ڈالی ۔ پھر اسے پیپل پر چڑھا کر اس کے آگے گھی کا ایک چراغ روشن کر دیا اور آپ ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "ہے پیپل دیوتا ! جو میرا مالک آ جائے تو میں تجھے ہر سنیچر دھاؤں گی"۔

پھر من سکھی نے تُلسی کی پوجا کی اور اس سے بھی وہی درخواست کی جو پیپل سے کی تھی - اس کے بعد اور لوگوں کے ساتھ مل کر باقی مندروں کے درشن کرنے چلی - پہلے سب نے ہر ایک مندر میں جا کر ٹھاکروں کے آگے سر جھکایا اور پرکمّا[1] کر کے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہوئے ؛ پھر ٹھاکروں پر پھول چڑھائے اور پجاری کے آگے کچھ تھوڑا سا اناج رکھ دیا - اس نے انھیں ایک آبخورے میں سے تھوڑا تھوڑا سا پانی جسے چرنا مرت کہتے ہیں اور تلسی کا ایک ایک پتّا دے دیا - انھوں نے لے کر پہلے اسے آنکھوں سے لگایا ، پھر پی لیا -

اس کے بعد ایک مندر میں جو درشن کرنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مندر کے آگے دالان میں ایک لکڑی کے تخت پر کوئی برھمن پیتامبری دھوتی اور ریشمی کپڑے پہنے ہوئے کتھا باچ رہا ہے اور جتنی عورتیں یا مرد وہاں آتے ہیں ، سب کے سب ٹھاکر کے درشن کر کے اس برھمن کی پوتھی پر چندن چڑھاتے ہیں ، پھر اس کے ماتھے پر ٹیکا لگا کر بعض تو وہیں بیٹھ جاتے ہیں اور بعض پوجا کر کے چلے جاتے ہیں -

گیان چند مشر اور سب عورتیں یہ تماشا دیکھ کر جلدی جلدی قدم بڑھائے ہوئے پُل کے پار پہنچیں اور چھکڑوں میں بیٹھ کر انھیں ہانک دیا - رستے میں سجان سنگھ نے گیان چند سے پوچھا "دادا !

---

۱ - گرد پھرنے کو پرکمّا کرنا کہتے ہیں -

اس مندر کا خرچ کیوں کر چلتا ھے ؟ کیا بڑے بابا جی کے دو چار گاؤں ھیں یا کہیں سے روزینہ بندھ رھا ھے ؟"

گیان چند نے جواب دیا "چودھری ! نہ تو مہنت کے پاس کچھ گاؤں ھیں اور نہ کہیں سے روزینہ بندھ رھا ھے۔ اس شہر میں جتنے مہاجن اور بڑے بڑے ساھوکار ھیں ، وہ کبھی کبھی ان سب سادھوؤں کو بلا کر اپنے ھاں بھوجن کرا دیتے ھیں ، پر وہ مہاجن یہاں درشن کرنے کم آویں ھیں ۔ جب کوئی بڑا پرب یا کسی بڑے پنڈت کی کتھا ھووے ھے تو وہ یہاں آپ آ جائیں ھیں اور درشن کر کے کچھ نقدی چڑھا جائیں ھیں ۔ کبھی یہاں کا مہنت بھی راجواڑوں میں چلا جائے ھے ، وھاں کے لوگ اس کو بہت سا روپیہ دیں ھیں ۔ تھوڑے ھی دن ھوئے ھیں ، یہاں کا ایک مہنت مر گیا تھا ؛ جب دوسرا مہنت اس کی گدّی پر بیٹھا تو شہر کے سارے مہاجن اور پنڈت جمع ھوئے اور سب نے مل کر پان سو روپے اور چودہ یا پندرہ دوشالے اس کو دیے ۔

سجان سنگھ اور گیان چند اس قسم کی باتیں کرتے ھوئے چلے گئے ۔ چوتھے روز گڑھ مکتیسر پہنچے اور جب گنگا جی دو کوس رہ گئیں تو سب کے سب گاڑیوں سے آتر کر پیادہ پا ھو گئے اور عورتیں گنگا جی کے گیت گاتی ھوئی چلیں ۔ دو گھڑی دن رھے دھارا کے قریب جا پہنچے اور وھاں ایک پھوس کا بنگلا کرایے کو لے کر آتر پڑے اور اسی وقت چھکڑوں کو بنگلے کے باھر کھڑا کر اور بنگلے میں اپنے نوکر کو چھوڑ ، گنگا جی میں جا کُودے اور "جے گنگا مائی کی" کہ کر خوب غوطے لگائے ۔ پھر گھاٹ والے کو کچھ پیسے دے کر اپنے بنگلے میں چلے آئے اور گیان چند کے سوا جسے اس روز اکاؤشی کا برت تھا ، سب نے معمولی کھانا کھایا ، مگر اس کے واسطے بازار سے دھی اور پیڑے منگائے گئے ۔

جب سب کے سب کھانا کھا چکے اور رات ھو گئی تو عورتوں نے اپنا اپنا زیور آتار ، لوٹوں اور برتنوں میں بھر دیا اور برتنوں کو ریت

میں داب کر اور اس پر اپنا بچھونا کر کر سو رهیں ۔ گیان چند اور سجان سنگھ نے اپنا بستر باهر کیا ۔

دوسرے روز صبح هوتے هی نوکر کو بنگلے میں چھوڑ کر گنگا جی پر گئے اور کسی گھاٹ پر جا کر سب نے کپڑے اتارے اور دهوتیاں باندھ کر گنگا جی کے کنارے پر هو بیٹھے ۔ اتنے میں ایک برهمن جس کے خاندان میں ان کے گاؤں کی پروهتائی چلی آتی تھی، آ پہنچا ۔ سجان سنگھ نے اسے دیکھ کر کہا ''آؤ مہاراج ! هم تو کل سے تم کو ڈھونڈھ رهے هیں''۔

پروهت بولا ''ججمان ! میں تو کئی دن سے تم کو دیکھ جاتا تھا، پر آج پته ملا هے''۔

پھر سجان سنگھ نے اس سے کہا ''لو تم آ تو گئے هی هو سنکلپ[1] کرا دو''۔

پروهت نے کہا ''اچّھا هاتھ میں جل لے لو اور اس میں ایک پیسا رکھو''۔

جب سجان سنگھ نے پانی اور پیسا هاتھ میں رکھ لیا تو پروهت نے ''وشن وشن'' که کر سنکلپ کی عبارت پڑھی جس کے معنی یه هیں ''آریه ورت میں برهما ورت اور برهما ورت میں یه بڑا تیرتھ هے، یہاں آ کر میں اشنان کرنے کی نیّت باندھتا هوں، میرا یہاں اشنان کرنا فائده مند هو''۔

اس طرح پروهت نے سب کو سنکلپ کرایا اور ان کے پیسے بھی آپ لے لیے ۔ جب سنکلپ کر چکے تو سب کے سب گنگا جی میں کود پڑے اور پہلے هر ایک نے اپنا اپنا غوطه لگایا، پھر اپنے اپنے دوستوں اور رشته داروں کے نام لے لے کر غوطے لگائے ۔ من سکھی نے بھی دل میں اپنے خاوند کا دهیان کر کے غوطه لگایا اور هاتھ جوڑ کر کہنے لگی ''هے گنگا مائی ! جو میرا دهنی آ جاوے تو میں سوا من دودھ کی دهار چڑھاؤں''۔

---

۱ - مذهبی عمل کی نیت کرنے کو سنکلپ کرنا کہتے هیں -

جب سب نہا دھو چکے تو گھاٹ کے برھمن نے ان کے روبرو صندل کی سیپیاں رکھ دیں ۔ مردوں نے تلک اور عورتوں نے بندیاں لگا کر برھمن کو پیسے دیے ، پھر سب اپنے بنگلے کو چلے آئے اور وھاں آ کر اپنے نوکر سے کہا ”جا رے ! تو بھی اشنان کر آ “۔

اس کے بعد سجان سنگھ نے گیان چند سے کہا ”دادا[1] ! روٹی کھائے ھوئے بہت دن ھوئے ھیں ۔ جو تو آج روٹی کر لے تو بڑی چوکھی بات ھے “۔

گیان چند نے کہا ”ھمارا جی بھی روٹی ھی کو چاھے ھے “۔

یہ کہ کر انھوں نے بنگلے کے آگے ریت کا ایک بڑا چبوترہ بنایا اور چاروں طرف منڈیر باندھ کر اس پر گنگا جل چھڑک دیا ۔ پھر چبوترے پر لوھے کا چولھا رکھ کر اس میں آگ سُلگائی اور ایک بڑی ھانڈی میں دال ڈال کر اسے چولھے پر رکھ دیا ۔ جب دال پک کر تیار ھوئی تو ھانڈی کو چولھے سے اتار لیا اور توا رکھ کر موٹی موٹی روٹیاں پکانے لگا ۔

اس کے بعد گیان چند نے ایک تھالی میں دال اور روٹی رکھ کر بھوگ لگایا اور اس میں سے تھوڑی سی دال اور ایک روٹی گنگا جی میں ڈلوا دی ، پھر سجان سنگھ سے کہا ”لے چودھری ! آ روٹی کھا لے “۔

سجان سنگھ سوھن کو لے کر اس چبوترے کے نیچے ایک طرف جا بیٹھا ، گیان چند نے دُور سے اسے کٹورا بھر دال اور پانچ روٹیاں دے دیں اور بھوگ کی تھالی کو اپنے آگے سرکا کر کھانا شروع کیا ۔

جب یہ تینوں کھا چکے تو گیان چند نے اپنی بیوی سے کہا ”لے اب تو چوکے میں آ جا اور سب عورتوں کو روٹی پروس دے “۔

---

۱ ۔ یعنی بہت دن سے روٹی نہیں کھائی ، پکوان اور اور قسم کی چیزیں کھائی ھیں ۔

یہ سُن کر وہ فوراً چوکے میں چلی گئی ، چندر کور ، سن سکھی اور پاربتی چوکے کے باہر بیٹھیں اور پاربتی نے اپنے اور باقی دونوں عورتوں کے بیچ میں ایک لکیر کھینچ لی تاکہ وہ اس لکیر کے ادھر اُدھر رہیں اور کھاتے وقت آپس میں چھوئی نہ جائیں کیوں کہ ہندوؤں کے اعتقاد میں ایسے عملوں سے کھانا خراب ہو جاتا ہے -

جب سب عورتیں بھی کھانا کھا چکیں تو گیان چند کی بیوی نے نوکر کو بلا کر کہا " جا رے ! تو بھی روٹی کھا لے اور جب کھا چکے تو برتن مانج کر چوکا لگا دیجو "-

اتنے میں گیان چند اور سجان سنگھ میلے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد عورتیں بھی بنگلے کو نوکر کے حوالے کر کے سیر دیکھنے کو نکلیں -

گیان چند اور سجان سنگھ کو بنگلے سے نکلتے ہی ان کے گاؤں کے کئی آدمی مل گئے ، وہ انھیں ایک بازار میں جہاں دھلی والوں کی دکانیں کثرت سے تھیں لے گئے ؛ وہاں جا کر ایک طرف جو نظر اُٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کئی دکانوں میں رنگ برنگ کی کلابتونی ٹوپیاں رکھی ہیں اور کہیں چھلّے ، انگوٹھیاں ، آئینے اور ہر قسم کے شیشے دھرے ہیں - دوسری طرف حلوائیوں کا جمگھٹا لگا ہوا ہے - تھال کے تھال طرح طرح کی شیرینی سے چنے ہوئے ہیں - کسی طرف کنجڑے قسم قسم کی ترکاریاں اور میوے لیے ہوئے یہ آوازیں لگا رہے ہیں " سزہ انگور کا ہے رنگترے میں ، گنڈیریاں ہیں پونڈے کی گلاب میں بسی ہوئیں "- کئی جگہ لکڑی کے کھلونے ، ڈھال ، تلوار اور اور بہت سی چیزیں رکھی ہیں - کہیں کچھ آدمی کپڑا بچھائے ہوئے طرح طرح کی چُنریاں اور پوتھوں کے ہار لیے ہوئے بیٹھے ہیں -

اس بازار میں سے سجان سنگھ اور گیان چند نے سن سکھی اور پاربتی کے لیے ایک ایک چُنری اور سوھن کے لیے کچھ کھلونے اور دو ٹوپیاں اور تین چار پوتھوں کے ہار خریدے -

یہ دونوں بازار میں پڑے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے عورتیں بھی آ نکلیں ۔ گیان چند نے من سکھی اور پاربتی کو دیکھ کر کہا "اری ! ہم نے تمھارے لیے چُنریاں لی ہیں "۔

پاربتی دُور سے ایک ھنڈولے کو دیکھتی ہوئی چلی آتی تھی اور اور وھیں اس کی نگاہ لڑی ہوئی تھی ۔ جس وقت اس کے باپ نے چُنری کا ذکر کیا ، وہ بولی "بابا ! ہم تو اس ھنڈولے میں جھولیں گے "۔

اس نے کہا "اچّھا پیسا ھنڈولے والے کو دے کر بیٹھ جاؤ "۔

پاربتی نے من سکھی سے کہا "چل جی‌جی ! تو بھی چل "۔

اُس نے آہ سرد بھر کر جواب دیا "جا تو ھی جا ، بھلا میرا جی جھولنے کو کہاں چاھے ھے "۔

مگر پاربتی اُسے سمجھا کر اپنے ساتھ لے گئی اور دونوں ھنڈولے میں جا بیٹھیں ۔

جب ھنڈولے والے نے ھنڈولے کو چکّر دیا اور وہ کھٹولا جس پر یہ لڑکیاں بیٹھی تھیں ، اوپر کو لے گیا تو من سکھی نے چیخ مار کر پارپتی سے کہا "ھے نپوتی ! میں گری ، مجھے پکڑیو "۔

پاربتی یہ بات سن کر کھل کھلا پڑی اور کہنے لگی "اری سنبھل کے بیٹھ ، تیرا تو چت کہیں اور ھی ھے "۔

دو چار ھی جھونٹے لیے ھوں گے کہ ھنڈولے والے نے اُنھیں اُتار دیا اور وہ پھر اپنے ساتھ کے آدمیوں میں مل کر گھر کی طرف چلیں ۔ اس میں پاربتی نے من سکھی سے کہا "آتے تو چلے آئے ، پر اب مجھے یہ سوچ کر کہ بنگلے میں کیوں کر پہنچیں گے ؟ اس میلے میں پتا تو لگتا ھی نہیں اور ھمارے گھر جیسے یہاں سینکڑوں ھیں "۔

گیان چند یہ بات سن کر بولا "چھوریو ! گھبراؤ مت ، ھمارے ساتھ ھو لو ، ھم اپنے بنگلے کا پتا جانیں ھیں ، ھم نے اس پر اُودی جھنڈی لگا رکھی ھے "۔

کچھ عرصے کے بعد سب کے سب بنگلے پر پہنچ گئے اور اپنے اپنے بستر ے پر پڑ کر سو رہے ۔

گیان چند مشر تھوڑی دیر آرام لے کر کتھا سننے چلا گیا اور باقی آدمی کھانا کھانے لگے ۔

جب کھانا کھا چکے اور سجان سنگھ حقّہ بھر کر پینے لگا تو گیان چند مشر بھی کتھا سن کر آ گیا ۔ سجان سنگھ نے اس سے پوچھا ''دادا ! کچھ کھائے گا ؟''

اس نے کہا ''نہیں چودھری ! میں کتھا سن کر اُٹھا ھی تھا کہ ایک آدمی اپنے ھاتھ میں لڈّوؤں کی ٹوکری لیے ھوئے آیا اور پانچ پانچ چھ چھ لڈو کتھا سننے والوں میں سے ھر ایک کے ھاتھ پر رکھ دیے اور پنڈت کو بیس پچّیس لڈو دے کر چلا گیا ۔ پنڈت جی نے پوچھا ''بھائی ! یہ کیسے لڈو ھیں ؟'' اس نے کہا ''مہاراج آج میرا لڑکا بچھڑ گیا تھا ؛ سو میں نے کہا تھا ، 'ھے گنگا مائی ! جو لڑکا پا جائے تو پانچ روپے کا پرشاد چڑھاؤں' ۔ سو مہاراج آج گنگا جی کی کرپا سے وہ لڑکا پا گیا ۔ سجان سنگھ ! اسی آدمی نے پانچ لڈو مجھے بھی دیے اور میں نے جو انھیں کھایا تو پیٹ بھر گیا ''۔

یہ کہ کر گیان چند سجان سنگھ کے پاس بیٹھ گیا اور پھر بھر رات گئے تک گنگا جی کی بزرگی اور بڑائی کا ذکر کرتا رھا ۔ اس کے بعد معمول کے موافق گھنا اور برتن ریت میں داب کر سب کے سب سو گئے ۔

دوسرے روز صبح ھوتے ھی سجان سنگھ نے گیان چند سے کہا ''دادا ! آج چھورے کے بال اُتروانے ھیں ''۔

گیان چند بولا ''اچھا آج اس کارج سے بھی نچنت ھو جاؤ ''۔

جب چار گھڑی دن چڑھا تو سجان سنگھ اپنے لڑکے کو گود میں لے کر گنگا جی کے کنارے پر گیا اور نائی کو بلا کر موھن کے سارے بال منڈوا ڈالے ، پھر اس کے بدن کے کپڑے نائی کو دے دیے اور

نہلا دھلا ، نئے کپڑے بدلوا ، آسے زیور پہنایا اور برھمنوں اور نائی کو بہت سے پیسے دے کر ڈھول بجواتے ہوئے اپنے بنگلے کو چلے آئے ۔ وھاں آ کر سب نے کھانا کھایا ۔

جب کھانے سے فارغ ہوئے تو پھر میلے میں چلنے کی تیاری کی موھن بھی ساتھ ہو گیا ۔ گیان چند نے سجان سنگھ سے کہا ''بھائی ! اس کو سونے کا زیور کیوں پہنا رکھا ہے ؟ یہاں میلے میں چور چکار بہت ہیں ''۔

اتنے میں چندر کور بولی ''چھورے کی سگائی ہونے والی ہے ، میلے میں دور دور کے لوگ آئے ہوئے ہیں جو سونے کا گہنا پہنے ہوئے دیکھیں گے تو جانیں گے ، یہ چھورا اچھے گھر کا ہے ۔ اسے رھنے دے ، کیا جانے کس سے سمبندھ ہو جائے ''۔

اس گفتگو کے بعد سب کے سب میلے میں چلے گئے ۔ گنگا جی کے کنارے سیر کرتے پھرتے تھے ، کیا دیکھتے ہیں کہ بہت سے آدمی اپنے لڑکوں کو زرد کپڑے پہنا کر گود میں لیے ہوئے ڈھول بجواتے چلے آتے ہیں ۔ جس وقت یہ لوگ گنگا جی کے کنارے پہنچے ، ان کے پروھت فوراً پانی میں کود پڑے اور ان لوگوں نے اپنے اپنے لڑکوں کو بے دھڑک گنگا جی میں پھینک دیا اور برھمنوں نے اسی وقت انہیں نکال کر ان کے ماں باپوں کے حوالے کیا اور مقدور کے موافق ھر ایک سے کچھ لے لیا ۔ سجان سنگھ نے گیان چند سے پوچھا ''دادا یہ کیا ہے ؟''

اس نے جواب دیا ۔ ''بھائی ! جب کسی کے اولاد نہیں ہوتی یا ہو کر مر جائے ہے تو وہ کہتا ہے 'جو اب کے میرے لڑکا ہو کر جیے گا تو میں گنگا مائی پر چڑھاؤں گا' ۔ سو یہ لوگ اپنے بیٹوں کو گنگا مائی پر چڑھانے آئے ہیں اور بھائی سجان سنگھ ! یہ گنگا جی ایسی ہیں ۔ جہاں سب آویں ہیں ۔ دیکھو جب کسی عورت کا مالک مر جائے ہے تو جب تک وہ اپنے رنڈاپے کے کپڑے گنگا جی میں نہیں ڈالتی تب تک پوتّر نہیں ہوتی ۔ اب بھی بہت سی عورتیں اپنے

کپڑے ڈالنے آئی ھیں اور جس آدمی کے ماں باپ مر جائیں ، وہ بھی گنگا جی اشنان کرنے آوے ھے اور یہاں آن کر بھدّر هووے ھے اور پنڈ دان کرے ھے اور بیٹی کا بیاہ کر کر بھی لوگ گنگا جی کے اشنان کرے هیں"۔

گیان چند یہ باتیں کر ھی رھا تھا کہ تین چار عورتیں روتی هوئی گنگا جی کے کنارے پر آئیں اور ان میں سے ایک نے جس کا خاوند مر گیا تھا ، بدن کے کپڑے گنگا جی میں ڈال دیے اور نئے کپڑے پہن کر پھر روتی هوئی چلی گئی -

سجان سنگھ اور گیان چند دن بھر گنگا جی کے کنارے پر سیر کرتے پھرے ، شام کو اپنے گھر آ گئے -

دوسرے روز دوپہر کے وقت جب کھانا کھا چکے تو گیان چند بازار سے جا کر مٹی کی تین چار چھوٹی چھوٹی صراحیاں جنھیں ھندو لوگ بُگیاں کہتے ھیں ، لایا اور گھر لے جانے کے واسطے ان میں گنگا جل بھر کر ان کے دھانوں پر ایک ایک چپنی لاکھ سے جا دی اور کچھ الائچی دانے اور اور کئی چیزیں خریدیں تاکہ انھیں اپنے گاؤں میں لے جا کر تبرّک کے طور پر تقسیم کرے -

اس روز چودس کا دن تھا ، اس واسطے یہ سب مل کر نگ کے کوئیں پر درشن کرنے گئے - رستے میں سجان سنگھ نے گیان چند سے پوچھا "دادا ! یہ کنواں کیسا ھے اور لوگ اس کے درشن کرنے کیوں جائیں ھیں ؟"

اس نے کہا - "چودھری اس کی کتھا شاستر میں یوں لکھی ھے کہ پہلے کسی زمانے میں ایک راجا تھا اس کا نام تھا نگ - وہ ھر روز ایک سو ساٹھ گئوئیں پُن کیا کرے تھا - ایک بیر ایسا ھوا کہ ایک گئو جو راجا پہلے پُن کر چکا تھا ان گئوؤں میں آ کھڑی هوئی جو وہ اس سمے پُن کرنے کو تھا - راجا نے اس گئو کو بھی پُن کر دیا - تھوڑے دنوں پیچھے وہ برھمن جس کو راجا نے پہلے گئو پُن کر دی تھی ، راجا کے پاس آیا اور کہا "راجا ! ھماری

گئو دلوا دے''۔ راجا نے اس برھمن کو بلوایا جس کے پاس وہ گئو چلی گئی تھی اور کہا ''مہاراج ! یہ گاے میں پہلے پُن کر چکا تھا ، تم اس کے پلٹے میں جو چاھو سو لے لو''۔

مِشر نے نہ مانا ۔ راجا نے پہلے برھمن کو بہت سمجھایا ، پر وہ یہی کہے گیا میں تو اپنی گئو لوں گا ۔ اس میں راجا کو غصّہ آ گیا ۔ برھمن نے یہ دیکھ کر کہا کہ راجہ گرگٹ کے سے رنگ کیوں بدلے ھے ؟

برھمن کا یہ کہنا تھا کہ راجا گرگٹ ھو گیا اور مدّت تک اس کوئیں میں پڑا رھا ۔

جب سری کرشن جی نے اوتار لیا تو ایک روز وہ گیند کھیلتے ھوئے آ نکلے اور ان کی گیند اس کوئیں میں گر پڑی ۔ وہ اپنی گیند نکالنے کو اترے اور جوں ھی ان کا پیر اس گرگٹ کے بدن سے لگا ، وھیں اس کا اُدھار ھو گیا ۔ اس لیے لوگ اس کوئیں کے درشن کریں ھیں اور اس کا پانی چرنا مرت کر کے پیویں ھیں ۔

اس قسم کی باتیں کرتے ھوئے نگ کے کوئیں پر پہنچے ۔ وھاں لوگوں کی بہت بھیڑ بھاڑ تھی ۔ انھوں نے بھی بڑی مشکل سے چرنا مرت لیا اور پھر اپنے بنگلے کو چلے گئے ۔

دوسرے روز گیان چند بہت سویرے اُٹھا اور ایک ایک کو پکار کر کہا ''آج نہان کا دن ھے ، آج کے نہانے کا بڑا پُن ھوئے ھے''۔

اس کے کہتے ھی سب کے سب اُٹھ کھڑے ھوئے اور گنگا جی کے گھاٹ پر گئے ۔ وھاں ھزاروں آدمی نہا رھے تھے ۔ انھوں نے گنگا اشنان کر کے اپنے گنگا پروھت اور آور کئی برھمنوں کو بھوجن کرا دیا اور پروھت کو آٹھ آنے اور باقی برھمنوں کو ایک ایک ٹکا دے کر رخصت کیا ۔

پھر سب کے سب بازار کی سیر کو گئے اور اس دن کو میلے کا

آخر روز سمجھ کر بہت مندروں کے درشن کیے اور جو کچھ خریدنا باقی رہ گیا تھا خرید لیا۔

جب سب کاموں سے فارغ ہو چکے تو گھر کا رستہ لیا۔ چلتے چلتے کیا دیکھتے ہیں کہ بہت سے آدمی ایک طرف چلے جاتے ہیں اور بعض یہ بھی کہتے جاتے ہیں "ایک جوگی دیبی نکال رہا ہے آؤ چلو دیکھیں"۔

انھوں نے بھی اس طرف کا قصد کیا۔ دیکھا تو ایک فقیر جٹا دھاری مونچھ کی تا گڑی باندھے ھاتھ جوڑے بیٹھا ہے اور اپنی زبان سے کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ سینکڑوں آدمی اس کے گرد اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ دیکھیے کیا ھوتا ہے اور بعض آپس میں یہ بھی کہہ رہے ہیں، "فقیر اپنے بچن کا سچّا معلوم ھوتا ہے، زمین تو کچھ اُبھرتی چلی ہے"۔

یہ گفتگو سن کر ایک شخص بولا، "سڑی ہوا ہے، کہیں دیبی بھی اس طرح نکلی ہے۔ یہ تو اس جوگی کا پاکھنڈ ہے۔ چلو جی یہ تو ایک دُکنداری[1] ہے"۔

ایک نے کہا "ارے بے وقوف! کیوں جوگی کی نِندا کرے ہے۔ جو دیبی نہیں نکلنے کی تو زمین کیوں اُبھری ھوئی ہے اور جوگی نے اتنا اسباب، میوے کے تھال اور سنکھ گھڑیال، آرتی یوں ھی رکھ چھوڑی ہے؟ ہم نے کئی دفعہ سنا ہے کہ دیوی نے سُپنا دیا ہے کہ میں اس جگہ سے نکلوں گی اور پھر وھیں سے نکلی ہے"۔

سجان سنگھ یہ باتیں سن کر گیان چند سے پوچھنے لگا "مہاراج یہ کیا ڈول ہے"؟

اس بھیڑ میں سے ایک شخص بولا "ارے گنوار! تجھے اب تک خبر نہیں۔ یہ کیا ہے؟ بھائی یہ فقیر جو تیرے سامنے بیٹھا ہے

---

۱ - دکانداری کا بگڑا ہوا لفظ ہے -

بڑا کراماتی ہے ۔ اس کو یہاں آئے سات دن ہوئے ہیں ۔ دیبی نے کہیں اس کو سپنا دیا تھا کہ تو نے بڑی تپسیا کی ہے ، اب تو جا ، میں گڑھ مکتیسر کے نکٹ نہان کے دن پرگھٹ ہو کر تجھ کو درشن دوں گی ۔ سو یہ فقیر اسی دن سے یہاں آیا ہوا ہے ۔ رات دن دیبی کا جپ کرتا ہے اور سوائے دودھ کے اور کچھ نہیں کھاتا "۔

سجان سنگھ نے بھی جو غور سے اس طرف دیکھا تو اسے بھی کچھ زمین ابھری ہوئی معلوم ہوئی اور اس نے گیان چند سے کہا ۔ "دادا زمین ! کچھ پھولی ہوئی تو ہے"۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ ایک دفعہ ہی اس مقام پر سے زمین شق ہو گئی ۔ فقیر نے اٹھ کر دیکھا اور دیکھتے ہی جوش میں آ کر پکار اٹھا ۔ "بول اٹل چھتر کی جے بول جے"۔

پھر ایک برھمن سے جو پاس کھڑا تھا ، کہا "مہاراج ! گھڑیال سنبھالو ۔ اب مہارانی درشن دیں گی" اور خود میوے کے تھال اٹھا کر اس مقام کے پاس لے گیا اور چراغ روشن کر کے ہو بیٹھا ۔ ایک برھمن اسی وقت دوڑا گیا اور گنگا جی میں سے تھوڑا سا پانی لایا کہ جوں ہی دیبی زمین سے نکلے ، فوراً اسے اشنان کرائے ۔

سجان سنگھ نے غور کر کے فقیر کی طرف جو دیکھا تو حیران رہ گیا اور گیان چند سے کہنے لگا "ہو نہ ہو یہ تو وہی بابا جی ہے جو ہمارے گھر آیا تھا "۔

تھوڑی دیر بعد ایک کالے پتھر کی سورت کا چہرہ گردن تک زمین سے باہر نکل آیا اور دفعۃً فقیر پکار اٹھا "اٹل چھتّر کی جے"۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ سب آدمی یہی آواز لگا کر ڈنڈوت کرنے لگے ۔ ایک برھمن گھڑیال لے کر کھڑا ہو گیا اور جوگی سورت کے چاروں طرف سے مٹی ہٹانے لگا ۔ جتنی مٹی سرکاتا جاتا تھا ، اتنی ہی پرتما کالے پتھر کی بنی ہوئی مٹی میں بھری ہوئی نظر آتی جاتی تھی ۔

جوگی نے گنگا جل سے اسے اشنان کرایا اور مٹی سے صاف کر کے اس پر پھول اور ہار چڑھائے ، میوے کے تھال بھوگ کے طور پر اس کے آگے رکھے اور تھوڑی دیر بعد یہ میوہ تبرک کے طور پر تقسیم کر دیا ۔

پھر تو یہ نوبت ہوئی کہ ہزاروں آدمی درشن کرنے آئے اور اپنے اپنے مقدور کے موافق نقدی چڑھا گئے ۔ روپوں ، اٹھنیوں ، چونّیوں ، پیسوں ، مٹھائی اور میوے کا وہاں ایک ڈھیر لگ گیا ۔ سجان سنگھ اور گیان چند نے دیبی کے درشن کیے اور آگے بڑھ کر فقیر کی طرف گئے ۔ سجان سنگھ نے جوگی سے کہا ''واہ مہاراج دھن ہو''۔

یہ کہ کر اس کے پاؤں پر گر پڑا ۔ فقیر نے بھی سجان سنگھ کو پہچان لیا اور کہا ''کہو بچّہ گنگا اشنان کرنے آیا ہوگا ؟''

سجان سنگھ بولا ، ''مہاراج ! تمھارا غلام بڑی بپتا میں ہے ، تمھارے کارن گھر اور گاؤں سب سے بُرا ہو گیا ۔ اب میرے سے آپ کی کیا رکھائی ہے ''۔

فقیر نے کہا ! ''بابا ! بھگوان سب بھلی کرے گا ۔ اب تو تُو جا کل ہم تجھے درشن دیں گے ''۔

سجان سنگھ تو فقیر سے باتیں کر رہا تھا اور گیان چند دیبی کو دیکھ کر بُت سا بنا کھڑا تھا ۔ جب پرتما کے پیچھے اس کی نظر پڑی تو اس کی پیٹھ پر کچھ حرف کھدے ہوئے دکھائی دیے اس نے ان حرفوں کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ پرتما بڑی ہی پرانی ہے اور پانڈوں کے وقت میں اس کا ستھا پن[1] ہوا تھا ۔ اس نے سجان سنگھ اور سب آدمیوں سے جو وہاں کھڑے ہوئے تھے ، اس

---

۱ - جب کسی مورت کو مندر میں لے جا کر رکھتے ہیں تو کہتے ہیں ، اس کا ستھا پن ہوا ۔

بات کا ذکر کیا ۔ وہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فقیر کو زیادہ ماننے لگے ۔ پھر تو جوگی بھی ہر ایک درشن کرنے والے سے کہتا تھا ”بچّہ یہ دیبی بڑی پراچین[1] ہے“۔

ایک شخص جو درشن کرنے آیا اور فقیر نے اس سے دیبی کے پرانے ہونے کا ذکر کیا تو اس نے پوچھا ”مہاراج ! یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ دیبی بڑی پرانی ہے ؟“

اس نے کہا ”بچّہ ! ہمیں تو خبر نہیں ، یہ پنڈت جو یہاں کھڑا ہے ، اس نے پرتما کی پیٹھ پر کچھ پڑھا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ اس مورت کو راجہ یدھشٹر نے ستھا پن کیا تھا “۔

اس کے تھوڑی دیر بعد گیان چند نے کہا ”لے چودھری ! چل بنگلے میں سب ہماری باٹ دیکھتے ہوں گے “۔

پھر دونوں وہاں سے چلے گئے اور رستے میں باتیں کرتے ہوئے بنگلے پر پہنچے ۔ وہاں پہنچتے ہی سجان سنگھ فقیر کی تعریف کرنے لگا اور اپنی بیوی سے کہا ”موہن کی ماں آج وہی بابا جی پھر یہاں ملے تھے“ اور دیبی کے نکلنے کا بھی سارا حال اس کے روبرو بیان کیا اور کہا ”کل بابا جی مہاراج درشن دیں گے “۔

چندر کور یہ بات سُن کر بہت خوش ہوئی مگر من سکھی نے جس وقت بابا جی کا نام سنا ، اپنے دل میں ہزاروں گالیاں دیں اور پاربتی سے کہا ”پہلے تو یہ کچھ کر گیا ، اب اس کا کھوجڑا جائے ، جانے کیا کرے گا ؟“

تھوڑی دیر تک فقیر کا ذکر ہوتا رہا پھر سب نے کھانا کھایا اور چلنے کی تیاری کرنے لگے ۔

دوسرے روز نہا دھو کر جو کچھ اسباب چھکڑوں پر لادنا باقی رہ گیا تھا ، لاد دیا اور کھچڑی کھا کر سب چھکڑوں کے ساتھ اپنے چھکڑے بھی ہانک دیے ۔

---

۱ - یعنی پرانی -

رستے میں سجان سنگھ چاروں طرف فقیر کو دیکھتا گیا - جب گڑھ مکتیسر سے تین چار کوس نکل گئے تو کیا دیکھتا ہے کہ بابا جی ایک درخت کے تلے بیٹھے ہیں - سجان سنگھ آسے دیکھتے ہی چھکڑے سے اُتر کھڑا ہوا اور کہا ”مہاراج ! میں تم ہی کو دیکھتا ہوا چلا آؤں تھا“۔

فقیر نے کہا ”ہم بڑی دیر سے یہاں بیٹھے ہیں“۔

سجان سنگھ نے پوچھا ”مہاراج ! دیبی کو کس کے پاس چھوڑ آئے“۔

اس نے کہا ”بچّہ ! ہم جوگی ہیں، ہمارا کیا ٹھکانا آج یہاں ہیں، کل وہاں - گڑھ مکتیسر میں چار پانچ برہمنوں نے ہم سے کہا ’مہاراج ! یہ دیبی ہم کو دے دو ہم یہاں مائی کا مندر بنوا دیں گے‘، سو ہم نے ان کو دے دی“۔

سجان سنگھ بولا ”اب آپ کی کہاں جانے کی اِچّھا ہے ؟“

فقیر نے جواب دیا ”بچّہ ! ہمارا انت آن پہنچا ہے، پرسوں ہم اس شریر کو چھوڑیں گے، اس واسطے بدری ناتھ جانے کی اِچّھا ہے، وہاں جا کر چولا بدلیں گے“۔

سجان سنگھ نے یہ بات سن کر کہا ”مہاراج ! مجھے کہاں چھوڑ چلے ؟ میں تو آپ کے کارن سارے گاؤں میں بدنام ہوا اور میرے سارے کنبے والے مجھ سے ناراض ہو گئے - میرا بھائی گھر سے نکل گیا ہے، یہ ساری بپتا مجھ پر آپ کے کارن پڑی“۔

فقیر نے کہا ”بچّہ ! کیوں گھبرائے ہے ؟ اس لڑکے نے ہمارا مان بھنگ کرنا بچارا تھا، بھگوان نے اس کا پھل اس کو دیا - جو کیا تھا سو پایا ؛ پر اب گرو نے چاہا تو وہ جلد تم سے آ ملتا ہے - اس بات کی کچھ چنتا نہ کر“۔

سجان سنگھ فقیر کے قدموں پر گر پڑا - فقیر نے کہا ”سجان سنگھ ! کیوں دیر کرے ہے، میلا تو نکلا جائے ہے ؟“

اس نے کہا ”مہاراج ! میں کہاں جاؤں ؟ اتنے دنوں پیچھے تو تم سے ملا ہوں اور اب تم چولا بدلنے کہو ہو، مجھ کو کیا نراس ہی چھوڑ جاؤ گے ؟ کوئی ایسی کرپا کرو جو ساری عمر تم کو بیٹھا یاد کروں “۔

فقیر نے کہا ”اچھا بابا ہمیں بھی بدری ناتھ جانا ہے، چل تیرے ہی ساتھ چلے چلیں، شام کو اپنا رستہ لیں گے “۔

یہ کہہ کر فقیر اس کے ساتھ ہو لیا اور دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھے ۔

گیان چند چھکڑے پر بیٹھا ہوا دل ہی دل میں جلتا تھا اور کہتا تھا ”دیکھو سجان سنگھ کیا پاگل ہوا ہے، چھکڑا چھوڑ کر فقیر کے ساتھ پیدل ہو لیا ہے ۔ بھلا اس پاکھنڈی میں کیا رکھا ہے جو اس کی اتنی چاپلوسی کرے ہے، آخر لُٹے گا ۔ بھلا کس جُلاہے کے ساتھ ہو لیا ہے! جو کسی پنڈت کی سیوا کرتا تو اچت بھی تھا “۔

گیان چند کے دل میں تو یہ ادھیڑ بن ہو رہی تھی اور سجان سنگھ فقیر کے ساتھ باتوں میں لگا ہوا بے خبر چلا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا ”ہے مہاراج ! آپ تو بڑے ہی کراماتی ہیں“ اور اور طرح طرح کی خوشامد کرتا جاتا تھا ۔ آخر جوگی نے کہا ”بچّہ ! فقیر کو تو کچھ آتا نہیں ہے ہاں گرو جی نے کچھ تھوڑا سا اپنی دیا کر کے بتا دیا ہے “۔

سجان سنگھ نے کہا ”مہاراج ! یہ کیا کہے ہو، تم جیسا تو آدمی دھرتی پر نہ ہوگا “۔

فقیر بولا ”نہیں بابا ! ایسی بات مت کہہ، ہمارے گُرو جی کو تو یہ شکت تھی کہ سب کچھ کر سکتے تھے ۔ ایشور کی ان پر دیا تھی ۔ ایک دن کی بات ہے کہ ایک لڑکا پندرہ یا سولہ برس کا مر گیا، اس کے ماں باپ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے ۔ گرو جی بھی کہیں اُدھر کو جا نکلے، اُنھوں نے لوگوں سے پوچھا ”بابا یہ

کیوں روئیں ہیں؟" لوگوں نے کہا "مہاراج! ان کا پندرہ برس کا لڑکا مر گیا"۔ گرو جی نے کہا "بابا! اس لڑکے کو ہم بھی دیکھ لیں؟" لوگوں نے کہا "بابا! اس میں کیا رکھا ہے۔ وہ تو اب مٹی ہے۔ آؤ تم بھی دیکھ جاؤ"۔ گرو جی نے دیکھ کر کہا "بچّہ! اس لڑکے کا کیا مرا ہے؟ یہ تو جیوے ہے"۔ یہ کہ کر اس لڑکے کا ھاتھ پکڑ لیا اور کہا "اُٹھ اُٹھ"۔ گرو جی کا یہ کہنا تھا کہ لڑکا بالکل چیتن ھو بیٹھا۔ اور سن! ایک دفعہ ندیا شانتی پور سے ایک بڑا پنڈت یہ بچار کر آیا کہ گرو جی سے شاستر ارتھ کروں۔ گرو جی تو کراماتی تھے ھی۔ اُس کے من کی بات کو جان گئے۔ ایک جگہ خاک میں بیٹھے ھوئے تھے کہ وہ پنڈت آیا۔ گرو جی نے دیکھا کہ بھنگن ٹوکرا لیے ھوئے چلی جائے ہے۔ اُس کو پکار لیا۔ جب وہ پاس آئی، کہا "آ میرے گھٹنے پر بیٹھ جا اور ان پنڈت جی مہاراج سے شاستر ارتھ کر لے"۔ گرو جی کی یہ بات سنتے ھی بھنگن ان کے گھٹنے پر بیٹھ گئی اور لگی سنسکرت بولنے۔ ندیا کا پنڈت اس بات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا "مہاراج! جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا" اور کیمیا کا جو لوگ ذکر کریں ھیں، یہ تو ان کے نزدیک کچھ بات ھی نہ تھی۔ جہاں اُنھوں نے تھوک دیا وھیں سونا پیدا ھو گیا۔ ایک دن مجھ سے خوش ھو کر کہا "بچّہ! منہ کھول"۔ میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ مہاراج نے میرے منہ میں تھوک دیا اور کہا "جا بچّہ! خوش رھو۔ جو کچھ کرامات تو نے پائی ہے، اُسے خراب نہ کریو اور ھر کسی سے نہ کہیو"۔

یہ بات سُن کر سجان سنگھ نے کہا "مہاراج! جو کرامت اُن میں تھی، وھی تم میں آ گئی ھو گی۔ اب تم میں اُن میں کیا اَنتر ہے؟"

فقیر نے کہا "نہیں بچّہ! میں نے تو اتنا ھی پایا ہے، جیسے کوئی چڑیا سمندر میں سے چونچ بھر لے ہے۔ اُن کو یہ شکت تھی کہ ایک کے لاکھ کر کے دکھا دیں، پر ھم کو اتنا ھی بتایا ہے کہ ایک کے پچاس کر دیں"۔

سجان سنگھ نے جس وقت فقیر کے منہ سے یہ کلام سنا ، اُس کے دل میں لالچ آیا اور فقیر سے کہنے لگا " مہاراج ! پھر کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے عمر بھر کھیتی کیاری کی محنت سے تمھارا غلام چھوٹ جائے "۔

فقیر نے جواب دیا " بابا ! تجھے کیا چاھیے - تیرے اوپر ایشور کی کرپا ھے اور دوسرے یہ بھی بات ھے ، آدمی دنیا کے دھن دولت پر کیوں دل لگاوے ؟ یہ بات تو ھم لوگوں کو اس وقت کرنی کہی ھے جب کہیں کوئی ایسا ھی کام آن پڑے اور کسی کا اپھان مٹانا ھو "۔

سجان سنگھ نے فقیر کی بہت سی مِنّت کی مگر وہ ظاھر میں انکار کرتا رھا اور جس قدر انکار کرتا جاتا تھا ، اسی قدر سجان سنگھ کا شوق بڑھتا جاتا تھا ۔

آخرکار سجان سنگھ کی ضد سے فقیر نے منہ بنا کر کہا " خیر بچّہ ! جو تیری یہ اِچّھا ھے تو آج جہاں جا کر اُترے ، وھاں جو گہنا یا ٹوم تیرے پاس ھو ، لے آئیو ۔ ھم ایک طرف کو تجھے الگ لے چل کر اس کو پچاس گنا کر دیں گے مگر پہلے یہ بچن لے لیں گے کہ تو کسی سے یہ مت کہیو کہ فقیر نے ایسا کیا تھا "۔

اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ پڑاؤ پر پہنچے اور اپنے چھکڑوں کو سارے چھکڑوں سے علاحدہ کھڑا کیا ۔ فقیر سب سے الگ ھو کر ایک کونے میں ھو بیٹھا اور ظاھر میں خدا کا دھیان کرنے لگا ۔ سجان سنگھ اس عرصے میں زیور جمع کرتا رھا ۔ من سکھی نے جو موھن کو کھانا کھلا رھی تھی ، دُور سے فقیر کو دیکھ کر کہا " مر جانا بگلا بھگت بن کر بیٹھا ھے "۔

جب سجان سنگھ اپنے یار آشناؤں سے زیور مانگ چکا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا " لا سب کا گہنا اُتار دے " ۔

چندر کور نے اپنا اور من سکھی کا سارا زیور اُتار کر اُسے دے

دیا ۔ پھر وہ موھن کا زیور آتارنے گیا اور من سکھی سے کہا
”چھوری ! اس کے بھی کڑے آتار دے“۔

موھن یہ سن کر رو پڑا اور مچل کر کہنے لگا ”میں تو اپنے کڑولے نہ آتاروں“۔

جب من سکھی نے دیکھا کہ موھن بہت روتا ھے تو سجان سنگھ سے کہا ”چاچا ! اس کے کڑولے تو میں نہ آتارنے دوں ۔ چاھے بُرا مان ، چاھے بھلا مان ۔ ابھی تو چھورے کے بال آتر چکے ھیں“۔

سجان سنگھ نے غصّے میں آ کر کہا ”لا آتار بھی دے اس میں اس کا بڑا فائدہ ھے تو نہیں جانے ھے جا“۔

سجان سنگھ یہ کہ ھی رھا تھا کہ اتنے میں گیان چند وھاں چلا آیا اور موھن کو گود میں آٹھا کر کہا ”چودھری ! جا بھی ۔ کیوں ھٹ کرے ھے ۔ ناحق لڑکے کو دکھی کر رھا ھے ۔ اس کے روتے روتے ھچکیاں بھی بندھ گئی ھیں“۔

ادھر سے اس کی جورو بولی ”موھن کا گہنا کیوں آتارے ھے“۔

جب سجان سنگھ نے دیکھا کہ سب آدمی وھیں آ جمع ھوئے تو ناچار ھو کر اپنی بیوی سے کہنے لگا ”تو بڑی ابھاگی ھے جو موھن کا گہنا نہیں دیتی“۔

آخر کار اُسی زیور کو جو اس کے ھاتھ لگ گیا تھا اور قریب پانسو روپے کے تھا ، فقیر کے پاس لے گیا ۔ فقیر نے کہا ۔ ”اس کو ایک ھنڈیا میں بند کر کے اس کے اُوپر ایک کپڑا لپیٹ دے اور پھر میرے ساتھ ھو لے“۔

سجان سنگھ اسی وقت ایک ھانڈی لے آیا اور سارا زیور اس میں رکھ کر فقیر صاحب کی نذر کیا ۔ اس نے کہا ”بابا ! ھم کسی کے مال کو ھاتھ نہیں لگاتے ، تُو ھی لے چل“۔

پھر فقیر آگے آگے چلا اور سجان سنگھ اس کے پیچھے روانہ ھوا ۔

یہ تو دونوں ادھر گئے ، یہاں تھوڑی دیر کے بعد ایک کوئیں پر جو وہیں پڑاؤ کے پاس تھا ، کوئی برھمن آیا اور اپنے انگوچھے میں سے تھوڑی سی بھنگ نکال کر کوئیں کی سل پر رگڑنے لگا ۔ گیان چند نے جب دیکھا کہ کوئی شخص کوئیں پر بھنگ گھوٹ رہا ہے ، پوچھا ''مہاراج کیا کر رہے ہو''؟

وہ بولا ۔ ''بھیا گھوٹ رہے ہیں ۔ جو ایک چُلّو تم بھی لیتے ہو تو چلے آؤ''۔

گیان چند تو بھنگڑ ہی تھا ، جھٹ اس کے پاس چلا گیا ۔ جس وقت برھمن نے بھنگ پیس کر تیار کی تو اپنے لوٹوں پر ھاتھ رکھ کر کہنے لگا :۔

بھنگڑ کی بولی	ترجمہ اور مطلب
آؤ تو بھنگ گنگ دو بہن ہیں تو رہتی شِو کے سنگ ۔ ترن تارنی گنگ ہے تو لڈو کھانی بھنگ ۔	یعنی گنگا اور بھنگ دو بہنیں ہیں اور شو ہی کے ساتھ رہتی ہیں ۔ گنگا نجات دینے والی ہے اور بھنگ بھوک زیادہ کرنے والی اور مٹھائی کھلانے والی ۔

یہ کہ کر اس نے گیان چند کو بھنگ پلائی اور تھوڑی تھوڑی دونوں گاڑی بانوں اور نوکر کو بھی دی اور آپ بھی ایک لوٹا چڑھا گیا۔

گیان چند نے بھنگ پینے کے تھوڑی دیر بعد سب کو کھانا کھلایا ۔ ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک گاڑی بان نے کہا ۔ ''مہاراج ! میری تو جیب اینٹھی جائے ہے اور گھمیری سی چلی آئے ہے''۔

گیان چند نے کہا ۔ ''بھائی ! بھانگ نشیلی ہے سو رہو''۔

پھر تو نشے کے مارے یہ نوبت ہو گئی کہ کسی کو

تن بدن کا ہوش نہ رہا اور اسباب کی نگہبانی کے واسطے بیچاری عورتوں کو بیٹھنا پڑا ۔

جب رات زیادہ ہو گئی تو گیان چند کی بیوی اور چندر کور کو بھی نیند آ گئی ۔ من سکھی نے ہر چند مردوں کو جگایا مگر اُن کا تو یہ حال تھا کہ اگر ہاتھی اُن کے بدن پر پھر جائے تو ہوش نہ آتا ۔ یہ حالت دیکھ کر من سکھی بہت گھبرائی لیکن انجام کار وہ بھی اپنے بھائی سوہن کو لے کر چھکڑے کے نیچے جا لیٹی اور کہانیاں کہہ کر اُسے سُلا دیا ۔

من سکھی تھوڑی دیر تک تو جاگتی رہی مگر نیند بُری بلا ہوتی ہے ۔ مثل مشہور ہے تلوار کی دھار پر بھی آتی ہے ۔ آخر اس کی بھی آنکھ لگ گئی ۔ جب سو گئی تو کیا خواب دیکھتی ہے کہ ایک جنگل میں وہی فقیر بیٹھا ہوا چلم پی رہا ہے اور اُس کی چلم میں سے سونے چاندی کی ڈلیاں نکل رہی ہیں ۔ فقیر کے سامنے ان ڈلیوں کا ایک ڈھیر لگ گیا ہے ، اور سندر سنگھ سامنے کھڑا ہوا اُسے ترچھی نگاہ سے دیکھ رہا ہے ۔ اتنے میں فقیر نے آنکھ اُس کی طرف اُٹھائی اور سندر سنگھ فوراً وہاں سے غائب ہو گیا ۔ پھر سونے چاندی کی ڈلیوں میں سے ایک ڈبی نکلی اور اس نے سوہن کا سا روپ بدلا اور فقیر بھیڑیا بن کر اس کے پکڑنے کو منہ پھاڑنے لگا ۔ ہر چند من سکھی نے چاہا کہ چلاؤں اور جس طرح ہو سکے سوہن کو بچاؤں مگر اس سے نہ بولا گیا ۔ پھر نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو سندر سنگھ گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار لیے چلا آتا ہے ۔ اتنے میں بھیڑیے نے سوہن کو اٹھا کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا اور بھاگنے لگا ۔

یہ خواب دیکھتے من سکھی جاگ اُٹھی اور آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ وہی فقیر وہاں موجود ہے اور اس کا ایک ہاتھ سوہن کے منہ پر رکھا ہوا ہے اور دوسرے ہاتھ سے آہستہ آہستہ اُسے گھسیٹ رہا ہے ۔

جوں ہی من سکھی نے یہ حال دیکھا یکایک چلّا اٹھی - ''دھائی ہے، دھائی - پہنچیو! کوئی دوڑیو! یہ بابا جی میرے بھائی کو لیے جائے ہے''۔

اس کی آواز سن کر فقیر جھٹ موھن کو گود میں لے کر بھاگنے لگا - من سکھی چلّاتی ہوئی اس کے پیچھے دوڑی - فقیر نے ایک جگہ ٹھوکر کھائی کہ اتنے میں من سکھی نے جا کر اس کے بال پکڑ لیے - فقیر نے من سکھی کی کنپٹی پر ایک ایسا سونٹا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی اور اس کے کان سے خون بہنے لگا -

اتنے میں اور عورتیں بھی جو من سکھی کی چیخوں سے جاگ اٹھی تھیں، ادھر اُدھر دوڑنے لگیں اور من سکھی کو بے ہوش پڑا ہوا دیکھ کر بہت گھبرائیں - جب لڑکے کو اس کے پاس نہ دیکھا اور نہ چھکڑے کے نیچے اس کا پتا ملا تو خوب چلّا چلّا کر روئیں اور گاڑی بانوں کو جگانے لگیں -

ان کا تو پہلے ہی علاج ہو چکا تھا - بھنگ کے نشے میں پڑے تھے، کچھ بھی نہ جانا، کون چلّاتا ہے اور کیا بکتا ہے - آخر پڑاؤ کے لوگوں نے عورتوں کی بہت تشفّی کی اور فقیر کے پکڑنے کے لیے چاروں طرف آدمی دوڑائے - اتنے میں سجان سنگھ بھی دھائی دیتا ہوا آیا اور جب یہاں کا حال دیکھا تو اس کے ہوش حواس جاتے رہے اور بیتاب ہو کر زمین پر گر پڑا مگر جس وقت ہوش میں آیا تو اپنی مصیبت کی داستان اس شرح سے بیان کرنے لگا :-

''بابا جی نے جنگل میں لے جا کر ایک جگہ آگ سلگائی اور ھانڈی کو میرے ھاتھ سے آگ پر رکھوا کر کہا 'بچّہ! تو یہاں بیٹھا رہ، میں ایک درخت کے پیچھے جا کر کچھ منتر پڑھوں ہوں - جب یہ آگ ٹھنڈی ہو جائے تو تو مجھے پکار لیجو - پر یہ دھیان رکھیو، جب تک یہ ٹھنڈی نہ ہو، تب تک اس پر سے آنکھ مت اٹھائیو، جب مجھے بیٹھے بیٹھے چار گھڑیاں لگ گئیں اور راکھ بھی

ٹھنڈی ھو گئی تو میں نے بابا جی کو پکارا ۔ جب کئی آوازیں دے چکا اور وھاں سے جواب نہ آیا تو میں آپ ھی اس درخت کی اور جا کر بابا جی کو ڈھونڈنے لگا ، پر بابا جی کا کہیں پتا نہ ملا ۔ جب بڑی دیر تک بابا جی نہ آئے تو میں نے آپ ھی هانڈی کو راکھ میں سے نکالا اور کھول کر دیکھا تو اس میں کنکر بھرے ھوئے تھے ، اور کچھ نہ تھا ۔ یہ دیکھتے ھی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا آ گیا اور لگا فقیر کو گالیاں دینے اور اپنا ماتھا پیٹنے ، پھر پچتا پچتا کر یہاں چلا آیا "۔

اب فقیر کا حال سُنئے کہ وہ موھن کو لے کر تین چار کوس نکل گیا تھا کہ صبح کی روشنی نظر آئی ۔ اس واسطے اس نے یہ ارادہ کیا کہ لڑکے کا زیور اتار کر اسے کہیں کنوئیں میں ڈال دے ۔ اسی فکر میں تھا کہ یکایک وھی آدمی جس نے برھمن بن کر گیان چند اور اور لوگوں کو بھنگ پلائی تھی ، اس سے آ ملا اور دونوں مل کر ایک کنوئیں کی طرف گئے اور لڑکے کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے لگے ۔ موھن نے فقیر کے ھاتھ میں کاٹ کھایا اور جوں ھی فقیر نے اس کے منہ پر سے ھاتھ ھٹایا ، بے اختیار اس کی آواز نکل پڑی ۔

اتفاقاً ایک سوار اس طرف سے چلا آتا تھا ، موھن کے رونے کی آواز اس کے کان میں پہنچی ۔ فقیر موھن کی چھاتی سے ایک پتھر باندھ کر چاھتا ھی تھا کہ اُسے کنوئیں میں پھینک دے کہ اتنے میں وہ سوار بھی آ پہنچا ۔ سوار کے دیکھتے ھی فقیر اور اس کا رفیق دونوں اس لڑکے کو چھوڑ کر بھاگے ۔ سوار فقیر کے پیچھے دوڑا اور میان سے تلوار نکال کر فقیر کے سر پر ماری ۔ اس نے اپنے سر کے بچانے کے لیے ھاتھ اُٹھایا اور اس کے ھاتھ کی دو اُنگلیاں صاف اُڑ گئیں ۔ مگر وہ اپنے رفیق کے ساتھ جھٹ ایک نالے میں کودا اور کودتے ھی اس کی بغل میں سے ایک گٹھڑی نکل پڑی ۔ پھر دونوں کے دونوں بے حواس بھاگ کر سوار کی نظر سے غائب ھو گئے ۔

جب سوار نے دیکھا کہ اب ان کا ھاتھ آنا مشکل ھے ، گٹھڑی

لے کر کنوئیں پر آیا اور لڑکے کو اُٹھا کر جو دیکھا تو حیران اور ششدر[1] رہ گیا ۔ مگر اپنے تئیں سنبھال کر اس کے ہاتھ پاؤں کی رسّی کھولی اور منہ سے کپڑا نکالا ۔ پھر چھاتی سے لگا کر پیار کیا اور کہا ۔ ''سوھن ! رو مت ، میں سندر سنگھ ھوں ''۔

یہ بات سن کر موھن نے جو آنکھ اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ حقیقت میں سندر سنگھ ھی ھے ۔ پھر تو جیجا کہہ کر اور بھی رونے لگا اور بولا ''بابا جی نے میرے کپڑے اُتار لیے اور مجھے بہت ھی مارا ''۔

سندر سنگھ نے کہا ''اب بابا جی سے مت ڈر ۔ میں نے اس کو مار کر بھگا دیا ''۔

یہ کہہ کر گٹھڑی کھولی تو اس میں سے موھن کے کپڑے اور بہت سا زیور اور پان سو روپے کی اشرفیاں نکلیں ۔ سندر سنگھ نے اسی گٹھڑی میں سے کپڑے نکال کر موھن کو پہنا دیے اور گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا کر وھاں سے روانہ ھوا ۔ رستے میں تسلّی دے کر اس سے پُوچھا ۔ ''بابا جی کے ساتھ تو کیوں کر چلا آیا تھا ''۔

اُس نے کہا ''جیجا ! میں جیجی کے دھورے چھکڑے کے نیچے سویا پڑا تھا ۔ بابا جی نے میرا ھاتھ پکڑ لیا اور میرا منہ بھیچ کر مجھے اُٹھا لے چلا ۔ جیجی اس کے پیچھے دوڑی اور اس کے بال پکڑ لیے ۔ بابا جی نے جیجی کو گرا دیا اور مجھے لے کر چلا آیا ''۔

سندر سنگھ اس قسم کی باتیں کرتا ھوا پڑاؤ کی طرف چلا جاتا تھا اور اپنے دل میں سوچتا تھا کہ اب میں بہت جلد اپنی پیاری سے جا ملتا ھوں ۔ اُس کے دیکھتے ھی میری جان میں جان آ جائے گی ۔ وہ بھی میری جدائی سے سوکھ کر کانٹا ھو گئی ھو گی ۔ مجھے دیکھ کر

---

۱ ۔ ششدر اس مُقام سے کنایہ ھے جہاں سے رھائی دشوار ھو اور مجازاً عاجز و متحیر کی جگہ بھی مستعمل ھوتا ھے اور ششدر اصل میں نرد کی بازی میں چھ خانے ھوتے ھیں کہ جب مہرہ ان کے پیچھے خانے میں پھنس جاتا ھے تو وھاں سے اس کا نکلنا مشکل ھوتا ھے ۔

نہال ہو جائے گی اور اب تو سجان سنگھ بھی میرا بڑا احسان مانے گا اور پچھلے دنوں کو یاد کر کے پچھتا جائے گا۔

آخرکار جب وہ انہیں خیالوں میں پڑاؤ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ پڑاؤ سے تھوڑی دور پرے ایک شور مچ رہا ہے اور واویلا کی آواز چلی آتی ہے اور سجان سنگھ روتا ہوا اس کی طرف دوڑا آتا ہے۔ سندر سنگھ نے اسے پریشان دیکھ کر پکارا۔ ''گھبراؤ مت۔ سوھن میرے پاس ہے''۔

سجان سنگھ جلدی سے سندر سنگھ کے پاس آیا اور سوھن کو گود میں لے کر چھاتی سے لگا لیا اور بولا ''میرے لال تو کہاں تھا؟ یہاں تیرے واسطے سب ڈکراتے پھرے ہیں''۔

پھر سندر سنگھ گھوڑے سے اترا۔ سجان سنگھ نے اسے گلے لگا لیا اور کہا ''بھائی! تم ہمارے لیکھے بھگوان آ گئے''۔ پھر اس کا حال پوچھا۔ سندر سنگھ نے کہا ''میں نے کل میرٹھ میں سنا تھا، تم گنگا نہانے آئے ہو اور آج اس پڑاؤ پر ہو گے۔ یہ سن کر میں نے اپنے کمانیر[1] سے چار دن کی چھٹی لی اور تم سے ملنے کو آیا تھا۔ رستے میں اس چنڈال بابا جی کے پاس تمہارا سوھن نکلا''۔

اس کے بعد سارا ماجرا اس کے روبرو بیان کیا اور اس گٹھڑی کو جو فقیر کی بغل میں سے نکل پڑی تھی، کھول کر سجان سنگھ کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے اپنا زیور دیکھ کر کہا ''تمہارا کہنا سچ نکلا۔ اس چنڈال بیراگی نے ہمارا گہنا بھی لوٹا اور پھر چھورے کو لے کر بھاگا اور کیا کہوں، چھوری کے ایسا سونٹا مارا کہ اس کا بچنا بھی دوبھر ہے''۔

اس بات کے سنتے ہی سندر سنگھ کے ہوش جاتے رہے۔ آنکھوں

---

۱ - یہ لفظ اصل میں کمانڈر (Commander) کا بگڑا ہوا ہے جس کے معنے حاکم کے ہیں۔

کے آگے اندھیرا آ گیا مگر جس طرح ہو سکا ، سنبھل سنبھلا کر چھکڑے کے پاس پہنچا ۔ چندر کور نے من سکھی سے جو بے ہوش پڑی ہوئی تھی ، کہا ۔ ''لے تیرا موھن آ گیا ۔ سندر سنگھ اس کو لایا ھے ''۔

من سکھی نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور سندر سنگھ کی طرف جو نظر پڑی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور چاھا کہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رھے مگر لحاظ کے سبب سے اپنا منہ پھیر لیا ۔ جب چندر کور نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنے خاوند اور سب لوگوں کو جو وھاں کھڑے تھے اشارے سے ٹال دیا ۔

جس وقت اور لوگ وھاں سے ھٹ گئے اور صرف سندر سنگھ رہ گیا تو وہ اس چھکڑے کے نیچے جہاں من سکھی پڑی تھی ، چلا گیا ۔ کیا دیکھتا ھے کہ وھی من سکھی جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا ، بے ہوش پڑی ھے ۔ بدن میں طاقت نام کو نہیں ۔ چہرے کا رنگ بالکل اڑ گیا ۔ اس کے لمبے لمبے بال جو گندھے ہوئے رھتے تھے ، اب خاک میں کھلے ہوئے پڑے ھیں !

سندر سنگھ حیران بت سا کھڑا تھا اور دل میں کہتا تھا ''ھائے کیا تھا کیا ہو گیا ''۔ کبھی اسے اپنی شادی کی اسنگ اور من سکھی کے ساتھ کنگنا کھیلنے کا دھیان آتا ۔ کبھی شوخی اور اچپلاھٹ سے اس کے یہ کہنے کا خیال آتا کہ دیکھیں پہلے کنگنا کون لے ۔ کبھی من سکھی کا اس کی ماں کے روبرو پیروں پڑنا اور گھر کے سب آدمیوں کا ادب کرنے اور سب چھوٹے بڑوں کے خوش رکھنے کا تصوّر بندھ جاتا ۔ کبھی اس کا پیار سے یہ کہنا کہ مجھے جگ میں تجھ سے زیادہ کون ھے یاد آتا ۔ کبھی یہ سوچتا کہ جب میں کھیت پر جاتا تھا تو یہ میری راہ دیکھا کرتی اور تھوڑی سی دیر میں غم کے مارے مرجھا جاتی اور پھر جب میں اس کے پاس آتا تو مجھے دیکھ کر کھِل جاتی ۔ کبھی اپنے دل میں یہ کہتا کہ ھائے ! یہ وھی من سکھی ھے کہ جب میں سجان سنگھ کے طعنے سن کر جنگل

میں جا کر رویا اور پھر اس سے ملنے گیا تو چیخ مار کر بولی ''جو تو جائے ہے تو مجھے تھوڑا سا بس دیتا جا !''

اس طرح کی باتوں نے سندر سنگھ کو ایک غم کا پتلا بنا رکھا تھا اور اس کے دل پر ایک سانپ سا لوٹ رہا تھا - آخرکار وہ اپنا منہ ڈھانپ کر بے اختیار رو پڑا اور زمین پر گر کر من سکھی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا '' ہائے میں تجھے اس واسطے چھوڑ کر گیا تھا کہ یہ دن دیکھوں - جو میں یہاں رہتا تو تیرا یہ حال کاھے کو ہوتا - وہ کون سی بری گھڑی تھی جب میں یہاں سے گیا - اب ذرا آنکھ کھول اور دیکھ تیرا سندر سنگھ آ گیا اور اب تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا پر تو اسے چھوڑ کر چلی ''۔

جب سندر سنگھ نے یہ گفتگو کی ، من سکھی نے آنکھیں کھول دیں اور ٹھنڈی سانس بھر کر سندر سنگھ کی طرف دیکھا اور سر کو ادھر ادھر ہلا کر اپنا ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیا اور کہا '' میں تو گھنے دن سے تیری باٹ دیکھ رہی تھی - اب مجھے مر جانے کا تو کچھ فکر نہیں ھے ، پر یہ سوچ تھا کہ تیرے ملے بدوں مر جاؤں گی - سو بھگوان نے تجھے بھی بھیج دیا ''۔

سندر سنگھ نے کہا '' ایسی بات مت کہ - تیرے اس بات کے کہنے سے میری جان نکل جائے ھے - اب تجھ کو جلدی آرام ہو جائے گا ''۔

یہ سن کر من سکھی نے کہا '' تو کیوں چنتا کرے ھے - تھوڑے دن پیچھے تیرا بیاہ ہو جائے گا اور سارا دکھ جاتا رھے گا - پر بچاری من سکھی کہاں ؟''

سندر سنگھ نے کہا '' نہیں پیاری تو کبھی نہیں مرے گی - مریں تیرے دشمن ! اور بھگوان نہ کرے جو ایسی بات ہوتی تو میں اس جہان میں رہ کر کیا کروں گا - بس یہ ہوگا کہ تیرے ساتھ ھی مر جاؤں گا - دیکھ اب تو بھگوان نے دن بھی پھیر دیے ھیں -

سجان سنگھ جو پہلے طعنے دیا کرتا تھا ، اب موم ہو گیا ہے اور بڑی خوشامد کرے ہے اور روپے بھی ہمارے ہاتھ گھنے سے لگے ہیں - اب میں تیرے پاس سے پل بھر کو نہیں ٹلوں گا اور تجھے اپنی جان کے برابر رکھوں گا ''۔

یہ بات سن کر من سکھی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگی '' جو میں جیتی رہتی تو تو بھی دیکھتا پریت کیسی ہوئے ہے - پر میری زندگی مت سمجھیو میں تو دھرتی پر یوں ہی آئی اور یوں ہی چلی - جب بالک تھی تو ماں باپ مر گئے اور جب بڑی ہوئی اور تجھ سے ملی تو یہ سمجھتی تھی کہ اس جگت میں آنے کا پھل مل گیا پر رام چاہے سو کرے - یہ بھی بڑی بات ہے کہ تیرے ہاتھ سے مٹّی تو ٹھکانے لگ جائے گی ''۔

پھر من سکھی نے سندر سنگھ کا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور چپ چاپ آنکھیں بند کیے ہوئے پڑی رہی - جب اس طرح پڑے ہوئے تھوڑی سی دیر ہو گئی اور سندر سنگھ نے اس کے جسم میں کچھ حرکت نہ پائی اور نہ سانس آتا جاتا دیکھا تو گھبرا کر اسے پکارنے لگا اور بہت سی قسمیں دلائیں مگر کچھ جواب نہ پایا - تب تو بے قرار ہو کر اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیے اور ایکبارگی چلّا اٹھا '' لوگو ! میں لٹ گیا ''۔

یہ سن کر سجان سنگھ ، گیان چند ، چندر کور اور پاربتی کی ماں سب وہاں چلے گئے - پاربتی نے بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا مگر اس کی ماں نے یہ اندیشہ کیا کہ ایسا نہ ہو مُردے کے پاس جانے سے اس کو کچھ ہو جائے اور یہ سوچ کر اس سے کہا '' تُو سوھن کو لیے بیٹھی رہ ''۔

جب عورتوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ من سکھی مر گئی ، تو انھوں نے جلدی سے اس کے منہ میں تھوڑا سا سونا اور گنگا جل ڈال دیا کیوں کہ ہندوؤں کے اعتقاد میں اس عمل کے کرنے سے مردہ سیدھا سُرگ کو چلا جاتا ہے -

عورتوں کا وھاں جانا تھا اور رونا پیٹنا مچنا تھا ۔ سندر سنگھ وھاں سے اُٹھ کر ایک طرف جا بیٹھا اور ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا ۔ جب سب کو روتے روتے گھنٹا بھر ھو گیا تو گیان چند نے کہا ”روؤگے تو ساری عمر، پر اس کی مٹی تو ٹھکانے لگاؤ ۔ گنگا یہاں سے دُور ھے، سورج کے چھپنے سے پہلے اس کو پھُونکنا چاھیے“۔

یہ کہ کر ایک قصبے میں جو پڑاؤ کے قریب تھا گیا اور چُنری، کھاروا، تین بانس، ایک پُولا، سُتلی، رولی، کلاوہ، مینڈھی، چُوڑی، مسّی، کاجل، کُشا، ایک کوری ٹھلیا، جَو کا آٹا، تل، دھوتی، انگوچھا اور ضروری چیزیں خرید کر لایا اور اپنے ساتھ ایک اچارج کو بھی لیتا آیا ۔ وھاں آ کر بانسوں کی ارتھی بنائی اور اس کے اُوپر پولا بچھا کر لال کپڑا ڈال دیا ۔ پھر اھیر پور کے ایک نائی کو جو گنگا کے اشنان کو آیا تھا، پڑاؤ میں سے بُلوا کر سندر سنگھ کو نہلوایا ۔ اس نے نہا دھو کر دھوتی بدلی اور اپنے کندھے پر انگوچھا رکھ کر کوری ٹھلیا پانی سے بھر کر لاش کے نہلانے کو لے گیا ۔ عورتوں نے وہ ٹھلیا اس سے لے لی اور لاش کو نہلا کر نیا جوڑا پہنایا ۔ آنکھوں میں سُرمہ، دانتوں میں مسّی لگائی ۔ سر میں تیل ڈال کر بال گوندھے، ھاتھوں میں چوڑیاں پہنائیں اور ساری رسمیں جو سہاگن عورت کے مرنے پر کی جاتی ھیں، ان عورتیں نے پوری کیں ۔ اس کے بعد لاش کو ارتھی پر لٹا دیا ۔ پھر اس کے اوپر چُنری ڈال کر سُتلی اور کلاوے سے باندھ دیا اور پان رولی اور پھول چُنری کے اُوپر رکھے ۔

جب یہ رسمیں ھو چکیں تو اچارج نے سندر سنگھ کو لاش کے دائیں طرف بٹھا کر ایک پنڈ دان کرایا اور پھر سارے مرد جو وھاں موجود تھے، لاش کو اُٹھا کر ”رام رام ست ھیں“ کہتے ھوئے وھاں سے لے چلے ۔

تھوڑی ھی دور گئے تھے کہ انھوں نے لاش کو ایک ڈولی میں جو گیان چند مشر وھیں پاس کے قصبے سے کرایے کو کر لایا تھا،

۳۷۴۴۹

رکھ دیا اور سب کے سب ڈولی کے ساتھ ہو لیے ۔ گیان چند نے اچارج کو کچھ دے کر رخصت کر دیا اور نائی سے کہا " بھائی تو بھی جا "۔

جب سارے مرد لاش کو پھونکنے چلے تو گیان چند کی بیوی دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پوچھنے لگی " تم کب تک پھر آؤ گے ؟"

گیان چند بولا " پندرہ دن پیچھے کریا کرم کرا کر آویں گے "۔

اس کی بیوی نے کہا " بھلا ہم اکیلے کیوں کر جائیں گے ؟ جہاں تک ہو سکے ۔ تم چھورے کو لے کر آج ہی آ جانا ۔ وہ کریا کرم گاؤں میں جا کر کر لے گا "۔

گیان چند بولا " اچھا تم آج پھر رات تک یہیں ٹھہری رہو ۔ ہم اس وقت تک آ جائیں گے "۔

جب مرد لاش کو لے کر وہاں سے چلے گئے تو عورتیں بھی روتی پیٹتی ایک کنوئیں پر گئیں اور نہا دھو کر پھر چھکڑے پر آ گئیں اور اس روز تمام دن کچھ کھانا نہ کھایا ۔

ادھر سجان سنگھ اور اور لوگ جب گنگا پر پہنچے تو پہلے لاش کو ارتھی سمیت گنگا میں نہلایا ۔ پھر پانچ چھ من لکڑیاں خریدیں اور ایک اچارج کو بلایا ۔ اس نے آتے ہی لمبی لمبی لکڑیاں بچھا دیں اور سرھانا کچھ اونچا رکھا ۔ پھر سندر سنگھ سے پنڈ دان کرا کر لاش کو لکڑیوں پر رکھ دیا اور اس کے اوپر سے چُنری اتار کر آپ لے لی ۔ اس کے بعد لاش کا منہ کھول کر اسے سورج کے درشن کرائے ۔ پھر سب طرف لکڑیاں چُن دیں اور ایک پُولے میں آگ رکھ کر سندر سنگھ کو دے کر کہا " چتا کے چاروں طرف پھر کر یہ پُولا لکڑیوں میں رکھ دے "۔

اس بیچارے نے اچارج کے کہنے پر عمل کیا ۔ جب لکڑیوں میں کچھ آگ سلگ گئی اور وہ سلگنے لگیں تو اچارج نے سندر سنگھ کو ایک صندل کی ڈلی دی اور کہا " چتا کی پرکرما کر کے اس کو آگ میں ڈال دے "۔

اس کے بعد اور پانچ دفعہ اس سے یہی عمل کرایا ۔ جب من سکھی کی کھوپری خوب گرم ھو گئی تو اچارج نے سندر سنگھ کو ایک بانس دیا اور کہا '' اس بانس سے کرپال کریا کر ''۔

پھر اس کے ھاتھ میں ایک آبخورہ گھی کا بھرا ھوا دے کر کہا '' اس گھی کو کھوپری پر ڈال دو ''۔

جو جو اچارج کہتا گیا ، وھی سندر سنگھ کرتا گیا ۔

جب لاش جل کر راکھ ھو گئی تو سندر سنگھ نے ساری راکھ اور ھڈیاں اٹھا کر گنگا میں ڈال دیں اور پھر سب کے سب لوگ گنگا میں اتر پڑے ۔

جب سندر سنگھ ایک غوطہ لگا چکا تو گیان چند نے اس کے ھاتھوں میں پانی اور تل دیے ۔ پھر زبان سے کچھ پڑھ کر کہا '' اسے گنگا میں ڈال دے '' اور جو عبارت اس نے پڑھی اس کا ترجمہ یہ ھے ترجمہ : اے من سکھی ! تجھے آگ کے بھڑکنے سے جو گرمی پہنچی ھے وہ اس پانی سے ٹھنڈی ھو۔

اس کے بعد سب نے نہا دھو کر اپنی اپنی دھوتیاں بدلیں اور اچارج کو پیسے دے کر رخصت کیا اور آپ تو تھکے ھی ھوئے تھے ، گنگا کے کنارے پر بیٹھ کر کپڑے سکھانے لگے ۔

اتنے میں دو چار برھمن وھاں کے رھنے والے آئے اور انھیں اداس بیٹھا دیکھ کر پوچھنے لگے '' کہو چودھری ! تم کہاں کے رھنے والے ھو اور یہاں کیسے آنا ھوا ؟ ''

سجان سنگھ نے کہا '' مہاراج کیا کہیے ؟ کل یہاں سے خوشی خوشی گنگا نہا کر گئے تھے ۔ آج پھر اپنی بھتیجی کو پھونکنے آئے ''۔

برھمن یہ سن کر بولے '' شو شو شو ۔ چودھری جی اس کو رستے میں کیا ھو گیا تھا ؟ کیا وہ کچھ ماندی تھی؟ ''

سجان سنگھ نے آہ سرد بھر کر کہا '' مہاراج ! کچھ ماندی تھی نہ ساندی تھی ، کرموں کی ماندی تھی ۔ ایک چنڈال فقیر سے پالا پڑ گیا تھا ، سو اس نے ھم کو یہ چلتر دکھایا ''۔

یہ کہ کر تمام ماجرا ان برھمنوں کے روبرو بیان کیا - برھمنوں نے سن کر کہا "چودھری جی ! بڑے چوکے - ہم تو پہلے ھی جانیں تھے ، وہ بڑا پاکھنڈی ھے - ھاں سچ ھے ، اس نے یہاں بھی دیبی نکالی تھی اور دو چار اور برھمن بھی اس کے ساتھی تھے - پان سو چار سو روپیہ جو دیبی پر چڑھا تھا ، لے کر اس دیبی کو برھمنوں کے حوالے کر گیا - کل شام ھم کو جو کچھ سندیہ ھوا تو ھم یہاں آئے اور اس کا کھوج لگانا چاھا ، پر ان برھمنوں نے ھم کو اپنے بنگلے میں پیر بھی نہ رکھنے دیا - تکرار ھوتے ھوتے ھاتھا پائی ھونے لگی - ھم نے ان کو مار کر بھگا دیا - پھر جو دیکھا تو معلوم ھوا کہ انھوں نے اس جگہ سے دیبی نکالی تھی - زمین کے نیچے ایک بڑا برتن چنوں سے بھر رکھا ھے اور اس برتن میں ایک نلی لگی ھوئی ھے - ھم نے اس نلی کا جو کھوج لگایا تو دیکھا اس کا دوسرا سرا ان کے بنگلے میں تھا - ھم اس بات کا مطلب سوچنے لگے کہ اتنے میں نلی کے پاس ایک پانی کا گھڑا رکھا ھوا دکھائی دیا - اس سے ھم جان گئے کہ کوئی بنگلے کے اندر اس نلی میں پانی ڈالتا تھا اور اس پانی سے چنے جب پھولے تو وہ مورت جو ان پر رکھی تھی ، اوپر کو اٹھی اور زمین تو ریتلی ھی تھی ، مورت بہت جلدی سے اٹھ آئی - جب یہ حال ھم کو معلوم ھو گیا تو وہ برھمن بھاگ گئے - نہیں تو ان کی خوب پرتشٹھا[1] بھنگ ھوتی - بھگوان جانے یہ کون لوگ تھے - شاید مینے یا باوریے کی قوم سے ھوں گے - سچ کہا ھے ، پسی ھوئی دوا اور منڈے ھوئے جوگی کا کچھ حال معلوم نہیں ھوتا -

یہ بیچارے چپکے بیٹھے ھوئے ان کی باتیں سنا کیے - سجان سنگھ ان سے باتیں کرتا جاتا تھا اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ ھائے ! بڑی دغا دے گیا - تھوڑی دیر بعد سب کے سب وھاں سے چلے گئے اور پھر رات گئے پڑاؤ پر پہنچے - وھاں آ کر گیان چند کے سمجھانے سے سب نے کچھ کچھ کھانا کھایا -

---

۱ - پرتشٹھا کے معنی شہرت اور عزت کے ھیں اور بھنگ ھونے سے ٹوٹ جانا مراد ھے -

رات بھر چھکڑوں میں پڑے رہے اور سوھن کو جو جی‌جی کہ کہ کر روتا تھا ، پیار کرتے رہے ۔ دوسرے روز صبح ہوتے ھی اپنے گاؤں کی طرف چلے ؛ رستے میں سجان سنگھ نے کسی منشی کو ایک آنے کے پیسے دے کر سندر سنگھ کی طرف سے اس کے کپتان کے نام اس مضمون کی ایک عرضی لکھوائی کہ مجھے پندرہ دن کی رخصت میری بیوی کے کریا کرم کے واسطے مل جائے ۔

جب گاؤں میں پہنچے تو عورتیں چھکڑوں میں سے اترتے ھی رونے لگیں ، گاؤں کی اور عورتیں بھی یہ حال سنتے ھی ماتم پرسی کو آئیں ۔ چندر کور ان کے ساتھ بیٹھ کر خوب روئی اور سب عورتوں نے اپنا اپنا منہ ڈھانپ کر نوحے کا یہ راگ گایا ۔

راگ	ترجمہ اور مطلب
بھوگن بھوگن کیا کرے آ بیٹھا سر کال ۔	دنیا کی لذت کا کیا ذکر کرتا ہے ؟ اب سر پر موت آھی گئی ۔
کال نہ دیکھا آوتا ، دس دن مانگے دے ۔	موت آتی ہوئی سجھائی نہ دی ، اب دس دن کی مہلت مانگتا ہے ۔
مانگا وسڑا نہ ملے ، آ بیٹھا سر کال ۔	اب دس دن کی مہلت کب ملتی ہے ، موت تو آ ھی گئی ۔
ھر ھر کرتے لے گئے بندرا بن کے گھاٹ ۔	ھر ھر کرتے بندرابن کے گھاٹ پر لے گئے ۔
بندرا بن کی گوپیان وہ بھی رؤن کریں ۔	اس حادثے کو دیکھ کر بندرابن کی گوپیاں بھی رونے لگیں ۔
تم کیوں روؤ بندرا بن کی گوپیو ، آنپڑے گھر جاؤ ۔	بندرابن کی گوپیو ! تم کیوں روتی ھو! اپنے گھر جاؤ ۔
رؤن کرے تیرے سر کا صاحب ، سردھنے سردھن کرے پکار ۔	تیرا خاوند سر دھن دھن کر یہ پکارتا ہے ۔

راگی	ترجمہ اور مطلب
میری پکار نہ لگی میرے گھر کی سوبھا ! تیری لگی پکار -	اے میرے گھر کی رونق ! مجھے کسی نے نہ بلایا ، تجھے بلا لیا -
انھیں گاؤں کے گوردے سوتی چادر تان -	انھیں گاؤں کی حد میں چادر تانے ہوئے سوتی (اگر موت نہ آتی) -
آئی ندی پہاڑ کی تجھے لے گئی بہائے -	پہاڑ کی ندی آئی اور تجھے بہا کر لے گئی -
ھاڈ جلیں جوں لاکڑی ، کیس جلیں جوں گھاس -	لکڑیوں کی طرح ھڈیاں جلتی ھیں، گھاس کی طرح بال -
تیری کنچن کایا یوں جلے تیرے کوئی نہ آوے پاس -	تیرا سنہری بدن یوں جلا جاتا ھے ، اور کوئی پاس نہیں پھٹکتا -
موت ھرایا راؤ گھر نردھنیا دہنی ہوئے -	موت نے راجاؤں کے خاندانوں کو بھی ھرا دیا -
اجڑ کھیڑا پھر بسے میرا نہ آیا کرے -	یہ ممکن ھے کہ غریب دولتمند اور اجڑا ھوا گاؤں آباد ھو جائے ، مگر مرا ھوا پھر کر نہیں آ سکتا -
کیا تجھے آئی نیندڑی ؟ کیا جوانی کا جوش ؟	کیا تجھے نیند آئی یا جوانی کا جوش ؟
نہ تجھے آئی نیندڑی نہ جوانی کا جوش -	نہ تجھے نیند آئی نہ جوانی کا جوش -
پالکی آئی عرش کی ساتھ ھی آئے کہار -	کہار عرش کی پالکی لے کر آئے -
کیوں کر اکھیاں پھیریاں کیوں کر نجھے پران ؟	آنکھیں کیوں کر پھیریں اور جان کسی طرح نکلی ؟
لہ لہ انکھیاں پھیریاں جھٹ دے تجھے پران -	ٹھہر ٹھہر کر آنکھیں پھیریں اور جان جھٹ نکل گئی -
نہ تیں کھاۓ نہ تیں بلسا گئی بلکتی چھوڑ -	نہ تو تو نے کچھ کھایا اور نہ کچھ خوشی کی ، حسرت ھی میں سب چیزیں چھوڑ کر چلی گئی -

راگ	ترجمہ اور مطلب
پیچھا پھیر نہ دیکھا ، چھیلا کی گوری پیچھے پڑی پکار -	اپنے چھیلا کی پیاری ! پیچھے پھر کر نہ دیکھا ، آخر پیچھے پکار پڑی -
آج بسیرا نیڑے ، کل پرائے دیس -	آج مقام قریب ہے کل بیگانے ملک میں -
پار بسیں گے پاروا ، تو بس اپنے دیس -	پار کے رہنے والے پار رہینگے تو یہیں رہ -
خاک گرد میں میری بیگم مل گئی اور بول سمندروں پار -	میری بیگم کا جسم تو خاک میں مل گیا اور روح سمندر کے پار چلی گئی -
جس دساور تو گئی ، وہ دساور بتا -	جس ملک میں تو گئی ہے وہ ملک ہمیں بھی بتا -

عورتیں یہ راگ گا کر رو ہی رہی تھیں کہ سجان سنگھ کے پاس بھی بہت سے مرد آ کر جمع ہو گئے اور تسلّی کی باتیں کرنے لگے - کوئی کہتا تھا ''صاحب ! کیا کہو ؟ چھوری من سکھی سے تو گاؤں میں بڑی رول چول رہے تھی''-

ایک بولا ''جب سے یہ بات سنی تھی ، جی کہے تھا کہ تو بھی گنگا جی چل ، پر لوگوں نے آ کر کہا 'سجان سنگھ آپ ہی آوے ہے' چودھری ! یہ چھینک بھی خالی نہیں جاتی - جب تم چلے تھے تو تمھارے سامنے سے چھینک ہوئی تھی - ہم تو اسی دن کہیں تھے 'بھگوان ان کو خیر سے لاوے''-

گیان چند بھی وہاں موجود تھا ، اس نے ان سے کہا ''بھائی ! جو کچھ ہونا تھا سو ہوا ، اس میں کسی کا بس نہیں ہے ؛ پر چھوری من سکھی بھاگوان تھی - دیکھو اس کی مرت کہاں پڑی - یہ بڑی بات ہے کہ وہ سیدھی سرگ کو گئی - مرنا ہم تم سب کو ہے ، کسی کو آگے کسی کو پیچھے''-

جب سب آدمی رخصت ہو گئے تو گیان چند اسی روز شام کے وقت سندر سنگھ کو مرگھٹ میں لے گیا اور پانی کی بھری ہوئی ایک ٹھلیا کسی پیپل کے درخت میں لٹکوا آیا ۔ اس ٹھلیا میں نیچے کی طرف ایک سوراخ تھا ، اس میں کُشا کا ایک تنکا لگا ہوا تھا اور اس تنکے پر سے پانی ٹپکتا تھا ۔ دس روز تک سندر سنگھ نے جوتا نہ پہنا اور کمبل کے سوا اور کسی چیز پر نہ سویا ۔ ہر روز صبح و شام ننگے پاؤں مرگھٹ میں جاتا اور اس ٹھلیا کو پانی سے بھر آتا ۔ دسویں روز اچارج نے آ کر دس پنڈ دان کرائے اور پانچ رس یعنی گڑ ، گھی ، تیل ، روئی اور نمک پنڈوں پر چڑھائے ، پھر سب آدمی مل کر ایک تالاب پر گئے اور نہا دھو کر اپنے گھر آئے ۔ وہاں سے آ کر آٹھ آنے نقد اور مٹھائی اور عورت کے پہننے کے تمام کپڑے اور ایک چارپائی اور لحاف توشک اور بہت سی چیزیں اچارج کو دیں اور تیرھویں کے روز تیرہ برھمنوں کو جا دیا ۔

جب سندر سنگھ کریا کرم سے فارغ ہوا تو اس نے سجان سنگھ سے اپنے رسالے میں جانے کی اجازت چاہی ۔ سجان سنگھ نے کہا ”بیٹا ! اب تو یہاں رہو ، رسالے میں جا کر کیا کرے گا ؟ اب تو تُو من سکھی اور موھن سے زیادہ ہے ، جو تو بھی یہاں سے چلا گیا تو ہم کو بڑا دکھ ہوگا ۔ یہ سارا گھر بار تیرا ہی ہے ، جو تو چاہے سو کر“۔

سندر سنگھ نے کہا ”اس میں تو تم کچھ بھی نہ کہو اور مجھے یہاں سے جانے ہی دو ۔ میرا جی یہاں نہیں لگے ہے “۔

اتنے میں پاربتی بھی آ گئی اور دیر تک یہ باتیں سُنتی رہی ، پھر کہا ”جیجا ! ادھر آ ، میں تجھ سے ایک بات کہوں“۔

سندر سنگھ اٹھ کر اس کی طرف چلا گیا ۔ وہ بولی ، ”اب جیجا ! تو یہاں سے کیوں جائے ہے ؟ رسالے میں جا کر کیا کرے گا ؟ تُو تو یہیں کھیتی کیاری کیا کر یا اپنے باپو کے گھر جا رہیو“۔

سندر سنگھ نے کہا ”واہ تُو تو جان بوجھ ایسی باتیں کہے ہے ، بھلا اب جی کر کیا کروں گا ؟“

پھر پاربتی نے کہا ''جیجا ! ایسی بات نہیں کہیں ہیں۔ اب تو تیرے پاس گھنے روپے ہیں اور تیرے ماں باپ بھی تیرے لیے روتے ہوں گے ۔ اب جا اور ماں کو سکھ دے ، دیکھ اُن کی آہ مت لے''۔

یہ سن کر سندر سنگھ نے کہا ''میں تجھے کہاں تک سمجھاؤں ۔ تُو تو جانے ہے مجھ کو تیری بہن سے کیسی پریت تھی ، میرا جینا تو اس کے ساتھ تھا ، اب بھگوان نے اُسے اُٹھا لیا ''۔

بس اتنا ھی کہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پھر رو کر کہنے لگا ''پاربتی میں کیا کروں ؟ میرا دل میرے بس میں نہیں ھے ۔ تیری بہن کی صورت آٹھ پہر میرے من میں بسی رھے ھے ، مجھے نہ دن کو چین ھے نہ رات کو نیند اور اس گاؤں میں جس چیز کو میں دیکھتا ہوں ، مجھے سب اس کی یاد دلاویں ھیں ۔ اس بن سارا جگت اُجاڑ دکھائی دے ھے''۔

ھر چند پاربتی نے اس کی تشفّی کی مگر اس نے ایک نہ سنی اور دوسرے روز صبح کے وقت گٹھڑی مٹھڑی باندھ ، چلنے کو تیار ھوا اور چلتے وقت موھن کو گود میں اُٹھا کر پیار کیا اور ایک روپیہ اس کے ھاتھ پر رکھ کر کہا ''جو تجھے جان کے برابر رکھے تھی وہ تو مر گئی ۔ اب تو اُسے اور مجھے یاد رکھیو'' اور پھر پاربتی کو بلا کر کہا ''لے رام رام پاربتی ! جیسی پریت تیں نے اس کے ساتھ کی اور جیسی تیں نے میری دھیر بندھائی بھگوان تجھے راضی رکھے ۔ اب ھمارا تیرا ملنا نہیں ھوئے گا ۔ جہاں تُو اُسے یاد کرے وھاں مجھے بھی یاد کر لیجو ۔ اب میرے جینے کا بھی کچھ بھروسا نہیں ھے''۔

یہ کہ کر گھر سے باھر آیا اور گھوڑے پر سوار ھو کر گیان چند سے پالاگن اور سب سے رام رام کہ کر گاؤں سے نکلا ۔ پھر اھیر پور پر جہاں ایسے دکھ اُٹھائے تھے ، آخر نظر ڈال کر اپنے رسالے میں چلا گیا اور وھاں رات دن من سکھی کے خیال میں رھا اور انجام کار اسی غم میں گھل گھل کر مر گیا ۔

چوتھا باب

خوشحالچند اور ہیرا - دولت رام اور مونگا - کروڑی مل اور گنگی کا قصہ

جو عبارت مصنّف نے اپنے محاورے کے موافق لکھی ہے اُس کے پہلے م ہے اور جو غیر کی گفتگو کے مطابق لکھی ہے، اُس کے شروع میں غ ہے [1]۔

کہتے ہیں کہ شہر دہلی میں ایک بنیا نہال چند نامی تھا۔ وہ اور اس کا بیٹا خوشحال چند دونوں مل کر گزارہ کرتے تھے اور مفلسی کے ہاتھ سے اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ ایک وقت کی روٹی بھی اُنھیں بڑی مشکل سے میسّر آتی تھی۔ خوشحال چند کی بیوی ہیرا کے پاس زیور کا تو کیا ذکر ہے، نام کو تانبے کا چھلّا بھی نہ تھا۔ اس کا لڑکا دولت رام گلیوں میں اس طرح پھرا کرتا تھا جیسے کسی فقیر کا لڑکا ہوتا ہے اور گھر کا یہ حال تھا کہ قید خانے کی کوٹھڑی بھی اس سے بہتر ہوتی ہے؛ یہ مکان جس میں ایک چھوٹا سا دالان اور اُس کے اندر ایک کوٹھڑی تھی، آٹھ آنے کرائے کو لے رکھا تھا اور اس میں بڑی دقّت سے گزارہ ہوتا تھا۔

نہال چند بڑھاپے کے سبب سے اس قدر نا طاقت ہو گیا تھا کہ اس سے کسی طرح کی محنت نہ ہو سکتی تھی مگر پھر بھی ہمّت کر کے

---

۱ - اس ایڈیشن کے ایڈیٹنگ میں م اور غ کی علامتوں کو اس خیال سے حذف کیا گیا ہے کہ ان سے مطالعے کی روانی میں خلل پڑتا ہے۔

ھر روز صبح کے وقت لاٹھی لے، جمنا جی پر جاتا ۔ وھاں ھمیشہ مردوں اور عورتوں کا ایک جمگھٹا لگا رھتا ھے؛ یہ بھی اُن سے باتوں میں مشغول ھو جاتا، پھر کپڑے اُتار ڈبکی لگا، سورج کو جل چڑھاتا اور جپ کرتا ۔ وھاں بعض آدمی اس سے کہتے ''نہال چند جی! تم جمنا جی کا کبھی ناغہ نہیں کرتے، چاھو مینہ برسو، چاھو آندھی چلو، جاڑا، گرمی سب یکساں ھے، تم کو ضرور جمنا جی تار دیں گی''۔

وہ اُس کے جواب میں کہتا ''مہاراج ھماری کیا سامرتھ ھے، یہ تو کچھ جمنا جی ھی کی کرپا ھے، جو روز اپنے درشن دے دیں ھیں''۔

وہ کہتے ''ھاں صاحب! اگلے وقت کے آدمیوں کی اگلی ھی سی باتیں ھیں ۔ شابش[1] ھے آپ کو جو اس عمر میں چلے آؤ ھو!''

خوشحال چند کا یہ معمول تھا کہ ھر روز صبح اُٹھتا اور لوٹا ڈوری لے کنوئیں پر جاتا، دو چار لوٹے کھینچ اپنے اُوپر ڈال لیتا، پھر سارا بدن بھیگتا یا نہ بھیگتا مگر وہ دھوتی بدل کر کچھ پوجا کرتا اور سورج کو جل چڑھا، کنوئیں کے برابر شوالے پر جاتا؛ اوّل سب مورتوں پر تھوڑا تھوڑا سا پانی ڈالتا، پھر مہادیو جی کی مورت کے آگے ھاتھ جوڑ کر ھو بیٹھتا اور کہتا، ''ھے بھولے! ایسی کرپا کرو جو یہ دلدّر دور ھو''، پھر نہا دھو، اپنے گھر آتا اور کمری ٹوپی پہن کوڑی پیسوں کی تھیلی کندھے پر ڈال، بازار کو چلا جاتا اور حلوائیوں، پنواڑیوں اور دوکانداروں سے کوڑیاں پیسے لیتا اور صرّافوں کے ھاتھ کچھ کمی پر بیچ ڈالتا ۔ اس کام میں دو چار آنے روز اُس کے ھاتھ لگ جاتے، دوپہر کو پھرتا پھراتا اپنے گھر آتا ۔

اس عرصے میں اس کی بیوی بھی نہا دھو کر روٹی پکا رکھتی،

---

۱ ۔ صحیح لفظ شادباش ھے ۔ اس کا مختصر شاباش ھوا اور عوام نے بگاڑ کر شابش بنا لیا ۔

پہلے اپنے سسرے اور بیٹے کو کھلاتی اور پھر خوشحال چند کو دیتی ، جب وہ کھا پی کر بازار کو چلا جاتا تو آپ کھاتی -

ایک روز رات کے وقت خوشحال چند بازار سے اپنے گھر آ کر اداس سا ہو بیٹھا - نہال چند نے پوچھا ''کہو بیٹا ! آج سست کیوں ہو ؟''

وہ بولا ''لالہ جی کیا بتاؤں ، تمام دن پھرا ، کوڑی ہاتھ نہ آئی - بھگوان کیوں کر بیڑا پار کریں گے ، لڑکا بیاھنے کو بیٹھا ہے ، کوڑی پاس نہیں ، برادری میں ہمیں کون پوچھے ہے ؟ دولت والے کی سب خاطر کریں ہیں ، مفلس سے کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا کہ تو کدھر بستا ہے - دو چار آنے روز آ گئے تو کیا ہوا ، اس میں تو اچھی طرح پیٹ بھی نہیں بھرتا ''-

اس کا باپ بولا ''بھائی گھبرا مت ، بھگوان میں سب سامرتھ ہے ، جب وہ دینے پر آتے ہیں تو چھپّر پھاڑ کر دیتے ہیں - جو پہلے سے دن نہ رہے تو یہ کیا ہمیشہ رہیں گے ، بھگوان مہاراج مالک ہے''-

اس قسم کی باتیں تھوڑی دیر تک اُن میں ہوتی رہیں ، پھر خوشحال چند اور اُس کا بیٹا اور بیوی سب کے سب اندر کوٹھڑی میں جا سوئے اور نہال چند دالان میں زمین پر کپڑا بچھا کر پڑ رہا -

جب صبح ہوئی اور خوشحال چند معمول کے موافق کنوئیں پر گیا تو دیکھا کہ کوئی موٹا سا آدمی کنوئیں کی مینڈ پر کھڑا ہے ؛ ایک کہار پانی بھر کر اس کو نہلاتا جاتا ہے اور دوسرا اُس کا بدن مل رہا ہے - خوشحال چند تھوڑی دیر تک تو اُس کی طرف دیکھتا رہا مگر پھر دل میں کہنے لگا ''ہو نہ ہو یہ تو وہی آدمی ہے ، جو چار برس پہلے اس محّلے میں رہتا تھا اور دوالہ نکال کر یہاں سے بھاگ گیا تھا - اب تو اس کے بڑے امیری کے ٹھاٹھ ہیں، بھگوان جانے کہاں سے دولت لوٹ لایا ہے !''

آخر اس سے پوچھا ''کہو لالہ صاحب کہاں تھے؟''

اُس نے جواب دیا - ''بھائی میں انبالے میں کمسٹریٹ گماشتہ ہوں ، یہاں سے جا کر وہاں نوکر ہو گیا تھا - کہو تمھارے لالہ اچھے ہیں اور تم کیا کرتے ہو ؟''

خوشحال چند بولا ''تمھاری مہربانی سے سب اچھے ہیں - میں وہی کوڑی پیسوں کا بیوپار کرتا ہوں ، دو چار آنے روز ھاتھ آ جاتے ہیں ؛ پر اس میں کچھ اچھی طرح گذران نہیں ہوتی ، جو انبالے میں کوئی کام نکلے تو ہمیں بھی یاد رکھنا''۔

اُس نے کہا ''ہمارے ہاں کئی ڈنڈی دار درکار ہیں - جو تمھارا جی چاہے تو ہمارے ساتھ چلے چلو - سات روپیہ مہینہ تم کو ملے گا اور جو اوپر سے مل جائے وہ تمھارا بھاگ''۔

خوشحال چند بولا ''واہ مہاراج ! ایسی نوکری کہاں ملے ہے ؟ جو ایسا کرو تو جانے سات روپے مہینا اپنے پاس سے دو - دو روپے میں کھاؤں گا اور پانچ روپے مہینے کے مہینے گھر بھیجتا رہوں گا - بلا سے اگر کچھ فائدہ نہ ہوگا تو بھی اس کتّے خسی سے تو لاکھ درجے بہتر ہے'' -

گماشتے نے کہا ''تو بس تیار ہو جاؤ ، ہم پرسوں یہاں سے جائیں گے''۔

خوشحال چند کنوئیں پر سے نہا دھو اپنے گھر آیا اور اس امر کا منتظر رہا کہ کب لالہ جمنا جی سے آویں اور اُن سے یہ حال کہوں - اُس کی جورو نے جب دیکھا کہ وہ اس روز معمول کے موافق بازار نہیں گیا تو کہنے لگی ''آج تو بازار کیوں نہیں جاتا ؟ نٹھلا پھرتا پھرے ہے''۔

وہ بولا ''اب تو ہم انبالے جائیں گے ، یہاں اچھا روزگار نہیں ہوتا''۔

ھیرا نے کہا ''ہاں جانے چلا ہی تو ہے ، کہا باپ کی سوں !''

اتنے میں نہال چند جمنا جی سے بغل میں دھوتی مارے ہوئے آ پہنچا ۔ خوشحال چند نے ساری حقیقت اس کے روبرو بیان کی ۔ وہ بولا ''نہ بھائی میں باہر نہ بھیجوں ، روکھی سوکھی جیسی ملے ، اپنے کنبے میں بیٹھ کر کھائے ۔ بھلا تو وہاں جائے گا ، ہماری آتما یہاں کلپا کرے گی ۔ گھر میں تیرے سوا کوئی ایسا نہیں جو چار پیسے کا سودا بھی لا رکھے ۔ ہم کس کس کی خوشامد کیا کریں گے ؟ لڑکا تجھ بن کیوں کر رہے گا ؟ ہمارا دباؤ مانتا نہیں ، کچھ تو ابتر ہے ہی اور بھی ابتر ہو جائے گا ''۔

خوشحال چند نے کہا ''لالہ جی اب تو جانے ہی دو ، سات روپے میں تم کو دیے جاؤں ہوں اور پانچ روپے مہینے کے مہینے بھیجتا رہوں گا ''۔

اس کی جورو ہیرا چپکے سے بولی ''بھلا تجھے مجھ سے تو کچھ محبّت نہیں ہے ، پر اپنے بڈھے باپ کو چھوڑ کر کہاں جائے ہے''۔

وہ بولا ''عورت کی مت گدّی پیچھے ہوتی ہے ، تو نہیں جانتی ، سدّت پیچھے دن پھرے ہیں ، گھر آئی لچھمی کو لات مارنا اچھا نہیں ہوتا اور اس میں کیا ہے ، جو میں وہاں اپنا کچھ سوجھتا نہ دیکھوں گا تو پھر چلا آؤں گا ''۔

اس طرح کی باتیں بنا کر اُس نے اپنے باپ اور بیوی کو راضی کر لیا اور جب چلنے لگا تو اُس کے باپ نے ایک تھالی میں کچھ لڈّو ایک ناریل اور ایک روپیہ رکھ کر اول اُس کے ماتھے پر رولی سے ٹیکا لگایا اور پھر روپیہ اور ساری چیزیں اُس کے پلّے میں ڈال کر بولا ''بھگوان تیری کمائی میں برکت کرے اور جلد تیری صورت دکھاوے !''

یہ کہہ کر رخصت کیا اور خود بھی تھوڑی دُور تک پہنچانے گیا ۔

خوشحال چند نے چلتے وقت اپنے لڑکے کے ہاتھ پر ایک ٹکا رکھ

دیا اور کہا ، ''بھائی دیکھ ! جو لاله جی کہیں ، سو کریو اور گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتا نه پھریو ''۔

جب وہ انبالے پہنچا تو گُماشتے نے آسے پلٹن کے راشن[1] تولنے پر مقرّر کیا ، یہ هر روز پریٹ پر جاتا اور راشن تول کر چلا آتا ۔

کچھ دنوں تک تو ایمان داری سے کام کرتا رها ، پھر ایک روز اس گماشتے کے ایک نوکر نے جو بڑا چالاک تھا ، خوشحال چند سے کہا ''لاله جو اس طرح منه میں سونا[2] ڈال کر بیٹھو گے تو آئے کمسٹریٹ میں بھائی ! یہاں روز وارے نیارے ہوتے هیں ، سات روپلڑی[3] میں کیا هوتا ہے ؟ کیا ننگی نہائے گی کیا نچوڑے گی ؟ کیا کھاؤ گے اور کیا گھر بھیجو گے ؟''

خوشحال چند بولا ''بھائی ! جو تو بتاوے سو کریں''۔

نوکر نے کہا ''روز ایک پلٹن کا راشن بانٹنے جاؤ ہو ، جو هر ایک چیز میں سے تھوڑا تھوڑا بھی بچاؤ تو دو تین روپے کا مال بچ سکے ہے ۔ اس میں سے دو حصّے لاله کے سامنے لا رکھے ، ایک حصه آپ بچایا ۔ لاله دیکھ کر جدا خوش هو جائیں گے اور اپنا پیٹ بھی اچھی طرح بھرے گا ''۔

یہ بات سن کر خوشحال چند نے کہا ''بھائی ! یہ تو جوتیاں کھانے کے کام هیں ۔ جو کسی فرنگی نے پریٹ[4] پر کم تولتے هوئے

---

۱ - لشکر کی خوراک روزانه کو جو کمسڑیٹ سے دی جاتی هے ، انگریزی میں راشن (Ration) بولتے هیں -

COMMISERATE = Feel, Express Pity for
COMMISSARIAT = Dept of for Supply of Food

۲ - بعض هندو اپنے دانتوں میں اس خیال سے سونے کی کیلیں جڑواتے هیں که سونا پاک چیز هے ۔ اس کے منه میں رکھنے سے هم سیدھے سرگ کو چلے جائیں گے اور جب سونے کا یہ رتبه هوا تو آس کے منه میں ڈالنے سے اچھا عمل کرنا مراد هو گئی -

۳ - روپلڑی روپے کی تحقیر کے واسطے ایک لفظ بنا لیا هے ۔ ۔

۴ - یہ لفظ انگریزی هے اور اصل میں پریڈ (Parade) هے ۔ اور آس کے معنی یہ هیں ''قواعد کے واسطے فوج کا آراسته هو کر کھڑا هونا''۔ مگر رفته رفته اس لفظ کا اطلاق آس میدان پر بھی هو گیا جس پر پریڈ هوا کرتی هے -

دیکھ لیا تو بیتوں کے مارے کھال بھی بدن پر نہ چھوڑے گا - کوئی ایسی بات بتا جس میں سانپ[1] مرے نہ لاٹھی ٹوٹے "۔

نوکر نے کہا "بس اس سے اچھی بات کوئی نہیں ہے - ہم نے تو تیرے بھلے کی تجھ سے کہ دی ، آگے تجھے اختیار ہے - تیرا جی چاہے کر ، تیرا جی چاہے نہ کر "۔

خوشحال چند یہ بات سن کر چپکا ہو رہا اور دل میں کہنے لگا - "بات تو اچھی بتائی ہے - سچ ہے ، کمسٹریٹ میں کون ایسا ہے جو اوپر سے نہیں کھاتا ؟ سب کا یہی حال ہے ، نہیں تو یہ لالہ اتنے موٹے کیوں کر ہو جاتے ؟"

دوسرے روز اُس نے نوکر کے کہنے پر عمل کیا اور آٹھ آنے بچائے - پھر تو منہ کو لہو لگ گیا روز پلڑا جھکانے لگا - رفتہ رفتہ ٹھیکے والوں سے بھی کچھ ماہوار ٹھہر گیا - اُنھوں نے بھی خیال کیا کہ اگر چار پانچ روپے مہینا اُسے پہنچتا رہے گا تو یہ ہماری چیزیں پوری تول کر لے لیا کرے گا ، زیادہ نہیں مانگے گا - ایسی ایسی بے ایمانیوں سے ایک سال کے بعد اس کے پاس کھا پی کر دو سو روپے بچے اور کمسٹریٹ والا صاحب اس کے کام سے اس قدر خوش ہوا کہ اُسے گودام[2] گھر کا گماشتہ مقرر کر دیا - وہاں خوشحال چند نے وہ ہاتھ رنگے کہ دوسرے سال کے آخر میں چار ہزار روپے کمائے - کئی من کھانڈ غائب کر کے کہ دیا "بھیڑیں کھا گئیں اور اسی طرح اور بھی بہت سی چیزوں میں فریب کیا "۔

جب اُس کے پاس بہت سا روپیہ ہو گیا تو کئی دفعہ اپنی بیوی اور لڑکے کے واسطے اچھے اچھے کپڑے اور طرح طرح کے زیور بھیجے - برادری میں اُن کی خاطر ہونے لگی - بعض آدمیوں نے چاہا کہ اپنی

---

۱ - یہ مثل اس مقام پر بولی جاتی ہے جہاں مطلب حاصل ہو جائے ، نقصان ذرا بھی نہ ہو اور اُس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ سانپ مرجائے اور لاٹھی نہ ٹوٹنے پائے -

۲ - اس لفظ کی اصل ملک ملایا کی زبان سے متعلق ہے -

لڑکیوں کی سگائی دولت رام سے کر دیں - بہت سے نائی اپنے ججمانوں کی لڑکیوں کی پتریاں لے کر نہال چند کے پاس آئے مگر دولت رام کی پتری کسی کی پتری سے مطابق نہ ہوئی -

ایک دن ایک نائی کسی لڑکی کی پتری لے کر آیا اور نہال چند سے کہنے لگا "لو مہاراج ! آج میں ایک چھوری کی پتری لایا ہوں - چھوری کیا ہے ؟ گلاب کا پھول ہے اور تمھارے ہی گھر جوگ ہے ، پر اس کے ماں باپ غریب ہیں "۔

نہال چند نے کہا "بھائی ! اس سے کیا غرض ہے ؟ لڑکی اچھی چاہیے، کیا سمدھی کے دیے پوری پڑے ہے ؟ جو لڑکا لڑکی کے بھاگ اچھے ہوں گے تو آپ ہی اُن کے پاس دولت آ جائے گی - ہاں کوئی یہ نہ کہے کہ کس نیچ گھر کی لڑکی بیاہ لائے ہیں "۔

نائی بولا "مہاراج ! اس بات سے تو خاطر جمع رکھو - خاصے اگروال کی بیٹی ہے "۔

نہال چند نے کہا "اچھا پتری چھوڑ جاؤ ، ہم برہمن کو دکھا لیں" -

نائی پتری دے کر چلا گیا اور بیٹی والے سے جا کر کہا - "چھوری کی پتری ایسے گھر دے آیا ہوں ، بیٹھی راج کرے گی - لڑکا بھی اچھا ہے اور اُس کا دادا سگائی کرنے پر راضی ہے اور پتری بھی جڑی جڑائی ہے - پر اُس نے کہا ہے ، برہمن کو دکھا لیں - جو سگائی ہو گئی تو بتاؤ ، ہمیں کیا دو گے ؟"

وہ بولا "بھائی ! چھوری کی سگائی دس جگہ سے پھر چکی ہے - ہم چاہیں ہیں ، کسی اچھے گھر بیاہی جاوے اور یہ تو جانے ہی ہے ، جب سے اُس کے ماتا نکلی ہے کچھ آنکھ میں بھینگا پن ہو گیا ہے "۔

نائی نے کہا - "اجی تم اس بات سے تو خاطر جمع رکھو - جہاں میں سگائی کر آیا ، پھر نہیں سکتی "۔

بنیا بولا ۔ ”تو بس ہم بھی دس پانچ روپے سے منہ نہ موڑیں گے“۔

ہیرا نے جو اپنے رشتہ داروں میں اس لڑکی کا حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی آنکھ میں پھلّی ہے اور جب اس امر کا اسے یقین ہو گیا تو خوب چمکی اور آگ بگولا ہو کر نہال چند سے کہنے لگی ۔ ”لالہ جی ! جو اب کے وہ موا نائی آوے تو اس کی پتری اس کے سونڈ مارنا ، نپوتا دھوکے دیتا پھرے ہے ، لڑکی تو کانڑی ہے“۔

نائی کو تو ادھر کی لو لگی ہوئی تھی ، تھوڑے عرصے کے بعد پھر آیا ۔ نہال چند نے اسے بہت سی گالیاں دے کر کہا ”تجھے کس نے نائی بنایا ہے ؟ جو اس طرح ججمانوں کو دھوکا دیتا پھرے گا تو کوئی تجھے اپنی چوکھٹ پر پاؤں نہ رکھنے دے گا“۔

وہ نائی دھتکار کھا ، اپنا سا منہ لے چلا گیا اور پھر دولت رام کی نسبت سورج پور گاؤں کے ایک بنیے لچھمی داس کی بیٹی سونگا سے ٹھہری ۔

جب بیاہ کی تاریخ قریب آئی تو نہال چند نے خوشحال چند کو اس مضمون کی ایک چٹھی لکھی کہ لڑکے کا بیاہ منگسر میں قرار پایا ہے ، تمھیں چاہیے کہ رخصت لے کر جلد چلے آؤ اور بیاہ کر جاؤ ۔ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ بیاہ کا سامان کر سکیں اور لڑکا بھی بارہ برس کا ہو گیا ہے ۔ جو اب بیاہ نہ ہوگا تو کب ہوگا ۔

جب یہ چٹھی خوشحال چند کے پاس پہنچی تو اسے بڑا فکر ہوا اور دل میں خیال کرنے لگا کہ یہاں سے جاتا ہوں تو کام خراب ہوتا ہے ۔ آج تو حاکم مہربان ہے ، کل خدا جانے کیا ہو ۔ یہاں سے مہینا بھر غائب رہنے میں پانسو روپے کا نقصان ہے ۔ پھر سوچا کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو بیاہ کون کرے گا ؟ لالہ میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ چار برادری والوں کو بھی اکٹھا کریں ۔ آخرکار یہی بات اس کے دل پر جم گئی کہ کچھ ہی ہو ، دھلی چل کر لڑکے کا بیاہ ضرور کر آنا چاہیے ۔

یہ سوچ کر اُسی گماشتے کے پاس گیا ، جس کے ساتھ آیا تھا اور کہا " مہاراج ! آپ کی مہربانی سے میں آج تک ایسا رہا کہ تمام عمر آپ کو اسیس دیتا رہوں گا - اب آپ کے غلام کی شادی ہے جو صاحب سے کہہ کر ایک مہینے کی چھٹّی دلوا دو تو بڑی بات ہے اور اُس میں آپ کا بھی نام ہو گا "۔

گماشتے نے اُسے ایک مہینے کی رخصت دلوا دی اور خوشحال چند خوشی خوشی اپنے گھر روانہ ہوا ۔

جب دھلی پہنچا اور اپنے گھر گیا تو اُس کے باپ اور بیوی اور لڑکے نے بالکل نہ پہچانا ، کیوں کہ اب اس کی صورت نری کنگالوں کی سی نہ رھی تھی - کہاں وہ میلی سی دھوتی ، کمری اور ٹوپی اور کہاں چوڑیے کا پاجامہ جس میں پھڑکتا ہوا ریشم کا ازار بند اور مخمل کا انگرکھا اور اس پر دوشالہ اور سر پر سرخ پگڑی ؟

جب اس نے اپنے باپ کو لالہ جی کہہ کر پکارا اور اس کے پاؤں پر گر پڑا تو لالہ کو معلوم ہوا کہ یہ خوشحال چند ہے - آخر اُسے اُٹھا کر گلے لگایا اور نہایت خوش ہوا - ھیرا بھی اپنے خاوند کو دیکھ کر کِھل گئی اور دولت رام سے جو باپ کو دیکھ کر شرمایا جاتا تھا کہنے لگی " جا باپ کے پاس جا "۔

وہ خوشحال چند کی گود میں جا بیٹھا ، خوشحال چند نے پیار کر کے کہا " بیٹا ! ہم تمھارے واسطے بہت سی چیزیں لائے ہیں "۔

پھر رات کو خوشحال چند اپنے باپ سے گماشتے کے سلوک اور اپنے روپے کمانے کی تدبیروں کا بیان کرنے لگا - اس کا باپ بولا " میں تم سے پہلے ھی کہوں تھا کہ بھگوان کی بانھ بلند ہے - جب وہ اپنے دینے پر آویں ہیں تو چھپّر پھاڑ کر دیں ہیں اور سو ھی ہوا "۔

جب نہال چند کو باتیں کرتے کرتے نیند آ گئی ، تو ھیرا نے خوشحال چند سے پوچھا " کہو ھمارے لیے کیا لائے ہو؟"

اس نے پہلے تو اپنا صندوقچہ کھول کر ایک جوشن کی جوڑی

اور ایک چمپا کلی اس کے حوالے کی اور پھر گٹھڑی میں سے فیروزی رنگ کا چادر جوڑا دے کر کہا "جب برادری میں بیاہ کے بلاوے دینے جاوے تو اس کو اوڑھ جائیو۔ عزت کی چیز ہے"۔

آدھی رات تک دونوں میں ادھر ادھر کی بات چیت ہوتی رہی، پھر سب سو گئے۔

دوسرے روز سے بیاہ کی تیاری ہونی شروع ہوئی۔ جو عورتیں شادی میں اُن کے گھر آئیں، سب نے ھیرا سے کہا "بہن چھورے کا گونا بھی ابھی کر لیجو۔ بہو بھی سیانی ہے"۔

اس نے کہا "دیکھو جو سمدھی راضی ہوں گے تو ابھی ہو جائے گا"۔

جب بیاہ ہو چکا اور گونا کرنے میں بھی سمدھیوں نے کچھ تکرار نہ کی تو خوشحال چند نے گونا بھی کر دیا اور پھر رہنے کے واسطے ایک اچھا سا مکان کرایے کو لیا اور اپنے لڑکے کے لکھوانے پڑھوانے کی کچھ تدبیر کی۔

تھوڑے عرصے کے بعد انبالے کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی یہ خبر سنی کہ سکھوں نے ستلج پر فساد اُٹھا رکھا ہے اور وہ دریا کے پار اُتر کر سرکاری اونٹ لے جاتے ہیں اور اکیلے دُکیلے سپاہی کو بھی مار جاتے ہیں۔ خوشحال چند نے اپنے یار آشناؤں اور برادری کے لوگوں میں جو انبالے میں رہتے تھے، اس بات کا چرچا کیا۔ وہاں طرح طرح کی باتیں سنیں؛ کوئی کہتا تھا "بھائی! سکھ بگڑے بُرے۔ اب انگریزوں کا پاؤں جمنا مشکل ہے"۔ کوئی اس کے جواب میں کہتا "ارے میاں! کیا کہو ہو؟ انگریز بڑے راجا ہیں، ان کے سامنے کون پڑتا ہے؟ کہاں راجا بھوج اور کہاں کانگڑا تیلی! پون ان کے بس میں، جل ان کے بس میں، آگ ان کے بس میں؛ اُنھوں نے تو دیوتاؤں کو بھی بس میں کر لیا ہے، بھلا ان سے کوئی کیا لڑے گا"۔

دو چار روز تک یہ چرچا ہوتا رہا ۔ اس کے بعد سکھوں کے مقابلے کو انبالے سے فوج روانہ ہوئی اور خوشحال چند لشکر کی رسد رسانی کو بھیجا گیا ۔ جب سکھوں سے مقابلہ شروع ہوا اور دونوں طرف سے گولا چلنے لگا ، خوشحال چند کو حکم ہوا کہ وہ فوج کو راشن دے ۔ یہ سنتے ہی وہ ڈر کے دھل گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا اب تک تو خوب پھولی پھولی کھائی تھی ، پر اب جان ہی پر آ بنی ہے ۔ ہائے ! میں کہاں آ گیا ! یہاں سے جان بچا کر جانا بہت مشکل ہے ۔ جو ایک گولا آ لگا تو ٹکا سی جان جھٹ نکل جائے گی اور سارا روپیہ یوں ہی دھرا رہے گا ۔

اس اندیشے میں اُسے بخار چڑھ آیا ۔ گھر جانے کے واسطے بہتیرے ہاتھ پاؤں پیٹے ، مگر کمسٹریٹ والے صاحب کاہے کو جانے دیتے تھے ؟

جب چار پانچ روز گزر گئے اور اُسے توپوں کی آواز سُننے کی کچھ عادت بھی ہو گئی تو راشن بانٹنے کے واسطے جانے لگا ، مگر ایسے وقت میں بھی اُسے اپنے فائدے کا خیال نہ گیا ۔ مُردوں کا مال خریدتا رہا اور جہاں تک ہو سکا روپیہ جمع کرتا رہا ۔ سپاہیوں کا بھی یہ حال تھا کہ دشمن کی جو چیز ان کے ہاتھ لگتی اونے پونے گماشتے کے ہاتھ بیچ جاتے بلکہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ سونے کے تھال پیتل کے بھاؤ بک گئے ۔

لڑائی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ خوشحال چند کے پاس پچاس ہزار روپے سے زیادہ ہو گیا مگر لالچ بُری بلا ہے ۔ اس جان جوکھوں میں بھی روپیہ جمع کرنے کی خواہش دل سے نہ گئی ۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ راشن بانٹ رہا تھا اور کمسٹریٹ والا صاحب بھی اس کے پاس کھڑا تھا کہ یکایک صاحب کے ایک گولا آ لگا ۔ اسے ڈولی میں ڈال کر ہسپتال[1] میں لے گئے ۔

---

۱ ۔ یہ لفظ اصل میں ہوسپٹل (Hospital) ہے ۔

خوشحال چند یہ حال دیکھ کو بہت ڈرا اور روتا ہوا صاحب کی ڈولی کی طرف دوڑا گیا۔ وہ اسے دیکھ کر بولا "جاؤ! ول تم کیوں چلا آتا ہے! تم راشن کا بندوبست کرے گا۔ جو سپاہی کے پاس کھانا نہ ہوگا تو وہ کیوں کر لڑے گا؟"

خوشحال چند یہ بات سن کر الٹا چلا آیا اور راشن بانٹنے لگا۔

دوسرے روز وہ صاحب مر گیا اور اس کی جگہ ایک ایسا افسر مقرر ہوا جو کمسٹریٹ کے کام سے بالکل واقف نہ تھا اور دفتر کے کاغذوں سے بھی اسے کچھ اطلاع نہ تھی۔ خوشحال چند یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ایسے موقع کو غنیمت جان کر دفتر کے بابو سے کہنے لگا "بابو جی! کس نیند سؤ ہو، کوئی ایسی تدبیر نکالو جو اس جھگڑے سے چھوٹ جائیں اور تمام عمر گھر بیٹھے ہوئے مزے سے روٹیاں کھائیں۔ دیکھو پھر ایسا وقت ھاتھ نہیں آئے گا، ھاتھ ملتے رہ جاؤ گے"۔

بابو نے جواب دیا ھم ایک بات تم کو بولتا ھے۔ خبردار کسی سے نہ کہیے گا اور جو تم اس بات پر راضی ھو گیا تو یاد رکھنا بڑا دولت والا آدمی ھو جائے گا۔ اب کے جو انڈنٹ[1] آوے، اس کو ھم بدل دے گا اور تم سو من چیز لے کر ھزار من کے دام لگانا۔ اس میں جو ملے، آدھا ھمارا آدھا تمھارا۔ صاحب کو اس بات کا کچھ بھی خبر نہ ھوگا۔

خوشحال چند تو ایسی بات ڈھونڈھ ھی رھا تھا، جھٹ راضی ھو گیا اور بابو نے ایک انڈنٹ کیا کئی انڈنٹ بدل دیے۔

اس طرح بے ایمانی سے ایک لاکھ روپے سے زیادہ خوشحال چند کے ھاتھ آیا اور جب پنجاب کی لڑائی بالکل ختم ھو گئی تو وہ تین لاکھ روپے بلکہ اس سے بھی زیادہ لے کر اپنے گھر کو روانہ ھوا۔

---

۱ - انڈنٹ (Indent) انگریزی لفظ ھے - اور اشیائے مطلوبہ کی فہرست پر اس کا اطلاق آتا ھے -

وھاں آ کر سارا لڑائی کا حال اپنے باپ کے سامنے بیان کیا۔ نہال چند توپ گولوں کا ذکر سن کر بہت ڈرا اور خوشحال چند کو نوکری پر جانے سے منع کیا۔ وہ بھی اپنے باپ کے سمجھانے سے نوکری چھوڑ بیٹھا اور ساھوکاری کی دکان کھول، ھنڈی پرچے کا کارخانہ پھیلا دیا۔ پھر نہال چند سے کہا ''لالہ جی! اب تم وہ کام کرو جس میں تمھارا پرلوک سنورے۔ بھگوان کی دیا ھے، جو چاھو سو دان پن کرو، مندر بنواؤ، جو ھمیشہ کو نام چلا جائے''۔

نہال چند نے کئی مندر بنوائے اور برھمنوں کو بہت سا کچھ دان دیا۔ جاڑے کے موسم میں فقیروں کو کمبل بانٹتا، روز کتھا سنتا اور دیا دھرم میں بڑا دل لگاتا۔

خوشحال چند نے اپنے رھنے کے لیے ایک بڑا مکان بنوایا اور اُس کا ایک دروازہ بازار کی طرف اور دوسرا دروازہ گلی کی طرف رکھا۔ بازار کی طرف کے دروازے میں دونوں طرف دو صحنچیاں بنی ھوئی تھیں۔ ان میں نوکر رھتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحن کے دائیں طرف ایک دالان در دالان تھا اور اس دالان کے نیچے ایک تہ خانہ ایسا وسیع بنا ھوا تھا کہ گرمی کے موسم میں بہت سے آدمی وھاں آرام سے سو رھتے تھے۔ بائیں طرف ایک اکہرا دالان تھا، اُس میں نہال چند کا پلنگ بچھا رھتا تھا اور صحن میں ایک چمن اور چمن میں ایک فوّارہ دار حوض تھا۔ جب جیٹھ بیساکھ میں شدّت سے گرمی پڑتی تو یہ لوگ اس حوض کے کنارے پر بیٹھ کر فوّارے چھٹواتے اور بڑا لطف اُٹھاتے۔ دروازے کے سامنے دولت رام کے بیٹھنے کا ایک چھوٹا سا دالان بنا ھوا تھا اور اُس کے برابر محل سرائے کا دروازہ تھا۔

محل سرائے میں بائیں طرف دالان در دالان اور دائیں طرف رسوئی کا مکان تھا جس کے دروازوں میں جالی دار کواڑ لگے ھوئے تھے اور پانی کے برتن بھی سب اسی میں رھتے تھے۔ دُھرے دالان کی کوٹھڑیوں میں کھانے پینے کا سامان تھا اور اُس کے اُوپر ایک کمرہ بنا ھوا تھا، وھیں دولت رام سویا کرتا تھا۔

دیوان خانے کے دالان در دالان کی ایک بغلی کوٹھڑی میں ایک چہ بچّہ تھا ۔ اس میں خوشحال چند اپنا روپیہ رکھا کرتا تھا اور اس کوٹھڑی کے باہر اس کا منیب[1] اور کئی آدمی اپنا اپنا بستہ بچھا کر بیٹھتے تھے اور دروازے پر ایک آدمی ڈھال تلوار باندھے ہوئے ہر وقت موجود رہتا تھا ۔

جب یہ مکان بن کر تیار ہوا تھا تو ابھی اُس میں جا کر بسے بھی نہ تھے کہ نہال چند نے خوشحال چند سے کہا ''بھائی پہلے مہورت دکھا کر اس مکان کی جٹ[2] کر ڈالو ۔ جب دولت رام کا بیاہ ہوا تھا اُس وقت ہمارے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا جو ساری برادری کی دعوت کرتے ۔ اب بھگوان نے تمھیں بھاگ لگایا ہے ، کوئی بات جس کی کرنی چاہیے''۔

خوشحال چند نے اُس کے کہنے سے اول مکان میں ہوم[3] کرایا ، پھر کھانے پینے کا سامان تیار کرا کر برھمنوں کو جمایا ۔ سب برھمن برابر برابر قطار باندھ کر ہو بیٹھے ۔ پھر ایک آدمی نے آ کر سب کے سامنے پتّلیں چن دیں ۔ دوسرا آتے ہی ہر ایک پتّل پر چار چار لڈّو ڈال گیا اور اسی طرح ہر قسم کا کھانا اُن پتّلوں پر رکھا

---

۱ - منیب عربی لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی نائب بنانے والے کے ہیں ۔ اور اسی واسطے اس لفظ کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا ہے جو افسر ہو کر کام کرے اور اُس کے آگے کوئی اور نائب ہو اور کوٹھی والے مہاجنوں کے ہاں ایک ایسا شخص مقرر ہوتا ہے جو کوٹھی کا کام اصلی مالک اور افسر کے طور پر انجام دیتا ہے اور اُس کے آگے اور آدمی بطور نیابت کے کام کرتے ہیں اسی سبب سے یہ شخص بھی منیب کہلاتا ہے اور اکثر ہندو جو منیم کہتے ہیں ، وہ منیب ہی کا بگڑا ہوا لفظ ہے اور منیم کی اصل منعم قرار دینی بھی تکلف سے خالی نہیں ہے ۔

۲ - ہندو لوگ جب کوئی مکان بنواتے ہیں تو پہلے اُس میں برھمنوں سے پوجا کرواتے ہیں ۔ پھر برھمنوں اور برادری کے لوگوں کی دعوت کر کے اُس میں جا رہتے ہیں ۔ اس رسم کو جٹ کرنا کہتے ہیں ۔

۳ - وید کے منتر پڑھ کر آگ میں گھی ڈالنے کو ہوم کرنا کہتے ہیں ۔

گیا ۔ پھر پانی کا ایک ایک آبخورہ ہر ایک کی پتّل کے آگے رکھ دیا ۔

جب سب سامان آ چکا تو برھمنوں نے کھانا شروع کیا اور بعض آدمی اپنی پتّلیں اُٹھا کر گھر لے گئے ۔ دولت رام یہ حال دیکھ کر ایک شخص سے جو اُس کے برابر کھڑا تھا ، کہنے لگا ''دیکھو جی ! برھمن کی جات بھی کتنی لالچی ہوئے ھے ۔ انھوں نے دیکھا جو یہاں بیٹھ کر کھائیں گے تو جھوٹ بچ رھے گی ۔ یہ لوگ اپنا ھی بھلا چاھیں ھیں ۔ یہ نہیں کہ کچھ بے چارے بھنگی کے منہ بھی پڑے اور جو کچھ کہو تو ٹّرانے لگیں اور کہنے لگیں 'لالہ نے کیا آج نیا برھم بھوج[1] کیا ھے جو باتیں بنا رھے ھیں' ''۔

جب سب برھمن کھا چکے تو اُن کے ھاتھ دھلائے اور پان کا ایک ایک بیڑا اور وچھنا[2] کا ایک ایک ٹکا دے کر رخصت کیا ۔ اس کے بعد برادری کے لوگوں کی دعوت ہوئی ۔ ان سب کو بھی اسی طرح قطاریں باندھ کر بٹھا دیا اور پتلوں میں سب کے آگے کھانا رکھ دیا ۔ جب وہ کھانے لگے ، اُن قطاروں میں سے کوئی یہ پوچھتا ہوا گزر جاتا ۔ ''کیوں صاحب ؟ کوئی گرم کچوری لیجیے گا ؟'' کوئی یہ کہتا چلا جاتا ''کیوں صاحب ؟ جل''۔ اس میں جو کچھ جسے درکار ھوتا ، وہ لے لیتا اور جسے کسی چیز کی ضرورت نہ ھوتی ، وہ چپ ھو رھتا یا انکار کر دیتا ۔ اتنے میں خوشحال چند کا منیب لڈّو لے کر وھاں آیا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا ۔ ''کیوں صاحب ایک لڈو''۔ یہ کہتا جاتا اور مہمانوں کے آگے ایک ایک دو دو لڈو ڈالتا جاتا تھا ۔ جب دوسری قطار میں پہنچا تو کسی شخص نے اپنے پتل کے اُوپر ھاتھ ڈھک کر کہا ''دیکھو صاحب ! چار لڈو سے زیادہ مت ڈالنا ۔ ناحق مال خراب کرنے سے کیا فائدہ ؟ تم آپ سمجھو ھو ،

---

۱ - یعنی برھمنوں کا بھوجن ۔

۲ - نقدی کی قسم ھے جو شے برھمنوں کو نذر دی جائے ، اس کو وچھنا یا وکشنا کہتے ھیں ۔

ہمارے اور خوشحال چند جی کے مال میں کچھ فرق نہیں ''۔

منیب آپ ہی اپنے دل میں لیا گیا اور اسکو ناچار چار لڈّو دینے پڑے ۔

جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو ہاتھ دھو، پان کے بیڑے لے ، اپنے گھر چلے گئے ۔ نوکروں نے اُن کا کھانا اُٹھا کر خاکروب کو دے دیا ۔

جب مکان کی جٹ ہو چکی تو سب کے سب اس میں جا رہے اور رہنے سہنے لگے ۔

ایک روز معمول کے موافق خوشحال چند دوپہر کے وقت اپنے باپ اور بیٹے کو لے کر محل سرائے میں روٹی کھانے گیا ۔ نہال چند علاحدہ ایک چوکے میں ہو بیٹھا اور خوشحال چند اور دولت رام دونوں دوسرے چوکے میں بیٹھ گئے ۔ مشرانی جو اُن کے ہاں روٹی پکانے پر نوکر تھی اور اس وقت وہیں الگ بیٹھی ہوئی کھانا پکا رہی تھی ، اس نے ایک تھال میں دال چاول اور روٹی نہال چند کے آگے رکھ دی اور دوسرے تھال میں خوشحال چند اور دولت رام کے سامنے ۔ اتنے میں ہیرا دو کٹوریوں میں تھوڑا تھوڑا سا اچار لائی اور اُن کے آگے رکھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی اور نہال چند سے کہنے لگی ''لالہ جی ! تمھارے دولت کی بہو کا پیر[1] بھاری ہے ۔ سات آٹھ دن پیچھے اس کے ساسرے سے ساد[2] آوے گی ''۔

وہ بولا ''یہ تو تُو نے اچّھی بات سنائی ۔ بھگوان کرے ، چھورا ہو ''۔

---

۱ - پاؤں بھاری ہونا حمل رہنے سے کنایہ ہے ۔

۲ - ساد کے لغوی معنے خواہش کے ہیں اور جب کسی عورت کے حمل کو ساتواں مہینا ہوتا ہے تو اُسے مختلف کھانوں کی خواہش ہوتی ہے اور اسی سبب سے بنیوں اور بعض قوموں میں عورت کے میکے سے اس کی سسرال میں مٹھائی اور ترکاری آتی ہے ۔ اسی کو ساد کہتے ہیں ۔

دولت رام کی بہن خوشحالو جو وہاں کھڑی تھی ، بولی ''ہاں بابا جی ! یہی مناو ، جو میرا بھی بھلا ہو ''۔

چند روز بعد جب دولت رام کی بیوی کو ساتواں مہینا لگا تو اس کے میکے سے مٹھائی اور ترکاری آئی اور برادری میں تقسیم ہو گئی ۔ نواں مہینا لگتے ھی ایک دن مونگا بہت بے چین ہوئی ۔ یہ حال دیکھ کر ھیرا گھبرانے لگی اور بہو کو ایک علاحدہ کوٹھڑی میں لے جا کر ایک چارپائی پر بٹھا دیا اور دائی کو بلا کر کہا ''اری جا ! دیکھ تو آج بہو کا کیا حال ہے ''۔

مونگا اپنی تکلیف میں بےقرار تھی ۔ دائی بھی اس کے پاس جا بیٹھی اور جس قدر اسے زیادہ تکلیف ہوتی جاتی تھی اسی قدر ھیرا مختلف دیوتاؤں کے نام کے پیسے رکھتی جاتی تھی ۔

آخر بہت دیر کے بعد لڑکا پیدا ہوا ۔ اسی وقت ایک عورت نے زچّہ خانے کے پاس جا کر تھالی بجائی تا کہ آئندہ لڑکا کسی بھاری آواز سے نہ ڈرا کرے ۔

جب خوشحال چند کو یہ خبر پہنچی تو اس نے فوراً اپنے باپ کو اطلاع دی۔ منیب اور اور نوکر چاکر نہال چند کے پاس آ کر مبارک باد دینے لگے ۔ پھر ایک پنڈت کو جو ان کے ھمسایے میں رہتا تھا ، بلایا ۔ نہال چند اور خوشحال چند نے ڈنڈوت کر کے اسے بہت تعظیم سے بٹھایا ۔ پنڈت نے اشیر باد دے کر پوچھا ''سری مہاراج ! یہ تو بتاؤ لڑکا کس سمے ہوا تھا ؟''

خوشحال چند نے لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت بتا دیا ۔ پنڈت نے ایک چکلے پر کھریا سے اس کا زائچہ بنایا اور ظاہر میں خوب غور کر کے کہا ''سری مہاراج ! یہ لڑکا سب کو بھاگوان ہوا ہے ۔ دسویں آچ کا برھسپت ایسا پڑا ہے کہ راج میں ساجھا رہے ۔ پانچویں گھر منگل بیٹھا ہے ۔ بدھیا اوھگ پائے پر راچھسی[1] بدھیا کا جوگ

---

۱ ۔ فارسی ، عربی اور انگریزی اور اور غیر زبانوں کو ھندو لوگ راچھسی بدھیا کہتے ھیں ۔

ہے - بیوپار میں گھنا لابھ ہو - مٹی میں ہاتھ ڈالے سونا ہو جائے،،۔

یہ کہ کر پنڈت نے جنم پتری لکھی اور اس لڑکے کا جنم نام ایسری داس رکھا ، مگر اس کے بعد عورتوں نے اس کا نام کروڑی مل مقرر کیا اور ننھا کہ کر پکارتی رہیں - خوشحال چند نے پنڈت کو پانچ روپے دیے ، وہ اشیر باد دے کر چلا گیا -

رات کے وقت تاروں کے نکلتے ہی دولت رام کی بہن خوشحالو ایک کٹورے میں پانی لے کر زچہ خانے میں گئی اور اس پانی سے اپنی بھاوج کی چھاتی دھوئی - مونگا نے اسے ایک اشرفی دی اور پھر بچے کو دودھ پلانا شروع کیا - اتنے میں ایک عورت نے گوبر کی بہائی[1] بنا کر زچہ خانہ میں رکھ دی -

ہیرا کا یہ حال تھا کہ خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی - روز نائنوں کو بلا کر گیت گواتی اور زچہ خانے میں ٹھٹھا چُہل رکھتی - جب کوئی غیر عورت یا آدمی اس کے گھر آتا تو نظر لگنے کے اندیشے سے اسپند اور رائی اور اور اس قسم کی چیزیں جنھیں دھونی کہتے ہیں ، آگ میں ڈال دیتی - ایک یا دو عورتیں ہر وقت زچہ خانے میں موجود رہتیں اور آگ سلگائے رکھتیں - بلّی کو اندر نہ جانے دیتیں -

چھ روز تک زچہ نہ نہائی - چھٹے روز دائی صبح ہی آئی اور زچہ اور بچہ دونوں کو نہلا کر زچہ خانے کا مکان دھلوایا اسی روز بھانڈ دیوان خانے میں آئے اور ناچ گا کر مبارک بادیاں دیں - پھر اپنا اپنا انعام لے کر چلے گئے - چونے والیوں نے محل سرائے میں آ کر

---

۱ - بہائی ایک دیبی کا نام ہے - اور ہندو لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ دیبی بچوں کے کان میں کچھ باتیں کہ کر کبھی انھیں رلا دیتی ہے اور کبھی ہنسا دیتی ہے - اس دیبی کی شکل زچہ خانے میں اس طور سے بناتے ہیں کہ گوبر کے دو متقاطع خط بنا کر ان کے اوپر کے سروں پر آنکھوں کی شبیہ کے لیے دو کوڑیاں لگا دیتے ہیں اور اس صورت کے بنانے اور اس کے پوجنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ دیبی بچوں کے کان میں ہمیشہ خوشی کی باتیں کہتی رہے -

خوب ناچ رنگ دکھائے ۔ طرح طرح کے روپ بھرے ۔ ان کے بیہودہ سانگ دیکھ کر عورتیں ایسی خوش ہوئیں کہ ہنستے ہنستے ہر ایک کے پیٹ میں بل پڑ گئے ۔ سب نے بیلوں میں انہیں بہت سے پیسے اور چھلّے دیے ۔

اسی روز رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں سے تالوا آنا شروع ہوا ۔ اول لچھمی داس نے سات روپے نقد اور کُرتہ، ٹوپی اور کچھ میوہ بھیجا ۔ پھر خوشحالو نے بھی اسی قسم کی چیزیں دیں مگر خوشحال چند نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بیٹی کا دھن ہے اگر چپکا سا ہو رہوں گا تو برادری میں ناک کٹے گی ۔ یہ سوچ کر جس قدر روپیہ خوشحالو نے اپنے سامان میں صرف کیا تھا، اس سے زیادہ اسے دے دیا ۔

اسی روز پہر دن رہے نائی آیا اور زچّہ کو اپنا جوتا پہنا کر زچّہ خانے سے باہر نکال لایا ۔

جب مونگا باہر آ کر بیٹھی تو نائی نے اول اپنا ناخن گیر اس کے ناخن کو چھوایا اور پھر سورج کے درشن کرائے ۔ اس کے انعام میں اسے سوا روپیہ نقد اور بہت سا اناج ملا ۔

ساتویں روز خوشحال چند نے لچھمی داس سے کہلا بھیجا ”تم اپنے گاؤں میں کوئی ایسی دھائے[1] تلاش کرو جو لڑکے کو اچھی طرح پالے“۔

یہ سُنتے ہی اس نے ایک جاٹنی مینا نامی کو جو اُن کے ہمسایے میں رہتی تھی، بلایا اور اس سے کہا ”چھوری کے چھورا ہوا ہے ۔ اس کے دادا کی یہ مرضی ہے کہ اس کو کسی دھائے کے ہاں دے دیں ۔ اب تجھ سے اچھی دھائے کون ملے گی؟“

وہ بولی ۔ ”جی میں پہلے اپنے گھر پوچھ آؤں پیچھے کہہ دوں گی“۔

---

۱ ۔ دایہ ۔

یہ کہہ کر گھر گئی اور اپنے خاوند تیج رام سے کہا ''تیرا پڑوسی کہے ہے ، ہماری چھوری کے چھوڑا ہوا ہے - سو تو اس کو لے لے - اُس کا دادا اُس کو ہمارے گاؤں میں پلوانا چاہے ہے - بتا اُس میں تیری کیا مت ہے ؟''

وہ بولا - ''لے لے ، کیا ڈر ہے ؟ ساہوکار کا چھورا ہے - جب وہ اُس کو چھٹاوے گا تو گھنے روپے دے گا ''۔

جاٹنی اپنے خاوند کا یہ کلام سُن ، پھر لچھمی داس کے مکان پر آئی اور اُس سے کہا ''اچھا جی میں چھورے کو لے لوں گی تمہارا کہنا تھوڑے ہی ٹالوں ہوں ''۔

لچھمی داس بولا - ''تو جا ، آج ہی ہمارے آدمی کے ساتھ دلّی چلی جا ''۔

جاٹنی جھٹ راضی ہو گئی اور لچھمی داس نے اُسے ایک آدمی کے ساتھ کر دیا اور چلتے وقت اُس سے کہہ دیا ''لالہ صاحب سے ہماری رام رام کہیو اور کہہ دیجو ، جاٹنی گھر ہی کی ہے - اس کے کئی بالک ہو چکے ہیں اور بھگوان کی کرپا سے سب جیویں ہیں - چھورے کو اسے دے دو - کچھ ڈر مت کرو - جیسا کہ وہ اُس کے ہاں رہا ، ویسا ہمارے ہاں رہا ''۔

جب جاٹنی دھلی پہنچ گئی تو ہیرا نے لڑکے کو اُس کے حوالے کر دیا - وہ اُسے گود میں لیتے ہی بولی ''چھورا تو اپنے باپ ہی کو گیا ہے - پر جاٹنی کے دودھ کو بھی دیکھنا ، اس سے ٹھاڑا ہوگا ''۔

مینا ایک روز تو وہاں رہی ، دوسرے روز لڑکے کو اپنے کھارے[1] میں رکھ کر چلنے کو تیار ہو گئی - ہیرا نے اُسے اوڑھنے بچھانے کو لحاف ، توشک اور کھانے کو کھچڑی ، گھی اور زیرہ اور دس روپیہ نقد دیے اور چلتے وقت یہ بھی کہہ دیا ''دیکھ ہمارے

---

۱ - کھارا سر کی تیلیوں کا ایک چوکھونٹا ٹوکرا ہوتا ہے -

چھورے کو ایسا رکھیو، جیسے اپنے چھورے کو رکھے ہے، میں بھی تجھے خوش کردوں گی "۔

مینا بولی ۔ "تو اس بات سے چوکس رہ، تیرا بالک میرے میری جان کے برابر ہے ۔ پہلے تیرا پیچھے میرا "۔

یہ کہ کر کھارے کو اپنے سر پر رکھا اور گاؤں کا راستہ لیا ۔ خوشحال چند نے ایک آدمی اس کے ساتھ کر دیا کہ اسے گاؤں تک پہنچا دے اور اسباب بھی لے جائے ۔

مینا اس آدمی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی اپنے گاؤں کو چلی گئی مگر رستے کی تھکی ہوئی تھی، جاتے ہی ایک چارپائی بچھا کر پڑ رہی اور وہ آدمی جو اس کے ساتھ آیا تھا، اس کے گھر کا ڈھنگ دیکھنے لگا ۔

پہلے وہ اس کے گھر کے دروازے میں گھسا، وہاں جاتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ دروازے کے آگے ایک بہت لمبی دھلیز ہے اور اس میں ایک ماچا بچھا ہوا ہے اور ایک دو آدمی اس پر بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے ہیں ۔ دھلیز کے آگے ایک صحن ہے جس کے تینوں طرف لمبے لمبے دالان تختے اور مٹی سے پٹے ہوئے ہیں ۔ سامنے کے دالان میں جاٹنی رہتی ہے اور وہیں اپنا کھانا پکاتی ہے اور دائیں دالان میں بیل، گائیں، بھینسیں بندھی ہوئی ہیں اور بائیں میں چمڑے کا چرس، لاؤ کی رسی، ہل اور اور اسی قسم کی چیزیں ہیں اور وہیں ایک طرف بہت بڑے بڑے اور اونچے اونچے مٹی کے کچے برتن بھی رکھے ہوئے ہیں ۔ ان برتنوں کو دیکھ کر اسے بہت تعجب ہوا اور ایک نئی چیز جان کر مینا سے کہا "اری یہ کیا ہے؟"

وہ بولی "واہ! اس کو بھی نہیں جانے ہے ۔ بارہ برس دلی میں رہا، کیا بھاڑ جھوکا؟ یہ اناج کی کوٹھیاں ہیں "۔

وہ بولا ۔ "واہ خوب اناج کی کوٹھیاں بنائیں! میں سمجھا، بڑی بڑی انگیٹھیاں ہوں گی اور جانے ان میں کیا راندھتے ہوں گے "۔

وہ آدمی اُن کے مکان کا یہ حال دیکھ کر کہنے لگا ۔ ''ہے رام جی ! لالہ نے اپنا اچھا مکان چھوڑ کر لڑکے کو یہاں کیوں بھیجا ہے ؟ جو ایسا ہی پلوانا تھا تو جاٹنی کو بھی اپنے ہی گھر رکھ لیا ہوتا ''۔

اسی خیال میں اُس کی آنکھ لگ گئی ۔ صبح ہوتے ہی دھلی کو روانہ ہوا ۔

ادھر مینا اور اُس کے خاوند کا حال سُنو کہ جب چار گھڑی رات باقی رھی تو مینا چارپائی سے اُٹھ کر چکّی پیسنے لگی ۔ گھڑی بھر کے بعد اس کا خاوند بھی اُٹھا اور اُس نے پہلے چلم بھر کر حقّہ پیا ، پھر کُسّٹی کاٹی اور جب سورج نکل آیا تو بیلوں کو لے کر جنگل چلا گیا ۔ اتنے میں مینا بھی چکی پیس چکی اور ٹھلیاں سر پر رکھ کر کنوئیں پر سے پانی بھر لائی ۔ اس کے بعد گوبر اکٹھا کیا اور اُپلے تھاپ کر دھوپ میں رکھ دیے ۔ پھر دودھ بلویا ۔

اس عرصے میں لڑکا بھی جاگ اُٹھا ۔ مینا نے اُسے دودھ پلا کر ایک چارپائی پر لٹا دیا اور اپنی لڑکی کو جو چھ برس کی تھی ، اُس کے پاس بٹھا دیا ۔ پھر آپ چھاچھ اور دلیا لے کر اپنے خاوند کے پاس کھیت پر گئی ۔ وہ ہل جوت رھا تھا ، دلیا کھا ، چھاچھ پی ، پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا ۔

مینا نے اپنے گھر آ کر دوپہر تک لڑکے کو کھلایا اور کچھ گھر کا بھی کام کیا ۔

جب دوپہر ہوئی تو روٹی پکائی اور پہلے آپ کھائی ، پھر ایک ٹوکری میں بُھس بھرا اور اُس کے اُوپر روٹی رکھ کر تیج رام کے پاس کھیت میں لے گئی ۔ اُس نے ٹوکری میں سے روٹی نکال کر بُھس بیلوں کے آگے ڈال دیا اور آپ ایک درخت کے تلے بیٹھ کر روٹی کھائی ۔ پھر حقّہ پی کر تھوڑی دیر تک اپنی بیوی سے باتیں کرتا رھا اور جب مینا وھاں سے چلی گئی تو وہ اپنی چادر تان کر اُسی درخت کے نیچے سو رھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھ کر ہل جوتنے لگا ۔

مینا نے کھیت سے آ کر لڑکے کو گود میں لے لیا اور اپنے ہمسایے میں کسی جگہ جا بیٹھی - وهاں بہت سی جاٹنیاں ایک گھر کی دهلیز میں بیٹھی هوئی چرخے کات رهی تھیں - یه بھی چرخه کاتنے لگی - اتنے میں ایک جاٹنی نے مینا سے کہا ''مینا! اب تو تُو بڑی دولت والی هو جائے گی ، ساهوکار کا چھورا لائی هے ''۔

وه بولی - ''جی‌جی! کے[1] دولت والی هو جاؤں گی - رام کے دے پوری پڑے هے - اس کے ماں باپ تو بنیے هیں - کہیں کچھ ، دیں کچھ - ان کی بات کی کے پرتیت هے جو میرے لہنے کا کچھ روپیه دے دیں تو چھوری کا بیاہ اچھی طرح هو جائے - سمدهی آویں ، دو سیر دلیا کھا جاویں ''۔

اس گفتگو میں چھ گھڑی دن رهے تک وهاں بیٹھی هوئی چرخه کاتتی رهی، پھر وهاں سے اپنے گھر میں آ کر دهوپ میں سے سُوکھے سُوکھے آپلے چنے - اس کے بعد جانوروں کا نیار تیار کر کے هر ایک کے تھان پر ڈال دیا -

اتنے میں تیج رام جنگل سے بیلوں کو هانکتا هوا آیا - مینا نے اُٹھ کر اُنھیں باندھ دیا اور تیج رام گائیں بھینسوں کا دُودھ دوهنے لگا ، جب دودھ دوه چُکا تو حقّه بھر کر چوپاڑ میں چلا گیا - وهاں اور بھی بہت سے جاٹ اور کچھ مشر بیٹھے تھے - اُس نے جاتے هی پہلے حقّه ایک بڈھے جاٹ کو دیا اور کہا ''لے تاؤ[2] دم لگا ''۔

اس نے دم لگا کر دوسرے کو دے دیا - دوسرے نے تیسرے کے حوالے کیا اور اسی طرح حقّے کا دور جاری رها - سب کے سب جاٹ حقّه پیتے جاتے تھے اور زٹلیں هانکتے جاتے تھے - اُن میں سے ایک بولا :

---

۱ - یعنی کیا -
۲ - اکثر هندو لوگ اپنے همسایوں میں سے اُن آدمیوں کو جو ان کے باپ سے چھوٹے هوتے هیں چچا جی که کر پکارتے هیں اور بڑوں کو تاؤ -

ڑتل	ترجمہ اور مطلب
حقہ ھر کا لاڈلا سب کا رکھے مان - بھری سبھا میں یوں پھرے جوں گوپن میں کاھن -	حقہ خدا کا عزیز ھے - سب کو راضی رکھتا ھے اور بھری ھوئی مجلس میں اس طرح پھرتا ھے - جیسے گوپیوں میں کنھیا پھرا کرتا تھا -

دوسرا کہنے لگا ''بھئی پرتھی سنگھ ! ھمارے بیل تو ھار گئے - اب آور بیل کہیں سے مل جائیں تو مول لیں ''۔

ایک آور بولا - ''بیل تو ھمارے بھی ڈھانڈھے[1] ھو گئے ھیں ، پر کیا کریں ! ساھوکار کے روپے دینے ھیں ، جو اُس سے پیچھا چھٹے تو کچھ ڈول کریں - وہ جب آوے ھے تو ایسا آوے ھے جیسے فرنگی کا پیادہ ''۔

ایک نے کہا - ''بھائیوں ! من سکھ کا مقدمہ تو ھو چکا - نمبرداری اُسی کے گھر میں رھی - پر تحصیلدار کا بھی اس نے گّجا بھر دیا - پانسو روپے پہلے اس کو پہنچا دیے ، جب یہ کام بنا ''۔

اتنے میں ایک مشر جی بولے ''بھئی چودھری ! لچھمی نے بڑے پُن کیے ھیں - دنیا ھے آور روپیہ - روپے کی خاطر آدمی گدھے کو باپ بنا دے ھے ''۔

وہ اس قسم کی باتیں کر ھی رھے تھے کہ ساھوکار بھی وھاں آ پہنچا اور جاٹ سے کہنے لگا ''کیوں بھئی چودھری ! ھمارے روپے کب تک دے گا ؟ اب تو بہت دن ھو گئے ''۔

جاٹ بولا - ''لالہ جی ! فصل پر دیں گے ''۔

ساھوکار نے کہا - ''جانے کون سی فصل پر دے گا، فصلیں تو کئی ھو

---

۱ - یعنی دُبلے -

چکیں ، روز روز کے پھرانے سے کیا فائدہ ۔ بھلا جب نالش کر کے تیرے ڈھور ڈنگر نیلام کرا لوں گا تو اچھا ہوگا ؟ بھلمنسائی کا زمانہ ھی نہیں رھا جب تک آدمی جوتے کے نیچے ھے ، تب ھی تک ٹھیک رھے ھے''۔

اس گفتگو سے جاٹ غصّے میں بھر آیا اور کہنے لگا ۔ ''جا نیلام کرا لیجو ۔ جانے تیرے ھی گھر تو راج آیا ھے اور نہیں تو آڑد کے آٹے کی طرح اینٹھا ھی جائے ھے ''۔

نمبردار نے ان دونوں میں ملاپ کرا دیا اور ساھوکار سے کہا ''لاله ! زمیندار کی جات آوت ھوئے ھے ، اس سے ڈھور ڈنگر کے نیلام کرانے کی کیا بات چیت اور جو لاله وھی نیلام ھو گئے تو ھمیں تمھیں کون پوچھے گا ؟ یه تو دولھا کے ساتھ برات ھے''۔

جاٹ نے یه بات سن کر نمبردار سے کہا ۔ ''تاؤ ! تیرے بچے جیتے رھیں ، تو نے انصاف کی بات کہی''۔

تھوڑی دیری کے بعد تیج رام اپنے گھر چلا آیا ۔ اس کی بیوی نے روٹی پکا ھی رکھی تھی ، جھٹ آتے ھی کھا لی ، پھر حقّه بھر کے ماچے پر بیٹھ گیا اور لڑکے کو کھلانے لگا ۔

اتنے میں مینانے بھی روٹی کھائی اور کھانے سے فارغ ھو کر دودھ کو آگ پر رکھ دیا اور جب وہ خوب گرم ھو گیا تو جامن ڈال کر اسے جما دیا ۔ پھر سب سو گئے ۔

اب خوشحال چند کے گھر کا حال سنیے ۔ جب دھائے لڑکے کو لے کر وھاں سے چلی گئی تو سونگا جننے سے دسویں دن نہائی اور سارا مکان دھلوایا ۔ خوشحال چند نے مٹی کے برتن جن میں پانی رھتا تھا ، سب کے سب بدلوائے ۔ سالگرام جی اور سری کرشن جی کی مورتوں کی پوجا ، جو پہلے دس دن تک کسی اور کو بلا کر کرا لیا کرتا تھا ، اب آپ کرنے لگا ۔ برادری کے لوگ پھر ان کے ھاں کھانے پینے لگے اور حقّے میں شریک ھو گئے ۔

دس دن کے بعد تین نہان اور ھوئے اور چلّے کے نہان کے بعد

مونگا کو گنگا جل ، گئو موتر اور اور کئی چیزیں ملا کر پلائیں ، کیونکہ ہندوؤں کے اعتقاد میں یہ چیزیں زچّہ کو بالکل پاک کر دیتی ہیں - پھر تو مونگا گھر کے برتنوں کو ہاتھ لگانے لگی اور روٹی پکانے کے لائق بھی ہو گئی -

نہان کے دس پندرہ روز بعد ہیرا نے خوشحال چند سے کہا ”بہو کو اپنے باپ کے ہاں پیر پھیرنے جانا ہے - پنڈت کو بلا کر مہورت پوچھ لے اور گاؤں میں کہلا بھیج ، دھائے چھورے کو لے کر چلی آوے“۔

خوشحال چند بولا - ”اس کو کیوں بلاؤ ہو ؟ وہاں تو جانا ہی ہے“۔

وہ بولی ”میں اپنے گھر سے بہو کو خالی گود کیوں بھیجوں ؟“

خوشحال چند یہ بات سن کر چپکا ہو رہا اور جھٹ پنڈت کو بلا کر مہورت دریافت کیا اور حلوائیوں سے مٹھائی بنوائی - چلنے کے دن سے دو روز پہلے لڑکے کو دھائے کے ہاں سے بلوا لیا اور مونگا اس کو ساتھ لے کر اپنے باپ کے گھر گئی اور بہت سی مٹھائی اور کھانڈ کی ایک چھوٹی سی چوکھٹ ایک کٹوری میں گھی کا چراغ روشن کرکے اپنے ساتھ لیتی گئی -

وہاں پہنچتے ہی پہلے اس نے اپنے بھائیوں کو بلا کر رولی سے ٹیکا لگایا اور انھیں ایک ایک روپیہ اور ایک ایک ناریل دیا - انھوں نے ناریل تو لے لیے اور روپے پھیر دیے - پھر مونگا نے کھانا کھا کر اپنی سُسرال جانے کا ارادہ کیا - اس کے باپ نے لڑکے کے کپڑے اور زیور اور خاوند اور ساس سُسرے اور ددیا سُسرے کے جوڑے اور جس قدر مٹھائی وہ لائی تھی ، اس سے دو چند اس کے ساتھ کر دی - مونگا سب چیزیں اپنی سُسرال میں لائی اور مٹھائی برادری میں تقسیم کی -

اس کے بعد اسے اپنے میکے میں جانے کی کچھ روک ٹوک نہ رہی - جب جی چاہتا وہاں چلی جاتی اور بچّے سے مل آتی -

خوشحال چند اور دولت رام بھی کبھی اکیلے اور کبھی مونگا کے ساتھ اس کے دیکھنے کو چلے جاتے ۔

دولت رام سب کے سامنے بچّے کو گود میں لینا اپنی بے وقوفی جانتا اور اسے اپنے باپ اور دادا کے روبرو ہرگز پیار نہ کرتا ۔ ہاں جب جاٹنی اکیلی اُس پاس ہوتی تو وہ لڑکے کو اُٹھا کر کھلاتا اور ایسے وقت میں کبھی کبھی مینا اس سے کہتی ''لالہ ! اس کے بیاہ میں تجھ سے گھنے روپے لوں گی''۔ اسی طرح وہ لڑکا مدّت تک گاؤں میں پرورش پاتا رہا اور جاٹنی کا دودھ پی پی کر موٹا ہوتا رہا ۔

جب کبھی دھلی میں کوئی تیوہار ہوتا تو مینا اس کو لے کر وہاں چلی آتی اور اپنی تیوہاری لے کر پھر اپنے گاؤں کو چلی جاتی ۔

اس لڑکے کو مینا سے اس قدر محبّت ہو گئی کہ ایک دم اس سے جدا نہ ہونا چاہتا تھا ۔ ہر چند نہال چند اور خوشحال چند اسے لالچ دے کر اپنے پاس بلاتے مگر وہ ہرگز نہ آتا اور مینا اور تیج رام ہی کو اپنا ماں ، باپ سمجھتا ۔

جب کچھ بڑا ہوا ، تو اور لڑکوں کے ساتھ گاؤں کی گلیوں میں پھرنے لگا ، جاٹوں کے سے طور دکھانے لگا ، کبھی تیج رام کے ساتھ گائیں بیلوں کو ٹٹکاری دیتا ہوا کھیت پر چلا جاتا اور وہاں جا کر بیج اور دانے اس طرح زمین پر ڈالتا گویا وہ جاٹ ہی کا تخم ہے، کبھی کھیلتے وقت زمین میں ایک گڑھا کھود کر اسے کنواں مقرّر کرتا اور اس میں پانی بھر کر ایک مٹّی کی کلُیا سے چرس کے طور پر پانی کھینچتا اور یہ کہتا جاتا ''میرا بارا لائیو رے رام منائیو رے''۔ ترجمہ یعنی میرے بوجھ کو لا اور رام سے اس کام میں مدد مانگ ۔

ایک دفعہ دولت رام گاؤں ہی میں تھا کہ وہیں پھاگن کا مہینا آ گیا ۔ اس نے ہولی کرنے کے لیے اپنے گھر آنے کا ارادہ کیا ،

تیج رام بولا "لالہ ! تو نے شہر کی ہولیاں تو دیکھی ہیں، پر اب کے یہاں کی بھی ہولی دیکھ"۔

اس کے سمجھانے سے دولت رام گاؤں ہی میں رہ گیا ۔

جب ہولی میں تھوڑے سے دن باقی رہے اور چاندنی راتیں شروع ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ ہر روز چار پانچ گھڑی رات گئے، عورتیں اپنے گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر، گاؤں کی گلیوں میں جمع ہو جاتیں اور ناچ گا کر اپنا دل خوش کرتیں ۔ مرد بھی ایک طرف اکٹھے ہو کر دف بجاتے اور خوب اچھلتے کودتے ۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت ہوئی کہ مرد ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور عورتیں دوسری طرف اور دونوں فریق اپنے بیچ میں ایک لکیر کھینچ لیتے ۔ مردوں کی طرف سے دو آدمی ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے عورتوں کی طرف جاتے اور گیت گاتے ہوئے وہاں سے اُلٹے بھاگتے ، ایک عورت ہاتھ میں لاٹھی لیے اُن کے پیچھے دوڑتی ؛ اور دونوں مرد اس کے آتے آتے لکیر کے پیچھے نکل جاتے اور لاٹھی سے بچ جاتے تو ان کی ہنسی نہ اڑتی اور جو وہ عورت لکیر تک پہنچتے پہنچتے انہیں لاٹھی چھوا دیتی تو خوب ہی ان کی خاک اڑتی۔

ساری عورتیں اپنے گاؤں کے مردوں سے تو ہنسی چہل کرتی ہی تھیں مگر اجنبی مرد سے بھی نہ چوکتی تھیں ۔ جب کوئی غیر آدمی ان کے سامنے سے گزرتا تو وہ اسے پکڑ کر خوب گت کرتیں اور اس کے کپڑوں پر کیچڑ ، گوبر اور اور جو کچھ ہاتھ لگ جاتا ، ڈال دیتیں اور منہ پر سیاہی مل دیتیں ؛ علاوہ اس کے عورتیں اور مرد سب کے سب طرح طرح کے سانگ بھرتے ، بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں کرتے ۔

جاٹوں کی لڑکیاں اور لڑکے ہولی کے دن کے لیے گوبر کی ٹکیاں ، ڈھالیں اور تلواریں بنا کر دھوپ میں سکھا دیتے اور ایک موٹے سے ڈورے میں پرو کر ہار بنا کر، رکھ چھوڑتے ۔

جب ہولی کا دن آیا تو اس گاؤں کے جاٹوں نے کانٹوں کی باڑ

ایک جگہ لگا دی اور سب کے سب وہاں آ کر جمع ہوئے ۔ ایک مشر وہاں پہلے سے کھڑا ہوا تھا ، جاٹوں نے اس سے پوچھا ''دادا ! ہولی کس وقت کی ہے؟''

وہ بولا ''چودھری ! شام ہی کی ہے''۔

یہ کہ کر اس نے باڑ میں آگ لگا دی اور شعلے کا رخ دیکھتا رہا ، پھر یکایک بول اٹھا ''بھئی چودھریوں ! لو پورب کو چلے ہے ، راجا پرجا دونوں سکھی رہیں گے''۔

ایک جاٹ یہ سن کر بولا ''دادا ! جو سیدھی آسان کو جاتی تو کیا ہوتا ؟''

مشر نے کہا '' ہوتا کیا ؟ جھجھ[1] ہوتا ''۔

ایک اور جاٹ نے کہا ''بھئی ! ہمیں تو اتر کی چاہیے جو سا اچھا ہو''۔

اس میں تیج رام نے کہا ''پورب کی کیا بڑی ہے ؟ دکن کی نہیں چاہیے جو کال پڑے''۔

جب اس آگ میں سے اچھی طرح شعلے نکلنے لگے تو سب نے اس پر رولی چڑھا کر پوجا کی اور اس کے چاروں طرف پھرے ؛ لڑکوں اور لڑکیوں نے گوبر کے ہار جو پہلے سے تیار کر رکھے تھے ، اس میں ڈال دیے ، جاٹوں نے آگ کی پرکرما کر کے گیہوں کی کچھ بالیں اپنے ہاتھوں میں لے کر اسی آگ پر بھونیں اور ہر ایک نے اس مشر کو ہولی کے بچاپے میں کچھ آٹا دیا ۔

جب ہولی پج چکی تو ایک جاٹ نے اس مشر سے کہا ''دادا ! تو روز ہمیں ٹھگے ہے ، یہ تو بتا ، ہولی ماتا کیا ہوئے ہے''۔

مشر بولا ''ارے مورکھ ! تجھے خبر نہیں ۔ بھائی ! ایک راچھس تھا ہرنا کس ، اس کا پوت پر لاد سدا رام رام جپا کرے

۱ - یعنی لڑائی اور فساد ۔

تھا؛ پر باپ یہ چاہے تھا کہ وہ رام کا نام نہ لیا کرے اور اُس نے اپنی ساری نگرسی میں یہ ڈھنڈورا پھیر دیا تھا کہ جو کوئی رام کا نام لے گا، اُس پر بہت سا ڈنڈ ڈالا جائے گا۔ تو جانے ہی ہے، ٹھاڑے کا راج سر پر، سب سان گئے، پر اس کے پُوت نے جو رام کا بھگت تھا، نہ مانا۔ پھر تو اس راچھس کو کرودھ آیا اور من میں بچارا، جو یہ کسی طرح مر جائے تو اچھّا ہے۔ پہلے تو اُسے ایک پہاڑ پر سے نیچے ڈال دیا، پر وہ نہ مرا، پھر اور کئی اُپائے کیے، پر کچھ نہ ہوا۔ نِدان اس کی بہن ہولی بولی 'لاؤ میں اُس کو آگ میں لے کر بیٹھ جاؤں، میں تو بجر[1] کی ہوں، یہ جل جائے گا، میں نہیں جلنے کی'۔ پر بھئی رام کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تو جل گئی اور رام نے پرلاد کو بچا لیا۔ تب سے لوگ ہولی پوجتے ہیں کہ ہمارے لڑکوں کی رچھّا کرے۔ بھائی! یہ ہولی ماتا کی کتھا ہے''۔

ہولی پوجنے کے بعد پھر سب کے سب ناچ گانے میں مشغول ہو گئے اور دف بجا کر اُچھلنے کودنے لگے۔ جب ہولی پُھک چکی اور آگ میں سے شعلے اُٹھنے بند ہو گئے، تو ایک شخص جلتا ہوا اُپلا اپنے ہاتھ میں لے کر کسی کنوئیں کی طرف دوڑا گیا اور ایک سانس میں وہاں ڈال کر اُلٹا چلا آیا اور آتے جاتے کہیں دم نہ لیا اور اس عمل سے اُس کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح یہ جلتا ہوا اُپلا ٹھنڈا ہوا ہے، اُسی طرح ہم بھی ٹھنڈے رہیں۔

بعض آدمیوں نے ان ہاروں کی راکھ جو لڑکوں نے ہولی پر چڑھائے تھے، تبرک سمجھ کر اس غرض سے اپنے پاس رکھ چھوڑی کہ جب کسی کے سر میں درد ہو تو وہ اُس کے ماتھے پر لگا دیں اور جو بالیں جاٹوں نے ہولی کی آگ پر بھونی تھیں، ان کے دانے ہر ایک شخص نے اناج کی کوٹھی میں ڈال دیے کہ کسی طرح اس کی کمی نہ ہو۔

---

۱ - یعنی پتھر -

دوسرے روز صبح ہوتے ہی گاؤں میں بڑا غل شور مچا ، کوئی جاٹ اپنے کھیت پر نہ گیا ، مرد تو رنگ کے بھرے ہوئے لوٹے لے کر گلیوں میں پھرنے لگے اور جو ملا اس کے اوپر رنگ ڈالا اور ہر ایک سے خوب گالی گلوچ کی ؛ عورتیں اپنے مکانوں کی چھتوں پر ہو بیٹھیں اور جو شخص ان کے مکان کے نیچے ہو کر گزرا ، اس پر رنگ ڈال دیا ۔ بلکہ کیچڑ اور گوبر بھی خوب پھینکا ۔

دولت رام کی جو کہیں شامت آئی ، یہ بھی تماشا دیکھنے کو باہر نکل آیا اور گلیوں میں پھرنے لگا ۔ جاٹنیوں نے وقت پا کر اسے آ گھیرا اور خوب گھونسے مارے ۔ ہر چند لوگ پکارا کیے ''یہ تو یہاں کا جائی ہے''۔ مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور جب تک اس نے ایک گڑ کی بھیلی دینے کا اقرار نہ کیا ، تب تک اسے نہ چھوڑا ۔ دولت رام اس روز اتنا پٹا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا اور آئندہ کے واسطے قسم کھائی کہ اب کبھی گاؤں کی ہولی دیکھنے نہیں آنے کا ۔ اس کا سسرا لچھمی داس اس سے کہنے لگا ''لالہ صاحب ! آج آپ نکل کر کیوں گئے ؟ مکا رام جانے آج کے دن تو یہ جاٹ گڑ کے مارے بنیوں کا بھس ادھیڑ دیں ہیں ۔ تم شہر کے لالہ ، چھٹانک بھر کھانا کھاؤ اور یہ جنگل کی رہنے والیاں ، روز ڈھائی من بوجھ سر پر اٹھا کر کوس بھر لے جائیں اور کوس بھر لے آئیں ۔ کہاں تم کہاں یہ ، بھلا لالہ کیوں چوٹ کھائی ؟''

دولت رام کی اس روز ایسی گت نہ ہوئی تھی کہ وہ دوسرے روز اس گاؤں میں رہنے کا نام لیتا ؛ صبح ہوتے ہی شہر کو روانہ ہوا اور وہاں آ کر سارا حال اپنے باپ کے روبرو بیان کیا ۔ وہ بولا ''میں پہلے ہی سمجھا تھا کہ جاٹ کی ذات اکھڑ ہوتی ہے ، ایسا نہ ہو ، کہیں یہ لوگ تجھے ستاویں ۔ سو وہی ہوا اور تیرے سسرے بھی خوب آدمی ہیں ، انھوں نے نہ بچایا ''۔

دولت رام نے کہا ''واہ ! ان کو اپنی ہی جان کی پڑ رہی تھی مجھ کو کیا بچاتے ''۔

دولت رام کو گاؤں سے آئے ہوئے پندرہ روز بھی نہ گزرے تھے کہ نہال چند کو شدّت سے بخار آیا۔ ایک روز تو بالکل بے ہوش پڑا رہا، دوسرے روز جب آنکھ کھولی تو بولا "خوشحال چند! ہمارا انت آن پہنچا ہے، جو دولت کے لڑکے کو بلا لیں تو ایک نظر دیکھ لیں، پھر چلا چلی کا معاملہ ہے"۔

خوشحال چند نے فوراً ایک آدمی گاؤں کو روانہ کیا اور لڑکے کو جاٹنی اور جاٹ سمیت بلوا بھیجا، مگر لڑکا ابھی آنے بھی نہ پایا تھا کہ نہال چند کا حال بگڑ گیا۔ یہ دیکھتے ہی خوشحال چند نے ایک پنڈت کو بلایا اور اُسے نہال چند کے بستر کے برابر ایک چوکی پر بٹھایا اور بھگوت گیتا کا پاٹ کرایا، اس عرصے میں هیرا بھی کئی دفعہ وہاں آئی اور اس کو بے ہوش دیکھ کر کہ گئی "اب یہ چلن ہیں، جو کچھ بنے اُن سے پُن کراؤ"۔

خوشحال چند بھی سمجھ گیا کہ اب ان کا بچنا مشکل ہے اور اسی خیال سے جب کبھی نہال چند آنکھ کھولتا اور ہوش میں آتا تو وہ کچھ نہ کچھ چیز خواہ گائے، خواہ مٹھائی، خواہ نقد روپیہ اس سے پُن کرا دیتا۔

تھوڑی سی دیر میں نہال چند کا حال اور بھی بگڑ گیا اور خوشحال چند نے اُسے کھانا پانی دینا چھوڑ دیا، کبھی کبھی گنگا جل اس کے مُنہ میں ٹپکا دیتا، اور کچھ نہ دیتا۔ شام کے وقت اس نے اپنے مُنیب سے کہا "لالہ جی کے بچنے کی آس نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے، ان کا بمان جلد بنوانا چاہیے بلکہ رات بھر میں تیار ہو جائے تو بہتر ہے، سویرا پکڑ جائیں تو پکڑ جائیں"۔

منیب بمان کے بنوانے میں مصروف رہا اور خوشحال چند اور دولت رام تمام رات نہال چند کے پاس بیٹھے رہے۔ پہر رات باقی تھی کہ یکایک نہال چند کو ہچکی آئی، خوشحال چند فوراً اُٹھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر نبض دیکھنے لگا؛ جب نبض کا کچھ پتہ نہ ملا تو وہیں تھوڑی زمین لپوا کر اس پر تل اور کُشا بچھا دی اور نہال چند

کو چارپائی سے آتار کر وهاں لٹا دیا اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھا ، پھر اس کے منه میں پچ[1] رتنی ڈالی - نہال چند نے ایک یا دو هچکیاں آور لی تھیں که اس کی جان نکل گئی - خوشحال چند 'هائے لاله جی'! که کر رویا ، اس کی بیوی نے بھی اس وقت تو ایک دو آنسو ٹپکا دیے مگر پھر اس کی خوشی[2] کا حال کچھ نه پوچھو -

صبح هوتے هی منیب نے نائی کو بلا کر کہا ''لاله کے مرنے کی ساری برادری میں خبر کر آ''۔

وہ اسی وقت سب جگه جا کر پکار آیا ''لاله نہال چند کال کر گئے هیں''۔ اور پانچ چار جاچکوں[3] کو خوشحال چند کے مکان پر لیتا آیا که وہ گانے بجانے کا شغل کریں -

اس عرصے میں خوشحال چند اپنے باپ کی لاش کے پاس عورتوں کو چھوڑ کر آپ باهر گلی میں آ کر زمین پر هو بیٹھا؛ نه بوریا بچھایا ، نه کپڑا ، برادری کے دو چار آدمی اس کے پاس آ بیٹھے - جس قدر دن چڑھتا گیا اسی قدر لوگ آتے گئے - مرد تو باهر اکٹھے هوتے گئے اور عورتوں کے غول کے غول اندر مکان میں هیرا کے پاس جمع هوئے - ان میں سے جوان عورتیں جو بہت سا زیور اور اچھے اچھے کپڑے پہن کر آئی تھیں ، کھڑی هو کر ناچنے لگیں اور هنسی ٹھٹھے کی باتوں میں مشغول هوئیں - کوئی کہتی تھی ''هے هے بڈھے ! تجھے رووین گلی کے کتے''- کوئی بولی ''کیا کہو همارے دادا جی کو دادی جی نے بلا لیا''- ایک نے مونگا سے کہا ''اری ! تو بھی داد سسرے[4] کو پیٹ لے ، پھر کب کب آویں گے''- وہ تو پہلے هی سے کھیل کود

---

۱ - مونگا ، موتی ، سونا ، چاندی اور تانبا -

۲ - هندوؤں کے هاں بڈھوں کے مرنے کی بہت خوشی هوتی هے کیوں که وہ لوگ یه خیال کرتے هیں که بڈھا آدمی اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر مرتا هے اور اپنے پیچھے سب بال بچوں کو چھوڑ جاتا هے -

۳ - طبله سرنگی بجانے والے کو هندی میں جاچک کہتے هیں -

۴ - بنیے لوگ ددیا سسرے کو داد سسرا کہتے هیں -

میں مشغول تھی ، چُہل کی باتیں کر رہی تھی ، اس قسم کی گفتگو سے آور بھی بھرا گئی، جو زبان پر آیا بول اُٹھی ۔

باہر جہاں مرد جمع تھے ، جاچک ایک طرف بیٹھے ہوئے بھجن اور راگ گا رہے تھے ، طبلہ سارنگی بجا رہے تھے ؛ یہ سب باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں مینا اور تیج رام بھی لڑکے کو لے کر آ گئے ۔ خوشحال چند نے بچے کو گود میں لے کر کہا ''بیٹا ! جنھوں نے تجھ کو بلایا تھا ، وہی نہیں رہے''۔ پھر ایک آدمی کو پکارا اور کہا ''جا اس کو گھر میں لے جا اور اس کی دادی سے کہو کہ اس کو زیور کپڑا پہنا کر دھاوڑے[۱] کو دے دے''۔

جب ٹھیک دوپہر ہوئی ، تو بجرا[۲] بن کر تیار ہوا ؛ اس کے چاروں طرف تماسی اور کناروں پر کلابتون کی جھالر لگی ہوئی تھی ، کنگوروں[۳] پر چاندی کے ورقوں سے منڈھی ہوئی کھوپرے کی بٹیاں اور چھوہارے پروئے ہوئے تھے ۔ بجرے کے تیار ہوتے ہی خوشحال چند بھدّر ہوا اور سر کے سارے بالوں میں سے چوٹی باقی رہنے دی ۔ پھر نہا دھو کر دھوتی بدلی اور جنیو[۴] گلے میں ڈالا اور کوری ٹھلیا میں پانی بھر کر کندھے پر رکھ اندر مکان میں لے گیا اور اس سے اپنے باپ کی لاش کو نہلایا ۔ پھر پنڈ دان کر کے اس کو بمان میں رکھ دیا اور اوپر سے دوشالہ ڈال کر سُتلی اور کلاوے سے باندھ دیا ۔

جب سب تیّاری ہو چکی تو ہیرا اور سونگا نے مُردے کے

---

۱ - دھاوڑا دھاۓ کا مذکر ہے ۔

۲ - دولتمند ھندو بڈھے آدمی کی ارتھی بہت سا روپیہ لگا کر تیار کراتے ہیں اور اس کی شکل کبھی بجرے اور کبھی چوکھونٹی کشتی کے طور پر بنواتے ہیں ۔

۳ - کنگورہ اصل میں کنگرہ ہے ۔

۴ - دھرم شاستر کے موافق برھمن ، چھتری اور ویش کو ایک خاص طریق سے جنیو پہننا اور گاتیری منتر پڑھنا لازم ہے مگر اب اکثر بنیے اس پر عمل نہیں کرتے اور باپ کے مرنے پر جنیو پہن لیتے ہیں ۔

پاؤں پر ایک ایک ناریل اور کچھ پیسے رکھ کر پوجا کی تاکہ اس کے قدموں کی برکت ان کے گھر سے نہ جائے۔ جب مرد لاش کو اٹھانے لگے تو خوشحالو نے آ کر اسے روک لیا اور کہا ”پہلے میرا نیگ دیتے جاؤ۔ جب میں اٹھنے دوں گی“۔

اسی وقت خوشحال چند نے اسے پانچ روپے دیے، پھر کئی آدمی بمان کو کندھے پر اٹھا کر ”رام رام ست ہیں“ کہتے ہوئے باہر نکل آئے اور جمنا جی کی طرف چلے۔ نائی اور جاچک جو باہر بیٹھے ہوئے گا رہے تھے، اپنا اپنا طبلہ سارنگی سنبھال کر سب کے آگے ہوئے اور یہ بھجن گانے لگے:

بھجن	ترجمہ اور مطلب
جیا کر سوچ بھیو! میری ناؤ پڑی منجھ دھار، جا پھنسی گہرے پانی میں۔ سوجھت وار نہ پار، اندھا دھند طوفان چلت ہے، کس بدھ اترے گی پار۔ جیا کو سوچ بھیو! الخ۔	دل کو فکر ہے، کیوں کہ میری کشتی دھارا کے بیچ میں جا پڑی ہے، گہرے پانی میں جا پھنسی، اب نہ وار دکھائی دیتا ہے، نہ پار۔ طوفان بڑی شدت سے چل رہا ہے، کشتی کیوں کر پار اترے گی۔ دل کو فکر ہے! الخ۔
سگری عمر میں نے پاپ کمائے لکھوں کروڑ ہزار، ایسے ادھم کو ٹھور کہاں ہے، تم بن تارن ہار۔ جیا کو سوچ بھیو! الخ۔	میں ساری عمر ہزاروں لاکھوں کروڑوں گناہ ہی کرتا رہا۔ اے نجات دینے والے! ایسے حقیر آدمی کو تمھارے سوا اور کون سا ٹھکانا ہے؟ دل کو فکر ہے! الخ۔
کیسے کروں اب یہ زندگانی جی کی ہو گئی جھاڑ، اپنے تھے سو بھئے بیگانے، دشمن ہو گئے یار۔ جیا کو سوچ بھیو! الخ۔	کیا کروں یہ زندگی تو جی کا جھاڑ ہو گئی، جو اپنے تھے وہ بیگانے ہو گئے، جو یار تھے وہ دشمن ہو گئے۔ دل کو فکر ہے! الخ۔

بھجن	ترجمہ اور مطلب
وشن بھگت کو چت سے تارو ، ھر کی اور پکار ، ادھم ادھارن پار کریں گے ، گن اوگن نہ بچار - جیا کو سوچ بھیو ! الخ -	اے وشن خدا کو یاد کر کے اس جہان کا خیال دل سے چھوڑ دے - جو حقیر آدمی کو بخشتے ھیں ، وھی نجات بھی دیں گے اور اچھے برے عمل کا خیال نہیں کرنے کے - دل کو فکر ھے ! الخ -

نائی اور جاچک دس دس قدم پر ٹھہرتے جاتے تھے اور بھجن گاتے جاتے تھے اور جب ایک جگہ کھڑے ھو کر گا چکتے تھے اور آگے بڑھنے کا ارادہ کرتے تھے تو ایک آدمی نہال چند کی لاش پر سے سکھانے اور گوٹے کے پھول نثار کر دیتا تھا -

دولت رام پیادہ پا اور اس کا بیٹا ایک آدمی کے کندھے پر چڑھا ھوا ، دونوں مردے کے کان میں گھنٹے بجاتے جاتے تھے - بہتیری عورتیں بچوں کو لے کر گلی کوچوں کے دروازوں پر تماشا دیکھنے آ کھڑی ھوئیں اور سکھانے اٹھا کر اس خیال سے لڑکوں کو کھلانے لگیں کہ ان کی عمر بڑی ھو -

جب مرد لاش کو لے کر چلے گئے تو عورتیں ھنستی بولتی ، ٹھٹھے مارتی مردوں کے پیچھے ھو لیں اور دس دس قدم پر ٹھہر ٹھہر کر جمنا جی تک ان کے ساتھ چلی گئیں -

جس وقت سب لوگ جمنا جی پر پہنچ گئے تو خوشحال چند مردوں کو لے کر مرگھٹ کی طرف چلا گیا اور عورتیں ان سے علاحدہ ھو کر جمنا جی میں نہانے لگیں ، پھر کپڑے سکھا کر گھر کا رستہ لیا ، اور ایک نائن کے پیچھے یہ گیت گاتی ھوئی چلی آئیں :

راگ	ترجمہ اور مطلب
نائن - ھے[1] ھے بابا! رنوں نے مارے سواتی ، چکلا مارا ، بیلن مارا اور ماری چنواتی ، دھوتی رنوں دی چھاتی ، رنوں نے مارے سواتی -	نائن کہتی ھے - ھے صاحب! عورتوں نے سواتیوں کو مارا! چکلا اور بیلن اور جلتی ہوئی لکڑی ماری ، آفرین ھے عورتوں کی چھاتی کو ، انھوں نے سواتیوں کو مارا -
عورتیں - ھے ھے بابا ، رنوں نے مارے سواتی -	عورتیں بولتی ھیں ، ھے ھے صاحب عورتوں نے سواتیوں کو مارا -

مرد بھی لاش پھوک چکے تو جمنا جی میں نہائے اور نہا دھو کر گھر کی طرف چلے - رستے میں اور بہتیرے آدمی جو لاش کے ساتھ نہیں گئے تھے ، آ ملے اور خوشحال چند سے کہنے لگے ”کیا کہو صاحب - بڑوں کا بیٹھا رھنا ھی بڑی بات ھے - کیا ھوا تھا ؟ کچھ بیمار رھے تھے ؟“

اس میں ان کا منیب بولا ”رائے صاحب بڑے بھاگوان تھے ، اس اسّی برس کی عمر میں کیسی کاٹھی تھی ، روز جمنا جی نہانے چلے جاتے تھے“۔ ایک اور بولا ”جبھی تو کچھ دکھ نہ دیکھا ، نہیں تو مہاراج ! سہینوں گھر میں پڑے ھوئے سڑا کرتے ھیں - یہ جمنا جی ھی کی کرپا ھے کہ پرسوں ذرا بیمار پڑے اور آج چل بسے - خوشحال چند جی کا اور ان کا اتنا ھی سنجوگ تھا“۔

اس قسم کی باتیں کرتے ھوئے سب کے سب خوشحال چند کے گھر تک آئے - خوشحال چند نے آتے ھی پہلے اپنی گیلی دھوتی اس

---

۱ - کہتے ھیں کسی جگہ سواتیوں نے ڈاکا ڈالنا چاھا تھا ، مگر وھاں کی عورتوں نے انہیں مار کر بھگا دیا - اس گیت میں وھی بیان ھے اور دستور ھے کہ ادنیٰ ادنیٰ امر پر گیت بن جاتا ھے -

جگہ ڈال دی جہاں اس کا باپ مرا تھا اور پھر باہر آ کر سب کو سلام کرکے رخصت کیا ۔

جب سب لوگ چلے گئے تو خوشحال چند دیوان خانے کے صحن میں شطرنجی بچھا کر ہو بیٹھا اور منیب سے کہنے لگا "منیب جی! آج تو ہم بہت تھک گئے"۔

وہ بولا "لالہ صاحب! مُردے کے ساتھ آدمی مُردہ ہو جائے ہے اور آپ تو رات بھر کے جاگے بھی تھے"۔

جب شام ہوئی تو اچارج نے آ کر اس مقام پر جہاں نہال چند مرا تھا ، ایک بڑا چراغ جلایا اور گھر والوں سے کہا "اس دے کو دیکھتے رہنا ، یہ بجھنے نہ پاوے"۔

اتنے میں ایک عورت نے پوچھا ۔ "مشر جی! یہ دیا کیوں جلایا کریں ہیں"۔

اچارج نے جواب دیا "جب پران یہاں سے نکل جاتا ہے تو اس کو اندھیرے جنگل میں جانا پڑتا ہے ، جو اس کے پاس دیا نہ ہو تو رستہ ٹٹولتا ہی مر جائے"۔

اچارج چراغ روشن کر کے چلا گیا اور اس کے جاتے ہی برادری کے دو چار آدمی ان کے مکان پر آئے اور چولھے میں آگ سلگوا گئے ۔

چار روز تک اچارج صبح ہی آیا اور پنڈ دان کرا کر چلا گیا ۔ خوشحال چند بھی روز صبح اور شام جمنا جی پر گیا اور ٹھلیا میں پانی بھروا آیا اور عورتوں میں اس عرصے تک خوب ناچ گانا رہا ۔

چوتھے روز صبح ہی اچارج آیا اور پنڈ دان کرا کر خوشحال چند کو جمنا پر لے گیا اور جلی ہوئی لاش کی راکھ ہڈیوں سے جدا کر کر اس کے ہاتھ سے دریا میں پھکوائی ، پھر ہڈیوں کو ایک تھیلے میں بھر کر کسی آدمی کے ہاتھ گنگا بھیج دیا اور اپنے پروہت کے نام اس مضمون کی چٹھی لکھ دی کہ ان ہڈیوں کو تم اپنے سامنے گنگا جی

میں ڈلوا دینا اور ہماری چٹھی کا جواب بھیج دینا ۔

وہ آدمی تو چٹھی لے کر وہیں سے سیدھا گنگا جی کو روانہ ہوا اور خوشحال چند نہا دھو کر اپنے گھر آیا ۔

نائی پہلے ہی برادری کے لوگوں میں سب جگہ پکار آیا تھا ''آج اٹھانی ہے'' دوپہر کے بعد سب لوگ آئے اور شطرنجی کی پٹیوں پر جو خوشحال چند کے گھر کے آگے گلی میں دو طرفہ آمنے سامنے بچھی ہوئی تھیں ، بیٹھ گئے ۔

تھوڑی دیر بعد لچھمی داس نے کچھ روپے نقد اور ایک پگڑی پیش کی ۔ نائی نے بلند آواز سے کہا ''لالہ لچھمی داس اتنے روپے اور ایک پگڑی دیویں ہیں''۔ یہ کہ کر دونوں چیزیں خوشحال چند کے آگے رکھ دیں ؛ پھر کسی نے روپے اور پگڑی اور کسی نے صرف نقد روپیہ دیا ۔ خوشحال چند نے اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے دامادوں کو اور ہیرا نے اپنے ہاں کی لڑکیوں کو روپے دیے ''۔

پھر خوشحال چند سب لوگوں کے ساتھ دیوان خانے میں گیا ۔ منیب نے کوٹھی کھولی ، بستا بچھایا اور چٹھا اٹھا کر خوشحال چند کے ہاتھ سے کچھ لکھوا لیا ۔ اس کے بعد خوشحال چند نے ایک ایک کو سلام کرکے رخصت کیا ۔ پھر جہاں جہاں اپنے باپ کی خبر بھیجنی منظور تھی ، وہاں چٹھیاں لکھ بھیجیں اور ہر ایک چٹھی کا تھوڑا سا کنارا پھاڑ ڈالا کہ پڑھنے والا چٹھی کے کھولتے ہی جان جائے کہ اس میں کسی کی موت کی خبر ہے ۔

دسویں روز خوشحال چند نے دس پنڈ دان کیے اور گیارھویں دن اچارج کو بلا کر لحاف ، توشک ، پلنگ اور نئے کپڑے ، چاندی کا حقہ ، پالکی اور اور بہت سی چیزیں اس کے حوالے کیں اور اسی پلنگ پر بٹھا کر پہلے اسے کچھ مٹھائی کھلائی ، پھر سارا اسباب دے کر رخصت کیا ۔ اس میں دولت رام اپنے باپ سے پوچھنے لگا ''لالہ جی یہ اسباب کیوں دیں ہیں ؟''

وہ بولا ''بھائی! جب اس شریر میں سے پران نکل جائے ہے تو اُس کا کوئی شریر نہیں رہتا اس لیے دس دن تک پنڈ دان کر کر اُس کا ایک شریر بناتے ہیں ، پر پورا شریر اُس کو دسویں دن ملے ہے - جب شریر بنا تو اس کو سب ہی چیزیں چاہییں ، اس واسطے گیارھویں دن اس کے نام پر یہ سب اسباب اچارج کو دیا جاتا ہے کہ اس کو پہنچ جاوے اور وہ کچھ دکھ نہ پاوے''۔

ان چیزوں کے سوا خوشحال چند نے اور بھی بہت سا کچھ صرف کیا ، تمام برادری اور صرّافے میں مگد[1] بنوا کر بانٹے -

جب خوشحال چند کریا کرم سے فارغ ھوا تو پھر معمولی پوشاک پہنی اور کام بدستور جاری کر دیا -

نہال چند کو مرے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ایک روز رات کے وقت ھیرا نے خوشحال چند سے کہا ''اب چھورے کی لینی[2] کر لو ، پر اس کا پرچنا مشکل ہے ، جو بہو کچھ دنوں اپنے باپ کے ھاں جا کر رہے اور چھورے کو روز اپنے پاس بلا کر رکّھے تو اچھی بات ہے''۔

خوشحال چند بولا ''تو بہو کو گاؤں بھیج دو ''۔

اس کے کہنے کے موافق ھیرا نے سونگا کو گاؤں کی طرف روانہ کیا اور کہ دیا ''بہو جہاں تک ہو سکے، چھورے کو اپنے سے پرچا لیجو'' اور ایک نوکر بھی اُس کے ساتھ کر دیا کہ شاید لڑکا اس سے ھل جائے -

سونگا کو گاؤں گئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ وہاں جنگل میں کنجروں کا ایک ٹانڈا آ پڑا - پہلے تو سب نے اپنی اپنی سرکیاں ڈال لیں ، پھر کچھ آدمی گاؤں میں چوری کا مال بیچنے چلے گئے اور بعض ادھر اُدھر بھیک مانگنے لگے ، کوئی جنگل میں دھونی

---

۱ - ایک قسم کی شیرینی ہوتی ہے جو میدے ، گھی اور کھانڈ سے بنتی ہے -
۲ - بچے کو دایہ کے ھاں سے لینے کو لینی کی رسم کہتے ہیں -

رما بیٹھا اور طرح طرح کے فریب کی باتیں کر کے لوگوں کا مال ہتھیانے لگا ، کوئی فقیر کا بھیس بدل بدن میں بھبوت رما بیٹھا اور جٹا چھوڑ ہاتھ میں تونبا یا چمٹا لے گاؤں میں الکھ جگانے لگا ۔ اُن کی عورتیں بھی بھیک مانگتی ہوئی گاؤں میں جاتیں اور جو کچھ ہاتھ لگتا ، آنکھ بچا کر اُٹھا لاتیں اور اگر کسی بچّے کو گلی میں زیور پہنے ہوئے کھڑا دیکھتیں تو تاک لگا کر کسی نہ کسی طرح سے اس کا زیور اُڑا لاتیں ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی کنجر گاؤں میں کسی شخص سے کچھ خریدنے جاتا اور سودا چکاتا ؛ اتنے میں ان کے گروہ کے بہت سے آدمی وہاں آ کر موجود ہو جاتے اور اس شخص کو دھوکا دے کر زیادہ لینا چاہتے ، اگر وہ ٹھنڈے کلیجے دے دیتا ، تو خیر ، ورنہ اپنے بچّوں کو اُس کی دکان کے آگے زمین پر پٹخ دیتے اور واویلا مچاتے ۔ اس صورت میں وہ شخص ناچار ہو کر یا تو اُنھیں کچھ زیادہ دے دیتا یا قیمت پھیر کر اپنے مال سے ہاتھ دھو بیٹھتا ۔ اگر ان کی عورتیں چوری کرتی ہوئی پکڑی جاتیں ، تو وہ حیلے بہانے سے بھاگ جاتیں ، یا اُن کے خاوند دوڑے آتے اور فریب اور خوشامد کی باتیں کر کے اُنھیں چھڑا لے جاتے ۔

ایسی ایسی دغا بازیوں سے ان کنجروں اور کنجریوں نے سورج پور میں سے بہت سا مال اُڑایا ۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت کروڑی مل اور اور بچے مینا کے گھر کے باہر کھیل رہے تھے ، ایک کنجری ادھر سے گزری اور کروڑی مل کو پکڑ کر اس کے کڑے اُتار لے گئی ۔ وہ اسی وقت روتا ہوا مینا کے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے کر کر کہنے لگا ”اماں ہاؤ! کڑولے“ اس میں ایک اور لڑکا بھاگا ہوا آیا اور کہا ”کنجری نے“۔

مینا اس کے ننگے ہاتھ دیکھ کر گھبرائی اور مکان کے باہر آ کر چیخنے لگی ”دیکھو تو ابھی رانڈ ٹوک مانگتی آئی تھی ؛ پل بھر نہیں ہوا ، چھورے کے کڑولے اُتار لے گئی ، اس کا ستیاناس جائے ، نپوتی رانڈ روز آ کر یہی کر جاتی ہے ۔ کوئی مرتا جیتا گاؤں میں ایسا نہیں جو ان کی خبر لے“۔

سینا کی یہ آواز سن کر اور دو چار عورتیں اپنے اپنے گھر سے باھر نکل آئیں اور ھاتھ مل مل کر کہنے لگیں ''کیا کہو بہن ، جانے یہ رنڈیاں کہاں سے دکھ دینے آ گئی ھیں، سب کو گاؤں میں ستا رکّھا ھے ''۔

اتفاقاً دولت رام بھی گاؤں میں اپنے سسرے کے پاس آیا ھوا تھا ، اُس نے جونھیں یہ خبر سُنی، دوڑا ھوا سینا کے مکان پر آیا اور لڑکے کو روتا ھوا دیکھ کر گود میں اُٹھا لیا اور چھاتی سے لگا کر پیار کیا ۔ سینا اس سے کہنے لگی ''لالہ جی بھگوان کو میرا منہ اجلا کرنا تھا ، جو آج چھورا بچ گیا ۔ اس رنڈیا نے تو کچھ بات چھوڑی نہیں تھی ، وہ تو بہت سے چھورے کھیل رہے تھے ، نہیں تو پکڑ کر اسے جھولی میں ڈال لیتی ''۔

وہ بولا ''چودھرائن ! اس طرح بالک کو نہیں چھوڑ دیا کرتے ۔ خیر اب جو کچھ ھوا سو ھوا ، آگے کو چوکس رھیو ''۔

شام کو جب تیج رام گھر آیا اور حقّہ بھر کر چوپاڑ میں جانے لگا ، سینا نے اس سے کہا ''آج رام جی نے بڑی خیر کی ، ھارا کالا منہ نہیں ھونا تھا ، نہیں لینے کے دینے تو پڑ گئے تھے ؛ کھلانے کا نام نہ ھوتا رلانے کا ھو جاتا ، سب یہی کہتے ، جو کچھ کیا ان جاٹوں نے کیا ''۔

وہ بولا ''بتا تو کیا ھوا ؟''

سینا غصّے میں آ کر بولی ''ھوا کیا ؟ میرا مونڈ ، کیا تینے ابھی نہیں سنی؟''

وہ بولا ''اپنے ڈھوروں کی سوں ! بابا کی سوں ! میں نے نہیں سنی ''۔

وہ بولی ''آج چھورا رام کے گھر سوں پھرا ھے ۔ ایک رانڈہ کنجری اُس کے کڑولے اتار کر لے گئی ۔ کوئی ھارا پُن آڑے آ گیا ، نہیں یہ رنڈیاں تین برس کے بالک کو کیا چھوڑے ھیں ، جھولی میں ڈال کر لے جائیں ھیں''۔

یہ بات سنتے ہی تیج رام کچھ مست ہو گیا اور بولا ''دیکھ جو کل ہی ان کے ڈیرے یہاں سے نہ اکھاڑ دوں تو جاٹ مت کہیو''۔

پھر وہ چوپاڑ میں چلا گیا اور اور جاٹوں سے جو وہاں بیٹھے تھے کہنے لگا ''میں تم سے روز کہوں تھا ، ان کنجروں کا گاؤں میں آنا اچھا نہیں ہے۔ آج ہمارا چھورا گھر کے باہر کھیلتا پھرے تھا ، ایک رانڈ آئی ؛ پہلے تو اندر باکھل[1] میں گئی اور وہاں سے ٹوک لے باہر آئی ، وہاں چھورے کا گلا بھینچ کر کڑو لے اتار لیے۔ جانے یہ یہاں کیوں آ گئے ہیں''۔ پھر گاؤں کے چودھری کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''جو تو کچھ کرے تو ہوئے، ان کو یہاں سے کیوں نہیں نکال دیتا ؟''

یہ سن کر گاؤں کا پٹواری بولا ''تیج رام سچا ہے۔ تم نے سنا نہیں ، ایک دفعہ ان کنجروں نے رتن پور کے باہر ڈیڑے ڈالے۔ پہلے اپنی بیروں کو گاؤں میں بھیک مانگنے کو بھیجا ، وہ سارے گاؤں میں پھریں۔ ایک کنجری کسی سنار کے مکان میں گھس کر ، اس کا سارا بھید جان گئی۔ پھر اپنے مردوں سے آ کر کہا 'جو کوئی دوپہر کو لگائی کا بھیس بدل کر اس سنار کے گھر جائے تو گھنا مال ہاتھ لگے۔ سنار باہر کے دالان میں بیٹھے ہوئے گھوڑ رہے ہوں گے ، وہ چلا جائے ، جو بیروں کو جاگتا پائے تو کچھ بہانہ کر چلا آئے اور جو وہ سوتی ہوں اور سوتی تو ہوں ہی گی ، گرمی کے دن ہیں ، وہ اندر ایک کوٹھڑی میں چلا جائے ، وہاں چنے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر رات تک چپکا کوٹھڑی میں بیٹھا رہے ، پھر جب سب سو جائیں ، تو کوٹھڑی میں سے باہر آوے اور جو مال ملے لے کر چلا آئے'۔ چودھریوں ! ان میں سے ایک کنجر نے یہی کیا۔ تین دن تک اس کوٹھڑی میں سے نکلنے کا کوئی ڈول اسے نہ سوجھا۔ تیسری رات وہ پانسو روپے کا اسباب لے کر باہر نکل آیا۔ سویرے سناروں نے جو

---

[1] ۔ صحن ۔

اپنے صندوق دیکھے تو سر پیٹنے لگے ۔ دوسرے دن رات کو وہی کنجر جاٹنی کا بھیس بدل کر برابر کے مکان میں گیا اور ایک عورت کو سوتا ہوا دیکھا ۔ اس کی نتھ میں تانت باندھنے لگا اور یہ چاہے تھا کہ باہر جا کر تانت کھینچ لے اور نتھ لے کر بھاگ جائے ۔ پر وہ عورت جاگ اٹھی اور بہت رَولا کیا ، کنجر بھاگا ، پر اس عورت کے مالک نے جا کر اُسے کھائی کھودتے ہوئے پکڑا اور مشکیں باندھ چوپاڑ میں لے آیا ، وہاں اُس کو بہت سا مارا ۔ سنار بھی آیا اور کہنے لگا 'ارے ! اسی حرام زادے نے میرا مال لیا ہے ۔ چوتھا دن ہے ، میں نے دوپہر کو ایک عورت اسی طرح کپڑے پہنے اپنے گھر میں جاتے ہوئے دیکھی تھی ۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ یہ کنجر ہے اور ہم نے پیچھے چنوں کی کوٹھڑی کو دیکھا تو اُس میں روٹی کے ٹکڑے پڑے ہوئے پائے '۔ پھر اُنھوں نے اس کنجر کو پیٹ پاٹ کے چھوڑ دیا ۔ سو بھائی ان کا نکال دینا ہی اچھا ہے''۔

اس گفتگو کے بعد سب جاٹوں کی یہ صلاح قرار پائی کہ جس طرح ہو سکے ، کنجروں کو اُٹھاویں ۔ دولت رام کا سُسرا لچھمی داس یہ بات سُن کر بہت گھبرایا اور کہنے لگا ''ارے ! کنگالوں کو گاؤں سے کیوں نکالو ہو ؟ کیا تمھارا یہی دھرم ہے''۔

اس کا یہ کہنا اس وجہ سے تھا کہ اُسے ان کنجروں کے رہنے سے بہت فائدہ تھا اور وہ اُن سے چوری کا مال بہت سستا خرید لیا کرتا تھا ۔ جب تیج رام نے لچھمی داس کی گفتگو سُنی تو بولا ''لالہ ! جو آج کو کچھ اچھّی بُری ہو جاتی تو تم سے کوئی نہیں پوچھتا ، چھورا کہاں گیا ؟ سب یہی کہتے ، جاٹوں نے چھورا مروا دیا ۔ کیا آج کا تم کو بیورا نہیں ہے؟''

یہ سن کر لچھمی داس خاموش ہو رہا ۔ اتنے میں نمبردار بولا ''ارے بھائی ! اُس نے تو ان سے چوری کا مال خریدا ہے ، یہ تو چور کا بھائی گھٹی چور ہے ۔ دیکھو کل اُن کنجروں کو اور اسے پولیس دار کے پاس لے جائیں گے''۔

اس گفتگو سے لچھمی داس ڈرا اور کہنے لگا ''بھائی ! ہم تم تو ایک ہی تھیلی کے بٹّے ہیں ۔ ہمیں کیا ، ہماری طرف سے تم اُن کو آج ہی نکال دو ، گاؤں کے مالک ہو ، چاہے تلوار سے ان کا سر کاٹ ڈالو ، ہم تو تمھاری رعیّت ہیں ''۔

نمبردار بولا ''کل معلوم پڑے گی ، جب چوری کا سارا مال نکلوایا جاوے گا ۔ کنجروں کو گھر میں بٹھا بٹھا کر بہت مال خریدا ہے ''۔

پھر تو لچھمی داس کے ہوش اُڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد نمبردار سے کہا ''چودھری ! ہماری تو سُن'' اور آسے الگ بلا کر پانچ روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے ، پھر بولا ''چوپاڑ میں بیٹھ کر ایسی بات نہیں کہیں ہیں ''۔

نمبردار نے دیکھا کہ بنیا دب گیا ، جھٹ پانچ روپے پھیر دیے اور کہا ''اس سے کیا ہوئے ہے ؟ ہزار روپے کا فائدہ تجھے ہوا ہے ، پانسو ہمیں بھی دے اور پانسو نہ دے ، تو سو سے کم تو ہم لیتے بھی نہیں ۔ کیوں کر پانچ روپے لے کر اپنا نام رشوت کھانے والوں میں گنوا دیں ؟ جھوٹا بھی کھائے تو میٹھے کے لالچ ''۔

بنیے نے اس کی بڑی خوشامد کی اور پچّیس روپے دے کر اپنے گھر چلا گیا ۔

دوسرے روز گاؤں کے بہت سے جاٹ مل ، کنجروں کے ڈیروں پر گئے اور ان سے کہا '' تم یہاں سے چلے جاؤ ، نہیں تو ہم لٹھوں کے سارے سب کی کھوپریاں پھوڑ دیں گے یا پولیس دار کو بلا کر سب کو گرفتار کرا دیں گے ''۔

وہ بولے ''چودھری ! ہم نے کیا کیا ہے ؟ جو تمھاری یہ مرضی ہے تو لو ابھی چلے''۔ یہ کہ کر انھوں نے اپنا ساوا اسباب گدھوں پر لادا اور کسی اور طرف کا رستہ لیا ۔

انھیں گئے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ گاؤں میں ایک

آور آفت آئی ۔ اتفاقاً ایک روز رات کے وقت سورج پور سے کچھ فاصلے پر جنگل میں ایک نالے کے اندر چار قسم کے آدمیوں کی آپس میں ملاقات ہوئی؛ ایک مینا تھا، ایک گوجر، ایک میو اور ایک رانگھڑ۔ مینا بولا ''یارو! اب تو بہت دن سے کچھ مال ہاتھ نہیں لگا''۔

رانگھڑ کہنے لگا ''اور وہ اونٹ کہاں سے لایا تھا''۔

مینے نے کہا ''اونٹ کی جو پوچھے تو ہمارے بہنوئی نے ہم سے ایک اونٹ مانگا تھا ۔ کسی ساہوکار کے اونٹ سڑک پر چلے جائیں تھے، ہمیں اُن میں سے ایک اونٹ اچھا معلوم ہوا، دن بھر ہم اُس کے پیچھے پیچھے رہے، جب رات ہوئی تو اونٹ والا پڑاؤ میں جا کر اُترا، ہم بھی وہیں جا پڑے ۔ جب آدھی رات آئی اور رکھوالا سو گیا تو ہم نے اُس اونٹ کی رسّی کاٹی اور نکیل میں تار باندھ کر دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے، باہر نکل آئے اور تار کے سہارے اونٹ کو بھی باہر بلا لیا ۔ پھر سوار ہو کر صبح ہوتے ہوتے تیس کوس نکل گئے اور جس نے اونٹ مانگا تھا، اُسے دے دیا اور وہاں سے دوسرا اونٹ لے شام تک اپنے گھر آ گئے ۔ سو وہ اونٹ تو ہمارے پاس نہیں رہا، اب بتاؤ کیا کریں؟''

گوجر بولا ''یارو یہیں سورج پور میں ایک ساہوکار بڑا مالدار ہے، کل جو میں گاؤں میں گیا اور ایک کمہار کے مکان کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا تو کمہاری اس سے باتیں کر رہی تھی ۔ اتنے میں پوچھنے لگی 'یہ انگوٹھی تو کہاں سے لایا؟' کمہار نے کہا 'ہمارے لالہ جی نے دی ہے ۔ کنجر جو گاؤں میں پھرا کریں تھے، ان سے لالہ نے بہت مال مول لیا ہے ۔ میں پانی کے گھڑے لے کر جو اوپر گیا تو دیکھا، لالہ جی کی کوٹھڑی کے آگے جہاں لالہ سویا کرے ہیں، سونے چاندی کا بہت سا مال پڑا ہے اور لالہ اس کو کانٹے میں تول رہے ہیں ۔ میں نے یہ انگوٹھی دیکھ کر ان سے کہا ۔ 'لالہ جی! یہ انگوٹھی مجھے دے دو'۔ انھوں نے کہا 'یہ پرائی چیز ہے، پر تجھے مول دلا دیں گے'۔ سو انھوں نے دو روپے کو دلوا دی اور کہا 'کسی سے کہیو مت' ''۔

گوجر کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب ساھوکار کا مال لوٹنے پر مستعد ھو گئے - سیو نے کہا ''چلو کُوتھل دو''۔

گوجر نے بھی یہ بات مان لی - اتنے میں مینا بولا ''یارو ! تم دونوں کُوتھل دینے کے بڑے دھنی ھو، پر یہ تو بتاؤ، اس ساھوکار کے مکان کی چھت پر کوئی سوری بھی ھے ؟ جو سوری ھووے تو ریشم کا رسّا اور گوہ میرے پاس ھے - گوہ سوری میں جا کر ایسی چمٹے ھے کہ پھر وھاں سے نہیں ھٹے ھے - میں رسّا اس میں باندھ کر اوپر چڑھ جاؤں گا - تالیوں کا گچھا مجھے دے دینا اور کُوتھل میں تو بڑی مشکل ھے، جو چوکیدار نے دیکھ لیا تو جاگ ھو جائے گی''۔

رانگھڑ نے کہا ''بھئی ! ھمیں تو اس کی حویلی میں کوئی سوری نہیں معلوم ھوتی''۔

گوجر بولا ''یہاں کیوں باتیں بناؤ ھو - چلو تو وھاں چل کر دیکھ لیجیو''۔

اس گفتگو کے بعد سب روانہ ھوئے اور جونھیں نالے سے باھر نکلے، وھیں ایک کُوتری کی آواز ان کے کان میں پہنچی - یہ آواز سنتے ھی سب کے سب نہایت خوش ھوئے اور کہنے لگے ''سار لیا ھے، سوتا پاوے گا، بھلا کُوتری کا بولنا بھی کبھی خالی جائے ھے''۔

گوجر بولا ''یاروں ! آج کا دن خالی نہیں جائے گا - جب میں گھر سے نکلا تھا تو بائیں تیتر بولا تھا اور لوگ کہا کریں ھیں 'کھیت سیت گھر دائیں، بائیں بنج کرائے' (یعنی اگر کوئی شخص کھیت پر جانے کا ارادہ کرے، یا کسی سے ملنے کو یا گھر کی طرف جائے تو دائیں طرف تیتر کا بولنا اچھا ھوتا ھے اور بنج بیوپار کو جائے تو بائیں طرف)''۔

یہ کہتے ھوئے سب کے سب آگے بڑھے - یکایک بائیں طرف سے گیدڑ بولا - رانگھڑ نے گیدڑ کی آواز سن کر کہا ''پڑے سوذی بنیے کے گھر پر''۔

گوجر نے کہا ''ارے بائیں بولا ہے کیا ڈر ہے - بنیا لہو چاٹے گا ''۔

اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے وہ سورج پور میں پہنچ گئے - میو نے نقب لگانی شروع کی اور اس کے یار ایک طرف چھپے ہوئے کھڑے رہے - جب کُوسھل لگ چُکی تو پہلے انھوں نے ایک لکڑی کے سرے پر ہانڈی رکھ کر اس کو اندر کی طرف بڑھایا کہ شاید اگر کوئی آدمی اندر جاگتا ہو اور حملہ کرے تو ہانڈی پر رُکے مگر وہاں کون تھا ، گھر میں سب بے ہوش پڑے سوتے تھے ، کسی کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی -

اس کے بعد سینا پُٹھوال[1] بن کر باہر کھرا رہا ، باقی تینوں مکان کے اندر گئے اور رستے میں جہاں جہاں کواڑوں کی جوڑیاں چڑھی ہوئی دیکھیں ، آتار ڈالیں - پھر مال کی کوٹھڑی کی طرف گئے تو دیکھا کہ لچھمی داس اور اس کی بیوی دونوں بے خبر پڑے سوتے ہیں - انھوں نے کوٹھڑی کا قفل ایسی کاریگری سے توڑا کہ ذرا بھی آواز نہ ہوئی اور گوجر ایک ننگی تلوار لے کر اس بنیے کے سرہانے جا کھڑا ہوا - میو کوٹھڑی کے اندر گیا اور جو جو مال ہاتھ لگتا گیا ، وہ لا کر رانگھڑ کو دیتا گیا - جب بہت سا مال جمع ہو گیا تو رانگھڑ نے باہر لے جا کر سینے کے حوالے کیا اور وہ جنگل میں ایک جھاڑی کے اندر رکھ آیا -

آدھے اسباب کے قریب نکل گیا تھا کہ لچھمی داس جاگ اٹھا مگر ننگی تلوار دیکھ کر چُپکا پڑا رہا ، دم نہ مارا ! پھر اپنی بیوی کے چٹکی لی ، اس کے کلبلانے کی آہٹ سُن کر چوروں کے بھی ہاتھ پاؤں

---

۱ - جب کئی آدمی کسی مکان میں چوری کرنے جاتے ہیں تو وہ اپنے میں سے ایک شخص کو طاقت ور دیکھ کر اس مکان کے باہر کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ اگر کوئی شخص اس کے سامنے آئے یا چوروں کے مقابلہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ وہیں اس پر ہتھیار چلائے اور اپنے رفیقوں کو بچائے - اسی شخص کو چوروں کی اصطلاح میں پٹھوال کہتے ہیں -

بُھول گئے اور وھاں سے چلنے کی تیّاری کی ۔ سینا ، گوجر اور سیو تو اس مکان میں سے نکل گئے مگر رانگھڑ کچھ ٹٹولتا رہ گیا اور چاھتا تھا کہ نکل جائے ، اتنے میں لچھمی داس پکار اٹھا ”ارے! لوٹ لیا ھے رے ۔ میرا کلیجہ نکال کر لے جائیں ھیں ۔ دوڑیو ۔ کوئی آئیو!“

اس کی آواز سُنتے ھی کئی جاٹ اپنے اپنے لٹھ لے کر آئے اور رانگھڑ کو پکڑ کر چوپاڑ میں لے گئے ۔ پھر تو بنیا اپنی دھوتی سنبھال کر خوب پھیلا اور رانگھڑ کو بُرا بھلا کہنے لگا ۔ اس میں جاٹوں نے رانگھڑ کو نیم میں لٹکا کر کہا ”تو اپنے ساتھ والوں کو بتا ، کہاں ھیں؟“

مگر اس نے کسی کا نام و نشان نہ بتایا اور یہی کہتا رہا ”میں اکیلا ھی تھا“۔

جاٹوں نے چاھا کہ اس کا سر کاٹ ڈالیں اور کسی کو خبر نہ ھو مگر پہلے سب کے سب چوپاڑ میں بیٹھ کر اس مقدمے میں مشورہ کرنے لگے اور رانگھڑ کو نیم ھی سے بندھا رھنے دیا ۔

اس عرصے میں سینا تمام اسباب نالے میں رکھ اور گوجر اور سیو کو وھاں چھوڑ پھر گاؤں میں آیا اور رانگھڑ کو نیم سے بندھا ھوا دیکھ کر چپکے سے چوپاڑ کی چھت پر چڑھ گیا اور اوپر ھی سے تلوار مار کر جس رسّے سے رانگھڑ بندھا ھوا لٹکتا تھا ، اسے کاٹ ڈالا ۔ رسّا کٹتے ھی رانگھڑ زمین پر گرا ، سینا بولا ”ارے بھاگ“۔

اس آواز کا نکلنا تھا کہ دونوں بھاگے اور جاٹ ان کے پیچھے دوڑے ۔ لچھمی داس تو پیٹ پکڑے ھوئے روتا پیٹتا ادھر ادھر پڑا ھی پھرتا تھا ، رستے میں سینے کو مل گیا ۔ اس نے ایک ایسی تلوار ماری کہ لچھمی داس بے ھوش ھو کر زمین پر گر پڑا ۔ پھر سینا اور رانگھڑ ایسے لپکے کہ کسی کے ھاتھ نہ آئے اور نالے میں جا چھپے ۔

دولت رام اور گاؤں کے کئی جاٹ لچھمی داس کو اٹھا کر گھر لے گئے مگر اس میں کیا باقی رھا تھا ، چار پانچ گھڑی کے بعد اس

کی جان نکل گئی ، لینے کے دینے پڑ گئے ۔ اس وقت سب لوگ اپنی اپنی گفتگو کرنے لگے ؛ کوئی کہتا تھا ''بھئی ! چوروں نے بڑا غضب کیا ، دیکھو ایک تو بنیے کا مال لیا ، دوسرے جان بھی نہ چھوڑی''۔ کوئی بولا ''جب سے وہ کنجر یہاں آئے تھے ، گاؤں میں چوریاں ھی ھونے لگیں ۔ بھگوان اپنی دیا ھی رکھّے''۔

تھوڑی دیر میں صبح ھو گئی ۔ گاؤں کے لوگ جنگل میں جا کر لچھمی داس کو پھونک آئے ۔

جب یہ خبر خوشحال چند کو پہنچی تو وہ دوڑا ھوا گاؤں میں آیا اور اپنے سمدھی کی کریا کرم کرا کر اس کی ساری دولت جو باقی رھی تھی اور حساب کی بہیاں اپنے ساتھ لے کر دھلی چلا گیا اور چوروں کے ڈر سے اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لیتا گیا مگر لچھمی داس کی بیوی بچّوں کی کچھ خبر نہ لی اور انھیں وھیں پڑا رھنے دیا ۔

لچھمی داس کی بیوی کو مدت تک یہ توقع رھی کہ جب میرے لڑکے ھوشیار ھو جائیں گے تو خوشحال چند سارا مال جو یہاں سے لے گیا ھے ، انھیں حوالے کر دے گا مگر خوشحال چند نے ان کے ساتھ بڑی دغا کی ؛ ایک ایک کوڑی کو انھیں رُلایا ، برادری کے لوگوں نے بہتیرا سمجھایا مگر اسے ذرا رحم نہ آیا ۔ لچھمی داس کی بیوی نے چکّی پیس کر اپنی اور اپنے بچّوں کی پرورش کی ؛ یہ دیکھ کر اس کے رشتہ داروں کا کلیجا پھٹا جاتا تھا ، سب کی زبان سے یہی نکلتا تھا ''رانڈ کی آہ بُری ھوتی ھے ، کسی نہ کسی دن ان کو لے بیٹھے گی ، بھلا اس کا مال کیا ھضم ھو سکتا ھے پر سمجھاوے کون ؟ سدا سے حرام کا مال کھاتے رھے ھیں ، وھی لپکا پڑا ھوا ھے''۔

لچھمی داس کو مرے ھوئے تھوڑا ھی عرصہ گزرا تھا کہ خوشحال چند نے دولت رام کے لڑکے کے لینے کا مہورت دکھایا اور مہورت کے دن سے چار پانچ روز پہلے سینا سے کہلا بھیجا کہ تو فلانے دن اپنے بھائی بندوں کو لے کر دھلی میں چلی آئیو ۔

جب وہ دن آیا تو مینا لڑکے کو کھارے میں رکھ کر ، ڈھول

بجواتی ہوئی لائی اور بہت سے جاٹ اور جاٹنیوں کو اپنے ساتھ لیتی آئی ۔ یہاں ان سب کے واسطے چاول ، کھانڈ اور گھی اور آور چیزیں پہلے سے تیّار رکھی تھیں ۔ انھوں نے آتے ہی خوب پیٹ بھر کر کھایا ۔

پھر خوشحال چند نے لڑکے کو اپنی گود میں لیا اور مینا کو چار سو روپے نقد اور کپڑوں کا جوڑا اور زیور اور اس کے خاوند تیج رام کو صرف کپڑوں کا جوڑا اور باقی جاٹوں کو ایک ایک چیرا اور جاٹنیوں کو ایک ایک اوڑھنی اور کچھ پیسے حوالے کیے ۔ علاوہ اس کے نائیوں اور محلّے کے خاکروب کو بھی پگڑیاں دیں ، سارے برادری کے لوگوں کی دعوت کی اور سب کو ناچ دکھایا ۔ مینا دو تین روز تک تو وہیں رہی ، پھر اپنے گاؤں میں چلی گئی مگر تیج رام باقی جاٹ جاٹنیوں کو لے کر پہلے ہی چلا گیا تھا ۔

جب کروڑی مل پانچ برس کا ہوا تو مہورت دکھا کر ایک روز نفیری بجواتے ہوئے اسے سال[1] میں لے گئے۔ وہاں جا کر گنیش جی کی پوجا کرائی اور سال والے نے ایک سادی تختی پر سری گنیش آ ئینمہ لکھ کر اس لڑکے کی زبان سے کہوایا ۔ پھر خوشحال چند نے مشر کو کچھ نقدی دی اور جتنے لڑکے وہاں بیٹھے تھے ، سب کو لڈو بانٹے ۔ وہ لڈو لیتے ہی دفعۃً چلّا اٹھے ”چھٹّی دلوا دے ۔ تیرا بیٹا جیوے گا ۔ گود میں[2] کا لڑکا شکار کھیلے گا“۔

خوشحال چند نے مشر کو کچھ اور انعام دیا اور سب لڑکوں کو اس روز چھٹّی ہو گئی ۔ ہیرا نے ساری برادری میں لڈو بانٹے ۔ دس پندرہ روز تک لڑکا برابر سال میں گیا مگر پھر خوشحال نے اپنے مکان ہی پر اس کے پڑھوانے کی کچھ تدبیر کر لی ۔

ابھی اس لڑکے کی عمر چھ برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ نائی اپنے ججمانوں کی لڑکیوں کی پتّریاں لانے لگے کہ کسی سے اس کی

---

۱ - یعنی مکتب ۔

۲ - یعنی یہ لڑکا جو تیری گود میں ہے ، ایسا امیر ہوگا کہ سیر و شکار کیا کرے گا ۔

پتری مل جائے اور شادی قرار پا جائے۔ جو نائی کسی لڑکی کی پتری لاتا خوشحال چند کے رو برو اس کے حسن کی تعریف کرتا اور کہتا ''مہاراج ! لڑکا تو تمھارا سورج ہی ھے، پر لڑکی بھی چندرما سے کم نہیں ھے اور اسی گھر جوگ ھے، پر ھمارے ججمان آپ کی برابری نہیں کر سکتے ۔ ھاں بھگوان کی دی ھوئی عزّت رکھتے ھیں اور کوٹھی کا کارخانہ بھی اچھی طرح چلا جاتا ھے''۔

نائی تو اس قسم کی باتیں کر جاتے، مگر جب کوئی عورت اندر آتی تو ھیرا اس سے کہتی ''جی‌جی ! نائی روز چھورے کو دیکھ جائے ھیں ۔ کئی پتریاں آ چکی ھیں، پر جس چھوری کی پتری آوے ھے، وہ نّنھے سے کچھ دنوں بڑی ھی نکلے ھے ۔ اس کا دادا کہے ھے، بہو چھورے سے دو برس چھوٹی ھو جب بات بنے ''۔

وہ یہ جواب دیتی ''اری ! کر بھی لے، چھٹائی برائی کیا دیکھے ھے ؟ جہاں گھر اچّھا دیکھ، وھیں کر لے، میں نے سنا ھے، تیرے نّنھے کی پتری رام ناتھ کی چھوری کی پتری سے جڑ گئی ھے ایسا گھر دوسرا نہیں ملے گا ۔ چھوری بھی ایسی ھے، جیسے گندوڑے کا ٹکڑا ۔ نّنھے سے کچھ تاؤ بھاؤ بڑی ھو تو ھو، اس بات کو کون دیکھے ھے ؟ اور ھاں چتر بھی بڑی ھے ''۔

خوشحال چند اسی فکر میں تھا کہ لڑکے کی نسبت کہاں کروں کہ ایک دن کوئی شخص اس سے ملنے کو آیا اور باتیں کرتے کرتے کہنے لگا ''کہو دولت رام کے لڑکے کی سگائی کہاں کی ؟''

خوشحال چند نے کہا ''ابھی تو کہیں بھی نہیں کی ۔ ھم یہ چاھیں ھیں کہ لڑکی اس سے چھوٹی ھو، سو ایسی پتری اب تک کوئی نہیں آئی ''۔

وہ بولا ''کہیں باھر بھی سگائی کر لو گے یا نہیں ؟ جو باھر کر لو تو ھم بتاتے ھیں ۔ بریلی میں ایک ساھوکار سدا سکھ ھے، اس کی لڑکی کی عمر بہت ھو، ساڑھے تین برس کی ھو ۔ اس کو تم سے اور تم کو اس سے اچھا سمدھی نہیں ملے گا اور چھوری کو تو میں نے

اپنی آنکھ سے دیکھا ہے دوسری اس ساتھ کی شہر بھر میں نہیں ہے"۔

خوشحال چند نے کہا "بس یہی چاہیے - ہمیں تو بس منظور ہے پر جانے وہ بھی راضی ہو یا نہ ہو"۔

اس نے کہا "لو میں آج ہی چٹھی لکھوا کر بیورا منگاؤں ہوں ، پر میں جانوں ہوں ، وہ ضرور راضی ہو جائے گا"۔

یہ کہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور جاتے ہی اس مقدمے میں سدا سکھ کے نام پر ایک چٹھی لکھوائی -

چند روز بعد اس کا جواب آیا "بھائی جی ! جہاں تم لالی کی سگائی ٹھہراؤ گے ، ہم اس میں کچھ نہ بولیں گے"۔

اس نے یہ بات خوشحال چند سے کہلا بھیجی - وہ اسی وقت اپنی بیوی کے پاس گیا اور بریلی کی چٹھی کا ذکر کیا - پھر سدا سکھ کی لڑکی کی جنم پتری منگوائی اور جب اسے اپنے لڑکے کی پتری سے مطابق کرا کر دیکھا تو دونوں پتریاں بالکل مل گئیں - اس کے بعد دونوں پتریوں کو بریلی بھیج دیا اور ان کے مل جانے کا حال بھی لکھ دیا -

جب یہ پتریاں بریلی پہنچ گئیں - تو سدا سکھ نے اپنے نائی کو پندرہ روپے نقد دے کر اس سے کہا "یہ روپے دلّی لے جا اور وہیں سات پانوں کا ایک بیڑا بنوا لیجو اور روپے اور بیڑا خوشحال چند جی کے ہاں دے دیجو"۔

وہ دھلی میں آ کر خوشحال چند کے مکان پر گیا - خوشحال چند نے اسے شربت پلوایا اور اب نسبت اچھی طرح قرار پا گئی -

پھر سدا سکھ کا نائی مہورت دکھا کر ایک روز پندرہ روپے اور سات پانوں کا بیڑا خوشحال چند کے مکان پر لے گیا - اس نے وہ بیڑا تو اپنے پوتے کو کھلا دیا اور نائی کو دس ٹکے دے کر رخصت کیا اور اس روز شام تک ناچ رنگ کی محفل گرم رکھی - برادری کی بہت

سی عورتیں بھی وہاں جمع تھیں ان میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں ۔ خوشحالو نے مونگا سے کہا ''بھابی ! تیں نے ننھے کی سگائی اتنی دور کیوں کی ، کیا تجھے یہاں کوئی بہو نہیں جڑے تھی ؟''

وہ بولی ''بہن ! میں کون ہوں ، اس کے دادا دادی جانیں ۔ بھلا تیرا بھائی کبھی لالہ جی کے سامنے ان باتوں میں بولتا ہوگا ، جو میں ساسوں جی سے بولتی ؟ اور وہ تو شرم کا مارا چھوروں سے بات بھی نہیں کرتا ''۔

اسی قسم کی گفتگو اور عورتوں میں بھی ہوتی رہی اور انجام کار سب کی سب رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر چلی گئیں ۔

نسبت قرار پانے کے کئی مہینے بعد سدا سکھ اپنے کنبے سمیت گڑگانوے والی سیتلا کی جات دینے گیا اور وہاں سے پھرتے وقت چار روز دھلی میں ٹھہرا ۔ اس عرصے میں اس نے اپنی بیوی کے کہنے سے سمدھیوں سے ملنے کا ارادہ کیا اور ایک روز خوشحال چند سے کہلا بھیجا ''ہم تم سے ملا چاہتے ہیں ، جو تم مہربانی کر کر آج دوپہر پیچھے فلانے مکان میں آ جاؤ اور اپنے رشتہ داروں کو بھی لیتے آؤ تو سب کے سب مل لیویں ''۔

خوشحال چند اپنے تمام رشتہ داروں کو لے کر اس مکان پر گیا ۔ سدا سکھ پہلے ہی سے چار سو روپے کی تھیلی لیے ہوئے وہاں بیٹھا تھا ، انھیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور رام رام کہ کر چار روپے نقد خوشحال چند کو نذر دکھائے ۔ پھر دولت رام اور اس کے سارے رشتہ داروں کو کچھ کچھ روپے اور کڑوری مل کو کچھ نقد اور مٹھائی کے چار تھال اور کچھ کھلونے دیے ۔

اسی طرح سے دونوں طرف کی عورتیں بھی آپس میں ملیں اور سدا سکھ کی بیوی نے ہیرا ، مونگا ، خوشحالو اور اور ساری عورتوں کو جو ان کے ساتھ آئی تھیں ، روپے دیے ۔

دوسرے روز سدا سکھ تو اپنے کنبے سمیت بریلی کی طرف روانہ

ھوا اور خوشحال چند کے ھاں سمدھیوں کا ذکر ھونے لگا۔ منیب نے دولت رام سے کہا ''دولت رام جی! تمھیں سمدھی بہت اچھے ملے ھیں۔ بات کرتے ھوئے منہ سے پھول جھڑتے ھیں، پر ھمارے لڑکے کو دیکھ کر وہ بھی خوش ھو گئے''۔

عورتوں میں خوشحالو اپنی ماں سے پوچھنے لگی ''بھابی! میں نے تیری سمدھن کو دیکھا، وہ تو بٹوا سی ھے، پر سمدھی جانے کیسا ھے''۔

ھیرا بولی ''تیرا لالہ کہے تھا، چھریرے سے بدن کا ھے۔ اس نے تیرے لالہ اور دولت کا بڑا آور ارمان کیا''۔

خوشحالو بولی ''جیسے سمدھن نے ھمارا کیا''۔

ھیرا نے کہا ''ھاں ری! وہ تو دونوں خصم جورو ایک ھی سے ھیں۔ جیسی وہ دُبلی، پتلی، کامنی ھے ویسے ھی وہ بھی دُبلا پتلا ھے''۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب ساون کا سہینا آیا اور برسات کا موسم شروع ھوا تو بہت سی عورتیں اپنے اپنے مکانوں میں جُھولے ڈال کر جُھولنے لگیں اور برسات کے گیت گانے شروع کیے۔ خوشحال چند نے بھی اپنی پوت بہو کے واسطے بڑی دھام دھام سے سندھارا[1] بھیجا۔ اس میں ایک ریشم کا رسّا اور دو چاندی کی پٹڑیاں بہو کے جھولنے کے واسطے اور ایک پتلی رسّی اور دو پٹڑیاں اس کی گڑیا کے لیے اور تیل یعنی زنانہ کپڑوں کا جوڑا تھا۔ یہ سب چیزیں ایک پروھت اور ایک نائی کے ھاتھ بریلی بھیجیں اور انھیں کچھ نقد روپے دے کر کہ دیا ''دیکھو اس کی مٹھائی لے کر اس سارے سامان کے ساتھ نفیری بجواتے ھوئے شہر میں لے جانا اور سمدھی کے مکان پر پہنچا دینا''۔

۱۔ اس کھانے کو جو سسرا اپنی بہو کے واسطے ساون کے مہینے میں تیجوں کے تیوھار پر بھیجتا ھے سندھارا کہتے ھیں۔

خوشحال چند نے جس طرح سے کہ دیا تھا ، اُسی طرح پروہت اور نائی نے سب اسباب سدا سُکھ کے گھر پہنچا دیا ۔ سدا سُکھ نے تیل کے سوا سب چیزیں رکھ لیں اور تیل کے نہ رکھنے کی یہ وجہ تھی کہ کوارے ناتے میں بیٹی والے کو ایسی چیزیں نہ لینی چاہییں ۔

ادھر تو سدا سُکھ کی لڑکی کو سندھارا گیا ، ادھر سونگا نے اپنی چار پانچ سہیلیوں کو بلا کر جدا جُھولا ڈالا اور برسات کے گیت گانے شروع کیے ۔ ساون بھر اس کے گھر میں یہی غل شور رہا ۔ روز دوپہر کے بعد اس کی ہم عمر عورتیں جمع ہو کر جھولا جھولتیں ، اور اس قسم کے گیت گاتی جاتیں ۔

گیت	ترجمہ اور مطلب
لگا اساڑھ سہاؤنا گھن گرجت چہوں اور ۔	اساڑھ کا خوش آیند سہینا شروع ہو گیا ، چاروں طرف بادل گرجنے لگے ۔
پی پی کرت پپہارا سو بولت دادر مور ۔	پپیہا پی پی کرتا ہے اور مینڈک اور مور بھی بول رہے ہیں ۔
اب تو سکھی ! اساڑھ آیا ، میری سدھ پیا نالیی ۔	اے سکھی ! اب تو اساڑھ آ گیا مگر خاوند نے میری خبر نہ لی ۔
گھن گرج بیرن بادری ، میری نیند نینن سے گئی ۔	بادل گرجتا ہے ، بدلی دشمن ہو رہی ہے ، میری آنکھوں سے نیند جاتی رہی ۔
کس سے کہوں اپنا مرم سکھی رُت اگم بالم نہیں ۔	اپنا بھید کس سے کہوں ! اے سکھی ! برسات کا موسم آ گیا اور خاوند پاس نہیں ہے ۔
کیونکر جیوں بن پی مجھے برکھا کی رت بیرن بھئی ۔	بغیر خاوند کے کیوں کر جیوں ، برسات کا موسم میرا دشمن ہو گیا ہے ۔
بدھنا نے میرے کرم میں پیا کی جدائی لکھ دئی ۔	دنیا کے پیدا کرنے والے نے میری قسمت میں خاوند کی جدائی لکھ دی ۔

گیت	ترجمہ اور مطلب
چکوی کی جو گت پت بنا سکھی سو ہی گت میری بھئی !	اے سکھی ! چکوی کی جو حالت بغیر چکوے کے ہوتی ہے ، وہی میری حالت ہو گئی -
سونا بھون ھرنام بن پی پی پپیہا کر رہا -	بغیر ھرنام کے مکان خالی ہے ، پپیہا پی پی کر رہا ہے -
گئی بھول سب سکھ دیکھ دکھ پاپی پیا نہ گھر رہا -	یہ دکھ دیکھ کر سب سکھ بھول گئی ، مگر ظالم خاوند ہی گھر میں نہ رہا -

سندھارا بھیجنے کے بعد دونوں سمدھیانوں میں یہ دستور رہا کہ جب لڑکوں کا کوئی تیوہار آتا تو سدا سکھ مٹھائی اور بہت سی چیزیں پروہت اور نائی کے ہاتھ خوشحال چند کے ہاں بھیج دیتا اور جب لڑکیوں کا تیوہار آتا تو خوشحال چند اس قسم کا سامان بریلی کو روانہ کرتا - سدا سکھ اپنے سمدھی کے ہاں کی ساری چیزیں برادری میں تقسیم کر دیتا ، مگر اس کے کنبے میں جو شخص اس کی لڑکی سے عمر میں بڑا ہوتا ، خوشحال چند کے ہاں کی کوئی چیز نہ کھاتا اور آسے بیٹی کا دھن سمجھتا ہاں خوشحال چند کے ہاں سدا سکھ کا مال سب کو حلال تھا -

جب نسبت کو تین برس گزر گئے تو ایک روز سدا سکھ نے اپنی بیوی سے کہا ”لالی سیانی ہوتی جاتی ہے ، اس کا بیاہ کر دینا چاہیے اور شاستر کی بھی آگیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ، کنیا کا بواہ جلدی ہی ہو جائے تو اچھا ہے اور اس کا پن بھی بہت لکھا ہے“-

اس کی جورو بولی - ”ہاں اب لالی کا بیاہ جلدی کر دو ، برادری کی جو بیر بانیاں ہمارے گھر آویں ہیں ، وہ سب یہی پوچھے ہیں ’لالی کا بیاہ کب کرے گی‘؟ اور منہ پر تو نہیں کہیں ہیں ، پر دل میں ضرور کہتی ہوں گی ’بڑے آدمی ہو کر ان کو چھوری کے بیاہ کا اب

تک فکر نہیں ، دونوں پتریاں بھی نکالے دوں ہوں ، کسی مشر کو دکھاؤ اور بیاہ نکلواؤ "۔

سدا سُکھ دونوں پتریاں لے کر باہر آیا اور ایک مشر کو جو جوتش میں بڑا دخل رکھتا تھا ، بلوایا اور پتریاں دے کر پوچھا "مہاراج ! یہ بتاؤ ، لالی کا بیاہ کب ٹھہرتا ہے"۔

اُس نے دونوں پتریاں لے لیں اور کچھ لکیریں کھینچنی شروع کیں ۔ پھر یکایک بول اُٹھا "لالہ صاحب ! ہمارے نزدیک لڑکی کا بواہ بیسا کھ سُدی اشٹمی کا نکلتا ہے ۔ یہ سایہ سب سایوں میں سریشٹ ہے"۔

پھر سدا سُکھ نے کہا ، "تو لگن کا مہورت بھی بچارو "۔

اس نے کچھ بُڑبُڑا کر اس کی بھی تاریخ بتا دی ۔

جب لگن کا دن آیا تو سدا سُکھ نے برادری کے تمام لوگوں کو اپنے مکان پر جمع کیا اور ان کے روبرو اسی پنڈت کو بلوا کر لگن لکھوایا ۔

اب لگن کی حقیقت سنیے ۔ وہ خوشحال چند کے نام پر اس مضمون کی ایک چٹھی تھی کہ فلاں تاریخ کی برات قرار پائی ہے اور علاوہ اس کے اور سب رسمیں جو بیاہ سے پہلے ہوتی ہیں ، ان کی بھی تاریخیں اس میں لکھی ہوئی تھیں اور ایک زائچہ کھچا ہوا تھا اور دونوں طرف کے بزرگ جو اب تک جیتے تھے ، ان کے نام بھی اس چٹھی میں مندرج تھے ۔

پنڈت نے لگن کا کاغذ لکھ کر اس کے چاروں طرف رولی سے بڑے بڑے نقطے بنا دیے اور تھوڑی سی رولی حرفوں پر بھی چھڑک دی ۔ پھر اس کاغذ میں تھوڑی سی دوب ہلدی کی پانچ گرہیں ، چھالیا کی دو ڈلیاں ، کچھ رنگے ہوئے چاول اور دو پیسے نقد رکھ کر لپیٹا اور اس کے اوپر کلاوہ باندھ دیا ۔ اس کے بعد لڑکی کو بلا کر پہلے اس سے گنیش جیؔ کی اور پھر لگن کی پوجا کرائی اور لگن کو

ایک ناریل اور چار روپیے سمیت لڑکی کی گود میں ڈال دیا اور اس کے منہ پر رولی سے مروٹ[1] کھینچ دی ۔

جب یہ رسم ادا ہو چکی تو لڑکی کا ماموں اُسے گود میں اُٹھا کر اندر عورتوں میں لے گیا اور وہاں اس سے اس کے خاندان کے دیوتاؤں کے روبرو ڈنڈوت کرائی ۔ پھر اس کی گود کی ساری چیزیں لے کر باہر مردوں میں آیا اور سب برادری والوں کے سامنے پروہت اور نائی کو دے کر کہا "لو جی اس کو دھلی لے جاؤ ۔ سمدھی سے کہ دینا کہ برات ہماری اور اپنی عزّت کے موافق لاوے" اور نائی کی طرف مخاطب ہو کر بولا "برات کا جو سامان کرے ، اس سے ہم کو پہلے خبر دیجو اور جلدی سے آ کر کہ دیجو"۔

برھمن اور نائی وہ اسباب لے کر دھلی کو روانہ ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو نائی خوشحال چند کے نائی کے ہاں اور پروہت اس کے پروہت کے ہاں جا کر ٹھہرا ۔ خوشحال چند کے نائی نے فوراً اپنے ججمان کو خبر دی "لالہ جی ! تمھارے ہاں لگن آیا ہے"۔

اس نے اُسی وقت ایک پنڈت کو بلا کر لگن کے لینے کا مہورت دکھایا اور پنڈت جی نے جو دن بتایا ، اس دن صبح سے سب برادری والوں کو بلایا ۔ جب وہ آ کر جمع ہو گئے تو سدا سُکھ کا پروہت اور نائی دونوں ایک ناریل ، لگن ، چار روپیے نقد اور پان کا بیڑا لے کر اس کے ہاں گئے ۔

خوشحال چند نے کروڑی مل کو بلا کر پٹڑے پر بٹھایا اور اس سے گنیش جی اور نوگرہ کی پوجا کرائی ۔ اس کے بعد سدا سُکھ کے پروہت نے اس کے ماتھے پر ٹیکا لگا کر ناریل ، لگن اور روپیے اس کی گود میں ڈال دیے اور بیڑا کھلا دیا ۔

---

۱ - ھندوؤں کے ہاں دولھا دلھن کے ماتھے اور رخساروں پر ٹھوڑی کے نیچے تک رولی سے لکیریں کھینچ دیا کرتے ہیں ، انھیں لکیروں (۱) کو مروٹ کہتے ہیں -

اب رسم کے موافق تو یہ چاہیے تھا کہ کروڑی مل کو اس کا ماموں اندر گھر میں لے جاتا ، مگر وہ آپس کی بے مزگی کے سبب سے خوشحال چند کے ہاں نہ آتا تھا ، اس واسطے ایک آور شخص اسے گود میں اٹھا کر اندر لے گیا - وہاں دولت رام کی بہن خوشحالو نے اس کا آرتا[1] کیا اور پھر ایک آدمی ساری چیزیں اس کی گود میں سے باھر لایا - خوشحال چند کی طرف کے ایک برھمن نے لگن کو کھولا اور اس میں سے تمام چیزیں نکال کر اس کی عبارت پڑھی اور پھر سب چیزیں اس میں رکھ کر جیسے پہلے لپٹی ہوئی تھیں ، اسی طرح لپیٹ دیں ، مگر ٹکا نکال کر آپ لے لیا - اس کے بعد خوشحال چند نے سب برادری والوں کو پان دے کو رخصت کیا اور آج کے دن سے اس کے ہاں شادی شروع ہو گئی -

خوشحال چند نے اول کڑاھے کا سہورت دکھا کر گندوڑے بنوائے اور برادری میں تقسیم کیے - پھر صرافہ نانوہ[2] کی رسم ہوئی ، یعنی ساھوکاروں کی کوٹھیوں کے برھمنوں کو دو دو گندوڑے اور دو دو روپے دیے مگر آور برھمنوں کو دو دو گندوڑے اور صرف چار ھی چار آنے دیے -

اس کے بعد دعوت شروع ہوئی اور سات روز تک ناچ رنگ کے ساتھ رھی - اس عرصے میں لگن کے دو روز بعد ھیرا نے بھی اپنے کنبے کی تمام عورتوں کو بلا کر شام کے وقت اُن کے روبرو نائنوں سے گیت گوائے - پھر ایک مکان کی دیوار کو ایک جگہ سے لپوا کر اس پر گیرو پھیرا اور پھر اس کے خشک ہوتے ھی ایک عورت نے ھلدی میں اپنا ھاتھ رنگ کر اس پر پنجے کا نشان کر دیا اور سب عورتوں

---

۱ - دولھا دلھن کے چہرے کے گرد جو گھی کے چراغ تھالی میں رکھ کر پھراتے ھیں ، انھیں آرتا کہتے ھیں اور اس رسم کو آرتا کرنا بولتے ھیں -

۲ - نانوہ لفظ نامے کا بگڑا ہوا ھے اور ھندو لوگ نانوہ اس فہرست کو کہتے ھیں جس میں خاص انھیں برھمنوں کے نام لکھے ہوئے ہوتے ھیں ، جنھیں دولتمند آدمی اپنے لڑکوں کی شادی میں کچھ نذر دیا کرتے ھیں -

نے اُس کی پوجا کی ۔ اُسی کو تھاپے کی رسم کہتے ہیں ۔

جب عورتیں پوجا سے فارغ ہو چکیں تو اُنھوں نے اپنے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی اور رات بھر گانا ہوتا رہا ۔

دوسرے روز صبح ہی مشر آیا اور اُس کے کہنے سے عورتوں نے کمھاری کے ہاں سے ایک کھارا منگا کر اس پر کروڑی مل کو بٹھایا اور مشر جی نے ایک سُرخ کلاوہ بٹ کر اس میں ایک لوہے کا چھلّا ، ایک منکا ، سوراخ کی ہوئی چھالیا کی ڈلی اور رائی کی پوٹلی باندھی اور اس کی پوجا کر کے کروڑی مل کے ہاتھ میں باندھ دیا ۔ اسی شے کو کنگنا کہتے ہیں اور یہ اس واسطے دولھا اور دلھن کے ہاتھ اور پاؤں میں باندھا کرتے ہیں کہ انھیں نظر نہ لگے ۔

اس کے بعد چار عورتوں نے ایک رنگین کپڑے کے چاروں کونے پکڑے اور کروڑی مل کے سر پر اس کا سایہ کر کے کھڑی ہوگئیں ۔ اتنے میں ایک عورت مٹی کے سات پیالے لائی ۔ ایک میں رولی ، دوسرے میں مہندی ، تیسرے میں ہلدی ، چوتھے میں تیل ، پانچویں میں دھی ، چھٹے میں دودھ اور ساتویں میں اُبٹنا تھا ۔ یہ ساتوں چیزیں مشر جی نے تھوڑی دوب پر لگائیں اور اُسے لڑکے کے پاؤں ، گھٹنوں ، کندھوں اور ماتھے سے چھوا دیا ۔ پھر چار مرد اور عورتوں نے بھی یہی عمل کیا اور لڑکا ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے کچھ بتاسے دیتا گیا ۔

پھر نائی نے کروڑی مل کے کپڑے اُتارے اور اُس کے بدن پر اُبٹنا مل کر خوب نہلایا اور جو اُبٹنا بچ رہا ، اُسے کوارے لڑکوں کو مل دیا کہ اس کے اثر سے انھیں بھی یہ دن نصیب ہو اور ان کی بھی شادی جلد ہو جائے ۔

کروڑی مل نے نہا دھو کر اپنے کپڑے پہن لیے ۔ اور خوشحالو نے ایک تھالی میں آٹے کا چراغ بنا کر اس میں چار بتیاں روشن کیں اور کڑوری مل کا آرتا کیا ۔ پھر اس کے ہاتھ میں ایک لوہے کا گز دے دیا کہ اس سے بھوت پریت ڈرتے رہیں اور دولھا پر آسیب

کا اثر نہ ہونے پائے۔ اس ساری رسم کو بان بیٹھنے کی رسم کہتے ہیں۔

آج ہی کے دن منڈھا بھی چھوایا گیا اور اس کی اصل یہ ہے کہ چار پیالوں کے پیندوں میں سوراخ کر کے انھیں اسی طرح سے ملا کر ڈورا پرو دیا کہ ادھر ادھر سے دو دو پیالوں کے پیندے اور بیچ میں دو پیالوں کے منہ آپس میں مل گئے اور ایک کپڑا تان کر ان سب پیالوں کو اس کے نیچے لٹکا دیا۔

چار روز تک بان کی رسم ادا ہوتی رہی، پانچواں دن وہی تھا جو بریلی کی روانگی کے لیے قرار پایا تھا۔ اس دن بھی ساری رسم پوری کی گئی، مگر چار روز تک ساتوں چیزیں پاؤں سے لگانی شروع کرتے تھے اور سر پر تمام کرتے تھے۔ اس روز سر سے شروع کیں اور پاؤں پر تمام کیں اور اس عمل کو ہندوؤں کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ اتنے دن تو تیل چڑھایا اور پھر اتارا۔

اس روز نہانے کے بعد سب دولھا کے کپڑے نائی نے لے لیے اور بیاہ کے کپڑے اس کے پہننے کے واسطے منگائے۔ پہلے برہمن نے دولھا سے ان سب کپڑوں کی پوجا کرائی۔ پھر اسے سارے کپڑے پہنائے گئے۔ اول گلبدن کا پاجامہ اور ململ کا رنگین جامہ پہنایا، پھر کمر پر پٹکا اور سر پر پگڑی باندھی۔ اس کے بعد رنگین جامے کے اوپر ایک اور زری کا جامہ پہنایا اور پٹکے کے اوپر زری کا پٹکا اور پگڑی کے اوپر زری کا سر پیچ، پھر سر پر موڑ اور ماتھے پر سہرا باندھا۔ یہ سب چیزیں لڑکے کا ماموں دیا کرتا ہے۔ مگر خوشحال چند کروڑی مل کے ماموں کا سارا اسباب دبا بیٹھا تھا، اس واسطے اس نے کچھ نہیں دیا۔ پھر بھی تمام چیزیں اسی کی طرف سے سمجھی گئیں۔ برہمن کو پگڑی باندھنے کے پانچ روپے اور نائی کو جامہ پہنانے کا سوا روپیہ دیا گیا۔

جب دولھا کپڑے پہن کر تیار ہو گیا تو خوشحالو نے آ کر اس کے ماتھے پر ٹیکا لگایا اور اس کی گود میں لڈو، ناریل اور ایک

روپیہ ڈال دیا ۔ پھر اور رشتہ داروں نے بھی ٹیکے لگا کر روپے دیے ۔ اتنے میں کروڑی مل کے ایک رشتے کی بھاوج نے آ کر اس کی آنکھوں میں کاجل لگایا اور خوشحال چند نے اس عورت کو ایک اشرفی دی ۔ علاوہ اس کے سونگا نے دودھ کی بخشوائی سو روپے اور سینا نے ایک اشرفی لی ۔

اس کے بعد برات کے چلنے کی تیاری ہوئی ۔ برادری کے لوگ جو برات کے ساتھ جانے کو راضی ہوگئے تھے ، سڑک پر آ کھڑے ہوئے ۔ اتنے میں لڑکے کو گود میں اٹھا کر باہر لائے ۔ وھاں ایک گدھا اور ایک گھوڑا دونوں پھولوں کا سہرا بندھے ہوئے دولھا کی سواری کے لیے موجود تھے ۔ پہلے دولھا کا پاؤں گدھے پر رکھا (کیونکہ ھندوؤں کے اعتقاد میں گدھا سیتلا کی سواری ھے) پھر گدھے والے کمھار کو سوا روپیہ دے کر دولھا کو گھوڑے پر سوار کیا اور اس کے پیچھے ایک اور کوارا لڑکا بٹھا دیا ۔ لڑکے کے سوار ہوتے ھی خوشحالو کے خاوند نے گھوڑے کی بھاگ پکڑ لی اور خوشحال چند سے ایک اشرفی لے کر چھوڑی ۔ پھر سب لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں ھو بیٹھے اور باجا بجواتے ہوئے آگے بڑھے ۔

شہر کے دروازے تک باجا بجتا رھا ۔ پھر باجے والوں کو انعام دے کر رخصت کیا اور لڑکے کو گھوڑے سے اتار کر اس کے بھاری کپڑے بڑھا لیے اور گاڑی میں بٹھا دیا ۔ دولھا کے ساتھ برادری کی کوئی عورت نہ گئی مگر سینا جاٹنی جس نے اس لڑکے کو پالا تھا ، اپنے خاوند اور کئی جاٹوں سمیت برات کے همراہ ہوئی ۔ سب لوگ آرام سے منزل بہ منزل چلے گئے اور خوشحال چند ھر ایک کی خاطرداری کرتا گیا ۔

جب بریلی کوس بھر رہ گئی تو سب نے کپڑے بدلے ۔ اتنے میں سدا سُکھ کی طرف سے کچھ آدمی آئے اور شہر کے باھر جو سدا سُکھ نے کسی باغ میں پہلے سے خیمے لگوا دیے تھے ، ان سب کو ان خیموں کی طرف لے گئے ۔ یہ لوگ وھاں جا اترے اور شہر میں سے برات کا اسباب جمع کرنے لگے ۔

جب چار گھڑی دن رہا تو نوبت نقّاروں کے ساتھ برات چڑھا کر شہر میں لے گئے ۔ اس وقت سب سے آگے نشان کا ھاتھی اور اس کے کے پیچھے کئی آونٹ ، پھر کاغذ کپڑے اور موم کے پھولوں کی ٹٹیاں اور ٹٹیوں کے پیچھے پالکیاں ، تان جھانوں اور گھوڑوں کی قطاریں تھیں اور پھر سارے برات والے پیادہ پا اور ان کے پیچھے دولھا ایک گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا ۔ دولھا کے آگے نفیری بج رھی تھی اور دونوں طرف دو آدمی مور چھل ھلا رہے تھے اور اس کے گرد بہت سے آدمی اپنے اپنے ھاتھوں میں پھولوں کی آرائش لیے ھوئے چلے جاتے تھے ۔

جب برات سدا سُکھ کے مکان کے قریب پہنچی تو خوشحال چند نے دولھا پر سے کچھ اٹھنّیاں ، چونّیاں نثار کیں ۔ اس عرصے میں سدا سُکھ جو برادری کے لوگوں کے لیے ھوئے پہلے ھی سے اپنے مکان کے باھر کھڑا تھا ، استقبال کے لیے آگے بڑھا اور دونوں سمدھیانوں کے لوگ آپس میں گلے ملے ۔

پھر کروڑی مل کو اس کی سُسرال کے دروازے پر لے گئے ۔ وھاں اُس کی ساس نے آ کر اُس کا آرتا کیا ، کروڑی مل نے آرتے میں سوا روپیہ ڈال دیا ۔ پھر اُس کی ساس نے ٹیکا لگا کر ایک روپیہ دیا ۔ جن عورتوں نے پہلے کروڑی مل کو نہیں دیکھا تھا ، وہ سب اسے دیکھ کر کہنے لگیں ”لالی کا بنا تو بنا ھی ھے ، ایسے جائی کہاں ملے ھیں !“

اس کے بعد لڑکا اور سب برات والے ایک بڑے مکان میں جسے جنواسا کہتے ھیں ، جا اُترے ۔ وھاں ان کے جاتے ھی ناچ رنگ شروع ھوا ۔

تھوڑی دیر کے بعد سدا سُکھ ایک سو ایک روپے نقد اور بہت سے برتن اور کروڑی مل کے واسطے عمدہ پوشاک اور زیور کی اکیس رقمیں اور سارے برات والوں کے لیے کھانا لے کر وھاں آیا ۔ اول لڑکے کو چاندی کی چوکی پر بٹھا کر اس سے گنیش جی کی پوجا کرائی پھر اپنے ھاں کی پوشاک پہنائی ، مگر سوڑ پہلا ھی رھنے دیا ۔ اس کے

بعد ایک روپیہ اور ناریل اس کی گود میں ڈالا ، پھر کروڑی مل ایک مسند پر جو چوکی کے برابر بچھی ہوئی تھی ، جا بیٹھا ۔ خوشحال چند کی طرف سے سدا سُکھ اور اس کے ہمراھیوں پر گلاب چھڑکا گیا ۔ اس وقت یہ لوگ وھاں سے سرک گئے ، مگر تھوڑی دیر بعد دوبارہ آئے اور سب کو کھانا کھلا کر پھر چلے گئے ۔

جب آدھی رات کا وقت ھوا تو سدا سُکھ نے ایک نائی کی زبانی کہلا بھیجا کہ پھیروں کے واسطے آؤ ۔ وہ لڑکے کو لے کر اپنے قریب رشتہ داروں سمیت سدا سُکھ کے مکان پر گیا ۔

اب یہاں کا حال سنو کہ یہ لوگ بھی پہلے ھی ہان کی رسم پوری کر چکے تھے اور منڈھا بھی چھوا لیا تھا اور اب برات کے دن بھی ساری تیاری کر لی تھی ۔ سدا سُکھ اور اس کی بیوی نے اس روز برت رکھا تھا ۔ جب کروڑی مل پھیروں کے واسطے آیا تو اول اسے شطرنجی پر بٹھایا ، پھر منڈھے کے نیچے دو پٹڑے رکھ کر اس کے اوپر ایک توشک بچھائی ۔ لڑکا ایک پٹڑے پر بیٹھ گیا اور اس کی جوتی اُتروا کر اس کے ھاتھ پاؤں دُھلوائے اور آچمن[1] کرایا ۔ اس کے بعد سدا سُکھ نے اس کے ھاتھ کے میں سولی[2] باندھی اور اس وقت مشر نے ایک منتر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے :—

میں نے جو پہلے اقرار کر لیا ہے کہ میں تمھیں کنّیا دان دوں گا اب اسے پورا کرتا ھوں ۔

اس کے بعد وید کی کچھ عبارت پڑھ کر کروڑی مل سے گنیش اور نوگرہ کی پوجا کرائی ۔ پھر لڑکی کو وھاں لائے اور اس کے آتے ھی کروڑی مل سے کہا ”کھڑا ھو جا“۔

وہ جھٹ کھڑا ھو گیا ۔ پھر لڑکی کو اس کی دائیں طرف بٹھا کر اس سے بھی گنیش اور نوگرہ کی پوجا کرائی ۔ اس کے بعد آگ منگا کر

---

۱ - مذھبی رسموں کے پہلے تھوڑے سے پانی کو چلو میں لے کر اس پر گنگا وشن کہہ کر منہ میں ڈالنے کو آچمن کرنا کہتے ھیں ۔

۲ - کلاوے کے سوت کو سولی کہتے ھیں ۔

منڈھے کے نیچے روشن کی اور وید کے بہت سے منتر پڑھے ۔ پھر کنیا دان کی تیاری ہوئی ۔ سدا سُکھ اور اس کی بیوی کا گٹھ جوڑا ہوا اور دولھا دولھن کے ہاتھ میں مولی باندھ دی ۔ پھر سدا سُکھ نے اپنی لڑکی کے ہاتھ میں رولی ملی ۔ (اور اسے ہندوؤں کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ لڑکی کے ہاتھ پیلے ہو گئے) اس وقت عورتوں نے کچھ راگ گایا اور دونوں طرف کے پنڈتوں نے ساکھا آچار پڑھا ، یعنی لڑکے اور لڑکی دونوں کے باپ دادا اور پردادا کا نام بیان کیا اور ان کا گوتر[۱] بتایا ۔ اس کے بعد سدا سُکھ نے لڑکی کا دایاں ہاتھ لے کر لڑکے کے دائیں ہاتھ پر رکھ دیا اور پھر لڑکے کا انگوٹھا پکڑ کر اور اپنے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی ، پھول ، صندل اور پانی کا بھرا ہوا سنکھ رکھ کر ایک سنکلپ پڑھا ، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں یہ کنیا گنگی نامی جو فلانے کی پڑوتی اور فلانے کی پوتی اور فلانے کی بیٹی ہے زیور اور کپڑوں اور سواری اور آور اسباب سمیت نہال چند کے پڑوتے خوشحال چند کے پوتے اور دولت رام کے بیٹے کروڑی مل کو دیتا ہوں ۔ یہ اس کی بیوی ہے اور میرے اس دان سے بھگوان خوش ہو ۔

یہ کہ کر انگوٹھی لڑکے کو پہنا دی اور سنکھ کا پانی اس کے ہاتھ میں ڈال دیا ۔ اسی وقت پنڈتوں نے آواز دی ”مہاراج ! تمھارا یہ دینا سپھل ہو“۔

اس کے بعد خوشحال چند نے اپنے پوتے سے گاے کا دان کرایا ۔ (کیوں کہ ایسا بھاری دان یعنی کنیا لے کر اس کا عوض اتارنا ضرور تھا) مگر اس وقت گاے موجود نہ تھی ۔ اس کی عوض ایک اشرفی پروہت کو دے دی ۔ پھر دولھا دولھن کی گانٹھ باندھ دی اور اس وقت وید کے منتر پڑھے گئے اور ہوم ہوتا رہا ۔

اس کے بعد دونوں کو کھڑا کیا اور آگ کے گرد چار چکر دلوا دیے ۔ تین چکر میں لڑکی کو آگے رکھا اور چوتھے میں لڑکا

---

۱ ۔ یعنی نسل کی اصل بتائی ۔

آگے رہا - جب یہ چکّر ہوتے جاتے تھے تو لڑکی کا بھائی اس کے ہاتھ میں کھیلیں دیتا جاتا تھا اور وہ انھیں آگ میں ڈالتی جاتی تھی -

ان چکّروں کے بعد دونوں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور ان میں آپس میں عہد و پیمان ہونے لگے ، مگر پنڈت ہی ان کی طرف سے گفتگو کرتے رہے اور سنسکرت کی عبادت جو پہلے سے اس باب میں مقرر ہے ، پڑھتے رہے -

اول سدا سُکھ سے پنڈت نے لڑکی کی طرف سے جو عبارت پڑھی ، اس کا مطلب یہ ہے :-

میں سات باتیں چاہتی ہوں - اگر تُو ان پر راضی ہو تو میں بائیں[1] طرف آ جاؤں ، نہیں تو اب تک کنّیا ہی ہوں - اول جو تُو یگ کرے تو بغیر میری اجازت کے نہ کریو - دوسرے جو برت کرے تو میرے سے پوچھ لیجو ، تیسرے تینوں زمانوں یعنی لڑکپن ، جوانی اور بڑھاپے میں میری خبر لیتا رہیو - چوتھے جو کچھ کما کے لائے میرے آگے رکھ دیجو - پانچویں جو جانور خریدے ، اس میں مجھ سے صلاح لے لیجو - چھٹے جو عیش و عشرت کی باتیں ہر موسم میں ہوتی ہیں ، انھیں بغیر میرے ہرگز نہ اختیار کیجو - ساتویں جب میں اپنی سہیلیوں اور ہمچشموں میں بیٹھی ہوں تو میری بے وقری نہ کیجو -

جب لڑکی کا پنڈت یہ عبادت پڑھ چکا تو اس نے کروڑی مل سے کہا ”کہو وشن بھلی کریں گے “-

کروڑی مل نے فوراً یہی جواب دیا - اس کے بعد لڑکے کی طرف سے پنڈت نے جو کچھ پڑھا ، اس کا حاصل یہ ہے :-

مجھے یہ سب شرطیں منظور ہیں مگر میں بھی پانچ باتیں چاہتا ہوں - اول بغیر میری اجازت کے گھر سے باہر نہ نکلیو - دوسرے کبھی کسی شرابی آدمی یا مست ہاتھی کے سامنے نہ جائیو -

---

۱ - بائیں طرف آنا بیوی ہو جانے سے کنایہ ہے -

تیسرے اپنے باپ کے گھر میں مجھ سے پوچھ کر قدم رکھیو - چوتھے میری کسی بات کو نہ ٹالیو - پانچویں ہمیشہ میری خدمت کرتی رہیو اور مجھ سے محبت رکھیو -

جب یہ عہد و پیمان ہو چکے تو لڑکی کو لڑکے کے بائیں طرف بٹھا دیا اور پھر دھرو[1] کے درشن کرائے اس کے بعد دونوں اٹھ کر اوپر کے مکان میں چلے گئے اور وہاں برہمن ہوم کرتے رہے - عورتوں نے لڑکے کو تھاپے کے آگے بٹھایا - اس کی جوتیاں پہلے ہی سے وہاں لا کر ایک چھاج کے نیچے رکھ دی تھیں ، اس سے ان کی پوجا کرانی چاہی اور کہا "لے ان کو پوج ، یہ تیرے کل دیوتا ہیں"۔

وہ پہلے ہی اس امر سے واقف ہو چکا تھا اور سیکھا ہوا تھا کہ وہاں جوتیاں رکھی ہیں ، ہر گز نہ پوجنی چاہییں جھٹ بول اٹھا "واہ ! یہ تمھارے ہی دیوتا ہیں ، میں نہیں پوجوں ہوں - تمھیں ان کو پوجو"۔

پھر سب عورتوں نے اس سے یہ چھن کہوائے اور روپے دیے :-

چھن پکاؤں چھن پکاؤں چھن پکے کا بیڑا
برات آئی چاندنی جاٹی آیا ہیرا
چھن پکاؤں چھن پکاؤں چھن پکے کا خُرما
تمھاری بیٹی کو ایسا رکھوں جیسا آنکھوں کا سُرما
چھن پکاؤں چھن پکاؤں چھن پکے کا روڑا
دوسرا چھن جب کہوں جب سُسرا دے گا گھوڑا

جب سب یہ رسمیں ادا ہو چکیں تو خوشحال چند اور اس کے رشتہ دار جنواسے میں چلے آئے - اس وقت صبح ہو گئی تھی اور سب رات کے جاگے ہوئے تھے ، لوگ آتے ہی اپنے اپنے بستروں پر پڑ رہے -

جب دوپہر ہوئی تو لڑکا اپنے سسرال میں کنگنا کھیلنے گیا اور

---

۱ - قطبی ستارہ -

اپنے ساتھ اور بہت سے لڑکوں کو لیتا گیا ۔

دونوں دولھا دلھن پٹڑوں پر بیٹھے ۔ نائن نے آتے ھی ایک تھالی میں پانی بھر کر اس میں ایک روپیہ ڈال دیا ، پھر دولھا کا کنگنا دلھن اور دلھن کا دولھا سے کھلوایا ۔ دونوں کے کنگنے ایسے مضبوط بندھے تھے کہ ان کا کھولنا بہت مشکل تھا ۔ جب کروڑی مل سے گنگی کا کنگنا نہ کھلا تو عورتوں نے چاروں طرف سے خوب قہقہے مارے اور طرح طرح کے آوازے پھینکے ۔ کوئی بولی ''ارے ! تیری ماں نے تجھے خوب دودھ پلایا ہے''۔ کوئی کہنے لگی ''ارے ! بھلی ڈبوئی ۔ جو یہی گرہ نہیں کھول سکتا تو آگے کو کیا کرے گا ؟''

جب دونوں کنگنے کھل چکے تو نائن نے انھیں ملا لیا اور کئی دفعہ روپے کے ساتھ تھالی میں پھینکا ۔ دولھا دلھن دونوں اس تاک میں بیٹھے رھے کہ کب کنگنا گرے اور ھم لے لیں ۔ نائن نے بھی اسے اس انداز سے چھوڑا کہ کبھی وہ دولھا کے ھاتھ لگا اور کبھی دولھن کے ۔ اسی طرح سات دفعہ پھینکا ، مگر آخر کو لڑکے ھی کی طرف ڈالا کہ انجام کو دولھا ھی دلھن پر غالب رھے ۔ اس رسم کے بعد سب لڑکوں نے کھانا کھایا اور پھر رخصت ھو کر جنواسے میں چلے گئے ۔

دوسرے روز سدا سُکھ نے سب سمدھیوں کی دعوت کی ، شام سے ناچ شروع ھوا ۔ جب چھ گھڑی رات گئی تو وہ اپنے رشتہ داروں اور ایک پنڈت کو ساتھ لے کر جنواسے میں گیا ۔ وھاں جا کر پہلے ناچنے والیوں کی گالیاں سنیں اور اس کے انعام میں انھیں ایک اشرفی دی ، پھر دونوں طرف کے پنڈت چھالیا کی چار چار ڈلیاں اپنے ھاتھ میں لے کر وھاں آ بیٹھے ۔ پہلے دلھن کی طرف کے پنڈت نے سنسکرت میں ایک عبارت پڑھی ، جس کا ترجمہ یہ ھے :—

جہان میں سب سے بڑی زمین اور زمین سے بڑا سمندر ھے ، جو اسے چاروں طرف سے گھیرے ھوئے ھے اور اس سے بڑے اگت مُنی جو سمندر کو پی گئے اور اگت مُنی سے بڑا آسمان جس میں وہ

جگنو کی طرح چمکتے ہیں اور اُن سے بڑے وشن جی، جن کے ایک قدم کے برابر آسمان ہے اور وشن تمہارے ہردے میں ہے تو سب سے بڑے تم ہی ہو۔

یہ پڑھ کر اپنے ہاتھ کی چھالیا کی ڈلیاں دولہا کی طرف کے پنڈت کو دے دیں۔ پھر اُس نے ایک عبارت پڑھی، جس کا مطلب یہ ہے:—

اس جہان میں سانپوں کے سوا ایسا کوئی نہیں ہے جو تمہاری تعریف سُن کر سر نہیں ہلاتا اور واہ وا نہیں کہتا اور سانپوں کو خدا نے کان ہی نہیں دیے کہ وہ نہ تمہاری تعریف سنیں گے اور نہ سر ہلائیں گے اور اگر سانپ سر ہلایا کریں تو شیش ناگ بھی جس کے پھن پر یہ زمین ٹھہری ہوئی ہے، سر ہلائے اور زمین کا کچھ ٹھکانا نہ لگے۔ اس کے بعد سدا سُکھ خوشحال چند کو بھینٹ دے کر چلا گیا اور یہاں سب لوگوں نے کھانا کھایا۔

ابھی برات رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ دھلی سے غدر کی خبر آئی اور سب جگہ چرچا ہونے لگا کہ کالوں کی فوج میرٹھ سے بگڑ کر دھلی چلی گئی اور وہاں جا کر تمام انگریزوں کو قتل کر ڈالا اور شہر کو لوٹ لیا۔ پہلے تو خوشحال چند اور اَور لوگوں کو اس بات کا یقین نہ آیا، لیکن جب یہ حال اچھی طرح کُھل گیا تو خوشحال چند کے ہوش اُڑ گئے اور جو لوگ اُس کے ساتھ برات میں آئے تھے، ایک ایک کر کے سٹک گئے۔ خوشحال چند نے بھی جو مال و دولت کو اپنے بیٹے دولت سے زیادہ عزیز جانتا تھا، دھلی آنے کا ارادہ کیا اور دولت رام سے کہا ”بھائی! دلّی کی خبریں بُری سُننے میں آویں ہیں، میرا ارادہ ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں“۔

دولت رام بولا ”چار دن کی بات اَور ہے، پھر ہم تم سبھی چلے چلیں گے“۔

اُس نے کہا ”نہیں، تمھیں ابھی نہ چلنا چاہیے۔ رستے میں گوجر اور میو لوٹتے ہیں، اتنی بڑی برات کو کب چھوڑیں گے“۔

دوسرے روز صبح ہوتے ہی نہ سُدھ بُدھ کی لی اور نہ منگل کی لی ، ایک نوکر کو اپنے ساتھ لے ، گاڑی میں بیٹھ کر دہلی کو روانہ ہوا ۔ رستے میں اور بہت سی گاڑیاں اس کے ساتھ ہو گئیں اور ان میں سے بعض کے همراہ هتیار بند آدمی بھی تھے ۔

گنگا تک تو سب گاڑیاں اچھی طرح چلی آئیں ، مگر آگے بڑھتے ہی گوجروں کا ایک گروہ اُن پر آ پڑا ، ہتیار بندوں کے ہتیار دھرے ہی رہے ، گوجروں کی شکل دیکھ کر سب کے سب تھرّانے لگے ۔ ان لٹیروں نے سب گاڑی بانوں کو گاڑیوں سے اُتار دیا اور آپ گاڑیوں کو تمام آدمیوں سمیت ایک گاؤں میں جو سڑک سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر تھا ، ہانک لے گئے ۔

وہاں جا کر سب کی تلاشی لی اور جو جو شے جس کے پاس دیکھی ، چھین لی ۔ خوشحال چند کی ایسی بُری گت کی کہ اُس کے سارے کپڑے اُتروا کر ایک لنگوٹی بندھوا دی ، مگر جب اس نے بہت سی عاجزی اور خوشامد کی باتیں کیں تو صرف اس کی دھوتی دے دی اور نوکر کے پاس هتیار بندھے ہوئے تھے ، اس کی تو شامت ہی آ گئی ۔

تھوڑی دیر تک خوشحال چند اپنے نوکر کے چُھٹنے کا انتظار کرتا رہا ، مگر جب اُنھوں نے بڑی دیر تک نہ چھوڑا اور خوشحال چند سے کہا ”جو بھلا چاہے ہے تو جا بھاگ جا“ تو خوشحال چند روتا ہوا آگے بڑھا اور اس حالت میں یہ کہتا جاتا تھا ”بھگوان ! تیں نے یہ کیا بپتا ڈال دی ۔ جو دلّی میں بھی یہی حال ہے تو روپیہ کس نے چھوڑا ہوگا ۔ عورتوں کا بھگوان جانے کیا حال ہوگا ۔ اب ہمارا ٹھکانا کہیں نہیں رہا “۔

گرتا پھرتا کوس بھر گیا تھا کہ پاؤں میں چھالے پڑنے لگے ، پیاس کے مارے منہ خشک ہو گیا ، مگر کوئی کنواں نظر نہ آیا اور جو دکھائی بھی دیا تو اس پر ڈول نہ پایا ۔

آخر چلتے چلتے ایک کنواں سڑک کے کنارے پر ملا ، وہاں

ایک چمڑے کا ڈول پڑا ہوا تھا - پہلے سوچا کہ مذہب کے لحاظ سے چمڑے کے ڈول کا پانی نہ پینا چاہیے ، مگر یہ خیال کیا کہ جب جان ہی جاتی ہو تو کاھے کا دھرم ، جھٹ ڈول کھینچ کر پانی پی لیا -

وہاں سے تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک میو کا لڑکا جس کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی ، اسے دیکھ کر بولا ''لالہ ! دھوتی دھرتا جا ''-

خوشحال چند نے عاجزی سے کہا ''بھائی ! ایک سے بچا کر لایا ہوں - تیرے کس کام کی ہے ؟ میں ننگا شہر میں کہاں جاؤں گا ؟'' اور بہت سی خوشامد کی باتیں کر کے آگے بڑھا اور طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر ھاپور پہنچا -

چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے ، وہاں بازار میں جوتے کی تلاش کرنے لگا - اتنے میں ایک بنیے سے ملاقات ہوئی ، وہ اسے اپنے مکان پر لے گیا - خوشحال چند نے وہاں جا کر اپنی ساری حقیقت اس کے روبرو بیان کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا - وہ بنیا بولا ''لالہ صاحب ! روؤ کیوں ہو ؟ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا اب تو آپ اپنے گھر میں آن پہنچے ''-

اس طرح کی باتیں کر کے اس کی بہت خاطر داری کی اور کپڑا ، جوتا اور اور جو کچھ درکار تھا ، منگا دیا - خوشحال چند کو اپنے مال کی لو لگی ہوئی تھی ، دو روز تک تو اس کے مکان پر رہا اور پھر دھلی آنے کا ارادہ کیا - ہر چند اس بنیے نے منع کیا اور رستے کی خطر ناکی کا حال بیان کیا - مگر وہ کیا ماننے والا تھا ، بولا ''جو ہونا ہے سو ہو ، مجھے دلّی پہنچنا ہے - تم سے ہو سکے تو مجھے دلّی پہنچوا دو اور جو نہیں تو میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں ''-

اس بنیے نے ناچار ہو کر بڑی مشکل سے ایک ٹٹّو کرایے کو کر دیا اور خوشحال چند اس پر سوار ہو کر دھلی کی طرف روانہ ہوا -

تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک طرف سے دو چار آدمیوں نے گھیرا۔ ایک نے ٹٹو پر سے دھکا دے دیا اور دوسرے نے کہا "جو کچھ تیرے پاس ہے، وہ سب ڈال دے، نہیں تو ابھی مار ڈالتے ہیں"۔

اُس نے اپنے سارے کپڑے اُتار دیے۔ پھر اُن لوگوں نے اس کی خوب تلاشی لی، یہاں تک کہ اُس کا منہ کھلوا کر حلق میں انگلیاں ڈالیں۔ آخر لنگوٹی بندھوا کر رخصت کیا۔ ٹٹو والا بھی اپنا سر پیٹتا رہ گیا۔

خوشحال چند گرتا پڑتا دھلی میں آیا اور دروازے میں گھستے ہی جو پوربیے سپاھیوں کو ننگی تلواریں لیے بازار میں پھرتے دیکھا تو تلواروں کی چمک سے اُس کی آنکھوں کے تلے اندھیرا آ گیا۔

خیر، جس طرح ہو سکا، گھر پہنچا۔ وھاں سب عورتیں اُس کا یہ حال دیکھ کر رونے لگیں۔ اتنے میں اس کی بیوی بولی "چلو جان بچ گئی میں نے لاکھوں پائے"۔

خوشحال چند کو تو اپنے مال کی پڑ رھی تھی، آتے ھی تمام چیزیں زمین میں ایک جگہ دفن کرا دیں اور وہ جگہ ایسی ھموار کر دی کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہاں کچھ دبا ھوا ھے۔

ادھر تو خوشحال چند ان مصیبتوں میں پھنسا ھی ھوا تھا، اُدھر دولت رام کے سالے نے بھی سوچا کہ اس نے تو ھمارے ساتھ دغا کی ھے، مگر اب مجھے بھی بدلا لینے کا بہت اچھا موقع ھاتھ لگا ھے۔ یہ سوچ کر ایک انگریزی خواں کو بلایا اور خوشحال چند کی طرف سے ایک چٹھی انگریزوں کے لشکر کے کمانیر کے نام پر لکھوائی اور ایک آدمی کو کچھ روپے دینے کا اقرار کر کے کہا "اس چٹھی کو لے جا اور دو چار سپاھیوں کو دکھا کر کہو۔ دیکھو خوشحال چند ساھوکار انگریزوں کو چٹھیاں بھیجا کرے ھے"۔

اُس نے ویسا ھی کیا۔ سپاھی فوراً اُس کے مکان پر جا پہنچے

اور دروازہ توڑ کر اندر چلے گئے ۔ اتنے میں دولت رام کے سالے نے ایک اور چٹھی اس کے مکان میں ڈال دی ۔ خوشحال چند پوربیوں کی شکل دیکھتے ہی ڈر گیا اور دالان میں سے باہر نکل کر کہنے لگا ''کہو بابو ! کیوں کر آئے ہو ؟''

اُنھوں نے فوراً اُسے پکڑ لیا اور کہا ''ارے تو انگریزوں کو چٹھیاں بھیجتا ہے''۔

وہ بولا ''نہیں بابو ! ہرگز نہیں ۔ ہم بادشاہ کی رعیّت ہیں ، ہمیں انگریزوں سے کیا کام ؟''

اس نے ہر چند اس امر سے انکار کیا ، مگر پوربیوں نے نہ مانا اور اس کا سارا اسباب لوٹ لیا ۔ پھر اُسے پکڑ کر اپنے جنرل کے پاس لے گئے اور وہاں اس کے حکم سے مارا گیا ۔

دولت رام کا سالا جو اس امر میں سپاہیوں کا شریک بلکہ اس مقدّمے کا بانی تھا ، بادشاہ کے بڑے خیر خواہوں میں شمار ہونے لگا اور غدر بھر اُن کے ساتھ رہا اور اُنھیں کا دم بھرتا رہا ، مگر انجام کار انگریزوں نے اُسے گرفتار کر کے پھانسی دے دی ۔

اب بریلی کا حال سنیے ۔ خوشحال چند کے آنے کے تھوڑی مُدّت بعد وہاں کا کمپو بھی بگڑ گیا اور بریلی کا ایک رئیس جس کے بزرگ پہلے بھی وہاں کے سرادر تھے ، اس جگہ کا حاکم ہو گیا ۔ فوج کے بہتیرے آدمی اُس کے ساتھ ہو گئے اور مال داروں سے روپے طلب کرنے لگے ۔ مخبروں نے لوگوں کو جدا ستانا شروع کیا اور آپ ہی آپ طرح طرح کے بہتان اُٹھانے لگے ۔ ایک شخص سدا سکھ کے پاس آیا اور کہا ''لالہ ! فلانے انگریز کا بہت سا روپیہ تمھارے پاس جمع ہے ، اب تمھاری خبر لی جائے گی''۔

سدا سُکھ نے کہا ''ہمارے ہاں کسی انگریز کا کچھ روپیہ جمع نہیں ہے ، جس کے من میں آوے ، دیکھ لے''۔

دوسرے روز صبح ہی سدا سُکھ کو یہ خبر پہنچی کہ

میرے گھر کے لٹنے کا حکم ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی اُس نے اپنا سارا مال کہیں چھپا دیا اور آپ روپوش ہو گیا۔ سپاہیوں نے اس کے مکان کی تلاشی لی، مگر وہاں اُس کا پتا نہ لگا۔ اتنے میں کوئی اُس کا رشتہ دار بول اٹھا "بابو! وہ اپنے سمدھی کے ہاں گیا ہوگا"۔

یہ سن کر سپاہی دولت رام کے پاس آئے اور کہا "بتا تیرا سمدھی کہاں ہے"۔

اُس نے کہا "بابو! میں کیا جانوں؟ اپنے گھر ہوگا"۔

سپاہی بولے "ہاں تو کہا[1] جانے۔ مچلائی کی باتیں کرتا ہے؟"

دولت رام نے ہر چند عذر کیا، مگر اُنھوں نے کچھ خیال نہ کیا اور اس کی مشکیں باندھ لیں۔ چار پانچ سپاہی مکان کے اندر گھس کر کچھ اسباب لوٹنے لگے۔ اتنے میں اور پوربیے باہر سے آ گئے اور دولت رام کی مشکیں بندھی ہوئی دیکھ کر اپنے دل میں سمجھے کہ یہ شخص انگریزوں کا طرف دار ہوگا۔ یہ سمجھ کر دولت رام کی چھاتی میں ایک گولی ماری کہ وہ اُس کے صدمے سے مر گیا۔ پھر سب کے سب وہاں سے چلے گئے۔

تیج رام اور اُس کے رشتہ دار اُس روز صبح ہی کروڑی مل کو اپنے ساتھ لے کر رام گنگا نہانے چلے گئے تھے۔ وہاں سے واپس آئے تو نہایت گھبرائے۔ دولت رام کے لڑکے کو بہت سا پیار کیا۔ پھر وہاں بیٹھ کر حسرت و افسوس کی باتیں کرتے رہے۔ آخر ایک جاٹ نے کہا "بھائیو! جو ہوا سو ہوا۔ یہ تو اب مٹی ہے، اس کو پھوک آؤ"۔

تیج رام نے اسے رام گنگا پر لے جا کر پھکوا دیا اور کروڑی مل کے ہاتھ سے اس کی کپال کریا کرائی۔ اس روز کسی نے کچھ نہ کھایا اور سب کو نہایت رنج رہا۔ دوسرے روز جاٹ بولے "بھائی!

---

۱ - لفظ کیا کی جگہ اکثر پوربیے کہا بولتے ہیں۔

ایک کام کرو اس چھورا چھوری کو سدا سُکھ کے گھر چھوڑ چلو اور جس طرح ھو سکے اپنے گاؤں کو چلے چلو، نہیں تو یاد رکھنا تم بھی مارے جاؤ گے "۔

تیج رام نے ھر چند سدا سُکھ کی تلاش کی مگر اس کا کہیں پتا نہ ملا ۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ دولھا دلھن کو ساتھ لے چلنا چاھیے ۔

القصّہ ان دونوں کو مینا سمیت ایک گاڑی میں بٹھا دیا اور سب کے سب جاٹ بندوق ، تلوار ، لاٹھی ، سونٹا لے وھاں سے چلے ۔

جب مراد آباد سے ورے نکل آئے تو انھوں نے گوجروں کی ایک دھاڑ آتی ھوئی دیکھی ۔ تیج رام نے اپنی طرف کے جاٹوں سے کہا "بھائیو ! تیار ھو جاؤ لٹیرے آویں ھیں ۔ میں تم سے پہلے ھی کہوں تھا ، یہ چھورا چھوری کا ٹوم چھلّا ھمیں بھی مروا دے گا "۔

وہ بولے "ارے ! کیوں گھبرایا جائے ھے ؟ آنے دے ، پہلے ھمیں مار ڈالیں گے ، جب ھی چھوری کی ٹوم کو ھاتھ لگاویں گے "۔

جب گوجر اُن کے قریب آ گئے تو ایک جاٹ نے پکار کر اُن سے کہا "بھئی ! جو لوٹنے کی بچار کر آئے ھو تو ویسی ھی کہ دو ، ھم بھی لڑنے مرنے کو تیار ھیں ۔ جاٹ کے پوت ھیں ، جو اپنے سر دیں گے تو پہلے دو چار کا کاٹ بھی لیں گے اور جو اپنی ڈگر جانا ھے تو چلے آؤ ۔ ھم تم سے بولتے نہیں "۔

گوجر بولے "ھمیں یہ گاڑی دے دو اور ھم کچھ نہیں چاھتے "۔

ان کا یہ کہنا تھا کہ جاٹوں نے بندقوں کی ایک باڑ چھوڑی اور پھر تلواریں سوت کر گوجروں کے کئی آدمی مارے۔ جو باقی رھے تھے ، وہ بھاگ گئے ۔

اس کے بعد سب کے سب جاٹ اپنی بہادری کی تعریف کرتے ھوئے اور گوجروں کو ھزاروں گالیاں دیتے ھوئے آگے بڑھے ۔ کوئی کہتا

تھا ''دیکھو ، میں نے اُس ٹھنگنے کی کیسی ناڑ کاٹی ہے''۔ دوسرا بولا ''ارے ! وہ تو ایسے بھاگے ، جیسے بھیڑ بھاگے ہے - پیچھا پھر کر بھی تو نہیں دیکھا ''۔

اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے گنگا پر پہنچے اور ایک برھمن کے مکان پر جو اُن کے گاؤں کا پروھت تھا ، جا اُترے اُس نے ان کی بڑی خاطر داری کی - رات بھر وھاں رھے - صبح ھوتے ھی آگے بڑھے ، مگر چاروں طرف دیکھتے جاتے تھے کہ ایسا نہ ھو ، گوجر آ جائیں -

تین چار ھی کوس گئے تھے کہ انھیں ایک گاؤں ملا - دیکھتے کیا ھیں کہ وھاں دس بیس آدمی ایک جگہ جمع ھیں - کوئی کہ رھا ھے ''ارے ! کیا سوچو ھو ، مار بھی ڈالو - کوئی کہتا ھے نہیں ان کو گاؤں میں رکھنا چاھیے - جو اپنی پناہ میں آئے ، اُس پر ھاتھ اُٹھانا اچھا نہیں ''۔

اسی طرح کوئی کچھ کہ رھا تھا ، کوئی کچھ - جاٹ یہ باتیں سُن کر اُن کی طرف گئے اور دیکھا کہ وھاں ایک انگریز اور ایک میم دونوں ننگے پاؤں بیٹھے ھیں اور میم کی گود میں ایک بچہ ھے اور کئی لٹیرے اُن کے گرد کھڑے ہوئے اپنی اپنی گفتگو کر رھے ھیں - مینا اُنھیں دیکھ کر کہنے لگی ''جانے کس نپوتے نے ان کو دکھ دیا ھے - ارے اس گاؤں کے لوگ بڑے نِردئی ھیں - چھورا تو دیکھو ، جیسے گلاب کا پھول ھے - رام جی نے اُن کے اُوپر بپتا ڈال دی ''۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ میم بولی ''تمھارے پاس بھی بابا لوگ ھے - مسی بابا کو مار گئے ، اب اس کو بھی ماریں گے''۔

جاٹوں کو میم کی اس بات پر رحم آیا اور سب کے سب آپس میں کہنے لگے ''بھائیو ! تم تو بریلی سے سر بیچ کر چلے ھو ، جو ھو سکے تو ان کو بھی بچاؤ ''۔

یہ سن کر تیج رام نے اُس گاؤں والوں سے کہا ''ارے ! کیوں ان کو ستاؤ ھو ؟ ایک تو وہ دن تھا جب ان کے پیادے بھی کانپو

تھے ۔ اب جو ان پر رام جی نے بپتا ڈال دی تو ان کی پاس بھی تمھیں نہیں سہاتی؟''

یہ سُن کر وہ سب کے سب بول اٹھے ''جو ایسا نوسرکا ھے تو تُو ھی کیوں نہیں لے جاتا ؟ رات دن ھمارے گاؤں میں ترک سوار ڈولا کریں ھیں ۔ جو وہ سن پاویں گے تو ھمیں اور انھیں کولھو میں پلوا دیں گے ۔ سو ھمیں کیا جو اُن کے ساتھ اپنے بال بچّے مروا دیں ؟''

جاٹ بولا ''بھلا رے بھلا ! ھم ھی لے جائیں گے ۔ دیکھ لیں گے ترک سواروں کو ''۔

پھر اُنھوں نے انگریز سے مخاطب ھو کر کہا ''آ صاحب ! ھمارے ساتھ چل ۔ ھم تجھے اپنی گاڑی میں بٹھا لیں گے اور جہاں تو کہے گا وھیں پہنچا دیں گے''۔

یہ سنتے ھی انگریز اور میم اپنے بچّے کو لے کھڑے ھو گئے اور جاٹوں کے ساتھ چلے ۔

جب اس گاؤں سے تھوڑی دور نکل گئے ، جاٹوں نے میم کو جاٹنی کے کپڑے پہنائے اور انگریز اور بچّے کے کپڑے بھی بدل دیے ۔ پھر ان سب کو گاڑی میں سوار کیا اور سینا گاڑی میں سے اُتر کر مردوں کے ساتھ پیدل چلنے لگی ۔

شام کو ایک گاؤں میں پہنچے ۔ وھاں کوئی سرا نہ تھی ، اس واسطے ایک بنیے کے مکان پر جا اُترے ۔ اتفاقاً اس گاؤں کے کسی لڑکے نے انگریز کے بچے کو گاڑی میں سے اُترتے ھوئے دیکھ لیا اور اپنے ماں باپ سے جا کر کہا ''بنیے کی حویلی میں ایک فرنگی کا چھورا آیا ھے''۔

اس کے باپ نے اس بات کا کچھ خیال نہ کیا اور حقّہ بھر کر چوپال پر جا بیٹھا ۔ وھاں طرح طرح کی گفتگو ھو رھی تھی ۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا ''ارے ! آج تو اس بنیے نے اپنی حویلی میں

بہت سے جاٹوں کو آتار رکھا ہے ۔ ان کے ساتھ فرنگی اور فرنگن بھی ہے ۔

اس لڑکے کا باپ بولا ''ہمارا چھورا بھی کہے تھا ، پر بھئی ! ہمیں تو ایمان نہ آیا ''۔

اس میں اور بہت سے آدمی وہاں گئے اور سارے گاؤں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ جاٹوں کے ساتھ فرنگی ہے ۔ بہت سے میو ، گوجر ، قصّاب اور جلاہے جو اس گاؤں میں رہتے تھے ، بنیے کے پاس گئے اور کہنے لگے ''ارے ! کیوں شامت آئی ہے ، پھر اپنے کرموں کو بیٹھا رووے گا ۔ فرنگی کو کہاں سے لا کر تیں نے اپنے مکان پر آتار لیا ۔ ان کو جلدی نکال ، نہیں تو مارا جائے گا ''۔

وہ کہنے لگا ''نہیں تو ، ہمارے گھر میں تو جاٹ آترے ہوئے ہیں ، چاہے تم چل کر دیکھ لو ۔ آنھوں نے ہماری دکان سے سودا لیا تھا ۔ پوچھنے لگے ، یہاں آترنے کو بھی کوئی جگہ ہے ؟ میں نے کہا ، ہمارے مکان میں آترو ، ایک مکان خالی پڑا ہے''۔

ان لوگوں نے یہ سن کر بنیے کو اپنے ساتھ لیا اور اس مکان کی طرف گئے ۔ جاٹوں نے جو بہت سے آدمیوں کو آتے دیکھا ، جھٹ دروازہ بند کر لیا ۔ بنیے نے پکارا ''بھائیو ! دروازہ کھولو'' مگر جاٹوں نے کچھ توجّہ نہ کی ۔ تب تو اُن لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہاں ضرور کوئی انگریز ہے ۔

یہ سمجھ کر اپنے اپنے گھر گئے اور فوراً ہتیار لے کر چلے آئے ۔ جاٹ بھی اپنی بندوقیں سنبھال کر چھت پر آ کھڑے ہوئے ۔ وہاں دیواروں میں بہت سے سوکھے بنے ہوئے تھے اور عین دروازے کے اوپر بھی کچھ سوراخ تھے ۔ انھوں نے ایسا بندوبست کیا کہ جس نے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا ، اُسی کے گولی ماری ۔

دو دن تک جاٹوں نے کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا مگر جب تیسرے دن انھوں نے دیکھا کہ بندوقیں بھرنے کو بارود اور پیٹ بھرنے کو کھانا نہیں ہے تو گھبرا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے

مینا بولی ''یہاں تیل بہت ہے اور کڑھایا بھی رکھا ہے ، اس کو چولھے پر چڑھا کر تیل تتّا کر لو اور جب یہ لوگ آویں تو جلتا تیل اُن کے اوپر ڈال دو ''۔

یہ بات سن کر ایک جاٹ بولا ''چاچی ! بات تو تین نے چوکھی کہی ، پر دو دن سے کھانے کو کم ملا ہے اور آج ہے ہی نہیں ۔ یہاں سے کسی طرح نکل ہی جائیں تو اچھا ہے ''۔

اتنے میں انگریز بولا ''جو تم میں سے کوئی ہمارا چٹھی میرٹھ کو لے جائے تو وہاں سے گورا لوگ آ جائے گا ''۔

تیج رام نے کہا ''چٹھی تو میں لے جاؤں ، پر باہر سدّعی کھڑے ہیں ، نکلوں کیوں کر ؟''

ایک جاٹ بولا ''یہاں گھر میں ایک گھوڑی بندھی ہوئی ہے ، اس کو کس کر دروازے کے برابر کھڑی کر دو ۔ جب یہ چوڑے آویں گے تو ہم اوپر سے ان پر تیل ڈالیں گے اور تُو گھوڑی پر چڑھ کر تیار کھڑا رہ ۔ جب وہ بھاگیں تو تُو تلوار ہلاتا ہوا جھٹ نکل جائیو ، کوئی سامنے نہیں پڑنے کا ''۔

یہ تدبیر سب کو پسند آئی ۔ چولھے میں آگ جلا کر تیل چڑھا دیا ، گھوڑی کو دروازے کے برابر لا کر کھڑا کیا ۔ انگریز نے بھی چٹھی لکھ کر تیج رام کو دے دی ۔

جب گاؤں والوں نے دیکھا کہ ان جاٹوں کو بندوق چھوڑے ہوئے بڑی دیر ہو گئی تو کہنے لگے ''ارے ! ان کے پاس بارود ہو چکی ، اب آؤ چڑھ چلو اور ایک کُدال لے چلو ، اس سے دروازے کو توڑیں گے ''۔

یہ کہ کر وہ سب جمع ہوئے اور دروازے پر آئے ۔

جس وقت اُنھوں نے دروازہ توڑنے کا ارداہ کیا ، تیج رام گھوڑی پر چڑھ گیا اور اَور جاٹوں نے اوپر سے جلتا ہوا تیل ان کے اوپر ڈالا ۔ کئی آدمی جھلس گئے اور باقی اُلٹے بھاگے ۔ اُن کا بھاگنا تھا کہ تیج رام

دروازہ کھول کر باہر آیا اور تلوار ہلاتا ہوا تیر کی طرح نکل گیا۔ بعض آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا، مگر وہ اُن کے ہاتھ نہ آیا اور میرٹھ پہنچ گیا۔ جاٹوں نے اس کے نکلتے ہی پھر دروازہ بند کر لیا۔

تیج رام نے انگریزی چٹھی میرٹھ کے جنرل کو دی۔ اس نے چٹھی دیکھتے ہی پچاس گورے تیج رام کے ساتھ کر دیے۔ گاؤں والوں نے جس وقت گوروں کو آتے ہوئے دیکھا، گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے اور جو گوروں کے ہاتھ آئے، وہ مارے گئے۔ تیج رام نے جا کر بنیے کا مکان کھلوایا۔ انگریز، میم اور بچّہ تینوں کے تینوں جاٹوں سمیت باہر آئے۔ پھر سب کے سب گوروں کے ساتھ میرٹھ چلے گئے۔ وہاں جا کر اس انگریز نے جاٹوں کی بڑی خاطر داری کی اور کہا ''سنو! تم لوگ ہمارے ساتھ رہو، ہم سرکار سے تم کو بڑا انعام دلوا دے گا''۔

جاٹ بولے ''صاحب! اب ہم اپنے گاؤں کو جائیں گے، تم ہمارے نام لکھ لو'' اور کروڑی مل کی طرف اشارہ کر کے کہا ''چھورے کا دادا بھی فکر میں بیٹھا ہوگا''۔

آخر اس انگریز نے سب کے نام لکھ لیے اور انھیں ایک سارٹیفکیٹ دیا۔

یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے اور جب دھلی پہنچے تو خوشحال چند کا حال سُن کر اور بھی پریشان ہوئے۔ تیج رام کروڑی مل کو اپنے گاؤں میں لے گیا اور جب غدر ہو چکا اور پھر امن کی صورت نظر آئی تو تیج رام اور اُس کے بھائیوں کو سرکار سے بہت سا انعام ملا۔ تھوڑے دنوں کے بعد تیج رام نے کروڑی مل کے دادا کا مکان بیچ کر اپنے گاؤں میں آسے ایک دکان کھلوا دی اور وہ بنیج بیوپار کر کے اپنا گزارہ کرنے لگا۔

پانچواں باب

مسلمانوں کی مذہبی باتوں اور ان کی ذاتوں کا بیان

(اس باب میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل

بعض پیغمبروں کا مختصر حال جو قرآن اور حدیث[1] اور مسلمانوں کی تاریخی کتابوں کے موافق ہے

اہل اسلام[2] کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خالق حقیقی نے تمام موجودات سے پہلے حضرت محمد[ص] صاحب ہی کا نور پیدا کیا اور وہی ساری مخلوقات کے پیدا ہونے کا باعث ہیں۔ حضرت آدم[ع] کے ظاہر ہونے سے پہلے دنیا میں جن آباد تھے اور ان کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی۔ مدت تک اُن کی نسل قائم رہی، مگر جب وہ سرکش ہو گئے اور زمین پر ظلم کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل[ع] کو اور فرشتوں کے ساتھ اُن کے سزا دینے کے واسطے بھیجا، انھوں نے آ کر

۱۔ اصطلاح شرع میں حضرت محمد[ص] کے قول و فعل کو اور اس کام کو جو ان کی رضامندی سے ان کے سامنے کسی اور شخص نے کیا ہو، حدیث کہتے ہیں۔

۲۔ اسلام کے لغوی معنی فرمانبرداری کرنے کے ہیں۔

جہان کو جنّوں کی آلائش سے پاک کر دیا ۔

حضرت آدمؑ

جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عزرائیلؑ کو حکم دیا کہ نرم ، سخت ، سرخ ، سفید ، سیاہ اور ہر قسم کی خاک سے ایک ایک مٹھی زمین پر سے بھر لا ۔ وہ رنگ برنگ کی خاک جمع کر لایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا پُتلا اس مٹی کے خمیر سے بنایا ۔ یہ پُتلا مختلف قسم کی مٹی سے بنا تھا ، اس واسطے بلحاظ رنگ اور طبیعت کے بنی آدم کی پیدائش مختلف قسم کی ہوئی ۔

جب پُتلا بن کر تیار ہوا چکا تو خدا تعالیٰ نے اس میں روح ڈالی اور اُسے عزّت اور بزرگی کے تخت پر بٹھایا ۔ پھر کمال ظاہری اور باطنی سے آراستہ کر کے اس کی تعظیم و تکریم کے واسطے بڑے بڑے فرشتوں کو جو حضرت آدمؑ کے تخت کے گرد ادب سے صف باندھے کھڑے ہوئے تھے ، حکم دیا کہ اس کے سامنے سجدہ کرو ۔

سب فرشتوں نے بلا عذر سجدہ کیا ، مگر عزرائیل یعنی ابلیس نے جو جن تھا اور عبادت کے سبب سے فرشتوں میں ملا جلا رہتا تھا ، اس امر سے انکار کیا اور بولا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں ، کیوں کہ مجھے آگ سے اور آدمؑ کو مٹّی سے پیدا کیا ہے ۔

اس نافرمانی کی سزا میں وہ شیطان کے لقب سے مشہور ہوا اور فرشتوں میں سے نکالا گیا اور لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈالا گیا ۔

اس کے بعد فرشتے حضرت آدمؑ کو بہشتی لباس پہنا کر بہت اعزاز و اکرام سے جنّت میں لے گئے اور جب وہ وہاں رہنے لگے تو ان کی طبیعت ایک جلیس ہمدم اور انیس محرم کی مشتاق ہوئی ۔

حضرت آدمؑ پر خواب نے غلبہ کیا اور اس وقت آن کی بائیں پسلی

سے حضرت حوّا پیدا ہوئیں ۔ حضرت آدم نے بیدار ہوتے ہی دیکھا کہ ایک عورت نہایت خوبصورت ان کے پاس بیٹھی ہے ۔ بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجا لائے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ان دونوں کا عقد نکاح باندھا اور ارشاد فرمایا کہ اے آدمؑ اور حوّا ! تم دونوں بہشت میں رہو اور یہاں کے سارے میوے کھاؤ اور ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے ارشاد کیا کہ اس کے پاس نہ جاؤ اور کہتے ہیں کہ وہ گیہوں کا درخت تھا ۔

ابلیس حضرت آدمؑ کا دشمن ہو ہی گیا تھا اور ہمیشہ اسی تدبیر میں رہتا تھا کہ کسی صورت سے بہشت میں داخل ہو اور حضرت آدمؑ کو وہاں سے نکالے ۔ آخر ایک سانپ کی مدد سے بہشت میں پہنچا اور حضرت آدمؑ کو اسی درخت کے پھل کھانے کی ترغیب دی ، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا اور کہا ''اگر تھوڑا سا میوہ بھی اس درخت میں سے کھاؤ گے تو ہمیشہ زندہ رہو گے اور آرام پاؤ گے'' مگر حضرت آدمؑ نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا ''مجھ سے خدا کی نافرمانی ہرگز نہ ہوگی'' ۔ شیطان نے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں ۔ اس پر بھی حضرت آدمؑ نے نہ مانا اور اس کے پاس سے اٹھ گئے ۔ شیطان نے حضرت حوّا کے پاس عاجزی کرنی شروع کی ۔ اس کے درپے ہونے سے حضرت حوّا نے اس درخت کے کچھ پھل آپ کھائے اور تاکید کر کے کچھ حضرت آدمؑ کو کھلائے ۔ یہی امر بہشت سے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کے نکلنے کا سبب ہوا ۔

علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ اس پھل کی تاثیر حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کے معدوں میں اچھی طرح نہ ہوئی تھی کہ بہشت کا لباس ان کے بدن پر سے گر پڑا اور دونوں ننگے ہو گئے ۔ ناچار انجیر اور کیلوں کے پتّوں سے انھوں نے اپنا ستر ڈھانکا اور اپنے قصور پر بہت پشیمان ہوئے ۔ پھر خدا تعالیٰ کے حکم سے بہشت سے نکالے گئے ۔ حضرت آدمؑ سراندیپ میں اور حضرت حوّا جدّے[1] میں گریں ۔

---

۱ - جو مقام کسی زمانے میں خاص نام سے نامزد نہ ہوئے تھے ان کے نام

کہتے ہیں کہ سانپ کی صورت پہلے نہایت پاکیزہ اور پسندیدہ تھی ، اس گناہ میں مدد کرنے کے سبب سے بالکل مسخ[1] ہو گئی - اللہ تعالیٰ نے خاک اس کی خوراک ٹھہرائی اور پیٹ اور سینے کے بل زمین کو رگڑ کر چلنا بھی اسی امر کی سزا میں مقرر کیا اور عورت کا عذاب خاوند کی اطاعت کرنی اور اولاد کے جننے کا دکھ اٹھانا اور طرح طرح کی آلودگی میں آلودہ رہنا قرار پایا اور مرد کی سزا یہ مقرر ہوئی کہ وہ محنت اور مشقّت سے معاش کی چیزیں بہم پہنچایا کرے - علاوہ اس کے خدائے تعالیٰ نے سانپ اور بنی آدم میں ہمیشہ بغض اور دشمنی ڈال دی -

حضرت آدم[ؑ] بہت مدّت تک گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں مشغول رہے - پھر حضرت جبرئیل[ؑ] فرشتے ان کے پاس آئے اور گناہ معاف ہونے کی خوش خبری لائے - حضرت آدم[ؑ] نے بہت شکر ادا کیا اور خدا کے حکم کے موافق ایّام بیض[۲] کے تین روزے رکھے - ان روزوں کی برکت سے ان کی تکلیف بالکل دور ہو گئی اور ان کا بدن جو مصیبت اور رنج سے سیاہ ہو رہا تھا ، صاف اور منوّر ہو گیا - اسی واسطے مسلمان لوگ علاوہ اور روزوں کے ہر مہینے میں یہ تین روزے رکھنے بھی بہت اچھے جانتے ہیں -

مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس عرصے میں حضرت آدم[ؑ] کو کعبے کے بنانے کا حکم ہوا اور انھوں نے حضرت جبرئیل[ؑ] کی تعلیم اور فرشتوں کی مدد سے کعبے کی بنیاد ڈالی اور حجر[۳] اسود کو جسے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰ :

بلحاظ آئندہ لکھے گئے ہیں اور ان سے وہ جگہیں مراد ہیں جہاں اب ان ناموں کے مقام واقع ہیں -

۱ - مصدر بمعنی مفعول ہے اور اس کے معنی ممسوخ ہو گئی ، یعنی بگڑ گئی ہیں -

۲ - چاندنی کے دنوں یعنی ہر قمری مہینے کی تیرھویں ، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو ایام بیض کہتے ہیں -

۳ - حجر اسود ایک سیاہ پتھر کا نام ہے جو کعبے میں رکھا ہوا ہے -

حضرت آدمؑ بہشت سے اپنے ساتھ لائے تھے ، کعبے میں ایک طرف جا یا - پھر حضرت جبرئیلؑ نے حج اور طواف کے طریق حضرت آدمؑ کو بتائے -

اتنے میں حضرت حوّا بھی حضرت آدمؑ کی تلاش میں پھرتی ہوئی وھاں پہنچیں اور مقام ازدلاف[1] پر دونوں کی ملاقات ہوئی اور اسی واسطے اس مقام کو جمع بھی کہتے ہیں - پھر تھوڑی ہی دور دونوں گئے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ کے کہنے سے انھوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اور اسی سبب سے وہ پہاڑیاں جہاں ان کا تعارف ہوا ، عرفات کہلاتی ہیں -

جب حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا نے زمین پر قیام کیا تو حضرت جبرئیلؑ نے کچھ گیہوں اور روٹی اور لکڑی پہنچائی اور کھیتی کرنی سکھائی -

حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا دونوں مل کر گزارہ کرنے لگے - جب حضرت حوّا کو حمل رھتا تو ان کے ھاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی دونوں ساتھ پیدا ہوتے اور خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی شریعت میں مقرر کر دیا تھا کہ ایک حمل کا بیٹا دوسرے حمل کی بیٹی سے بیاھا جائے - اس سبب سے بنی آدم کی کثرت ہونی شروع ہوئی -

اس کے بعد حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ھابیل اور قابیل میں جھگڑا ہو پڑا - قابیل سنگ دل نے شیطان کے بہکانے سے ھابیل مظلوم کے سر پر ایسا پتھر مارا کہ وہ جان بحق ہو کر شہید ہوا - ھابیل کے شہید ہونے کے بعد قابیل قصاص کے خوف سے آوارہ اور سرگرداں پھرا کیا - پھر بھاگ کر ملک یمن میں چلا گیا اور نافرمانی اور کفر اختیار کیا -

---

۱ - ازدلاف لغت عربی میں قریب ہونے کو کہتے ھیں - اس مقام میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا دونوں قریب ہوئے تھے اور ان کی ملاقات ہوئی تھی ، اس سبب سے اس کا نام مزدلفہ قرار پایا -

اھل اسلام بیان کرتے ھیں کہ حضرت آدمؑ ھمیشہ کعبے کو حج کے واسطے جایا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ وہ کوہ عرفات پر سو گئے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام اولاد کو جو روز قیامت تک پیدا ھوگی ، نیک بختوں کو دائیں طرف اور بد بختوں کو بائیں طرف قائم کر کے دکھایا ۔ حضرت آدمؑ نے ان سب کو اسلام کی ھدایت کی ۔

پھر حضرت آدمؑ پر بیماری نے غلبہ کیا اور انھیں بہشت کے میووں کی خواھش ھوئی ۔ حضرت جبرئیلؑ اور اور کئی فرشتے کفن اور خوشبو بہشت میں سے لائے اور ملک الموت روح قبض کرنے میں مصروف ھوا ۔ حضرت آدمؑ خدا کی توحید اور تسبیح میں مشغول تھے کہ ملک‌الموت نے اپنا کام تمام کیا اور حضرت جبرئیلؑ کی تعلیم کے موافق حضرت آدمؑ کے بیٹے حضرت شیثؑ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی ۔ اسی واسطے حضرت آدمؑ کی اولاد کے لیے جنازے کی نماز روز قیامت تک مقرر ھوئی ۔ جب حضرت آدمؑ نے اس دنیا سے انتقال کیا تو ان کی عمر نو سو تیس برس کی تھی ۔

حضرت شیثؑ

حضرت آدمؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت شیثؑ کو پیغمبری ملی ۔ مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ھے کہ جب حضرت آدمؑ ھابیل کے صدمے میں بے قرار رھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو اُن کی تسلّی کے واسطے بھیجا کہ حق تعالیٰ تجھے ایک فرزند رشید عنایت کرے گا کہ اُس کی نسل سے بنی آدمؑ کے سردار حضرت محمدؐ پیدا ھوں گے ۔ چنانچہ ھابیل کے مرنے کے پانچ برس بعد حضرت شیثؑ پیدا ھوئے اور وہ حسن صورت اور خوبئی سیرت میں حضرت آدمؑ کے مشابہ تھے ۔

حضرت شیثؑ کے زمانے میں دو قسم کے آدمی تھے ۔ بعض حضرت شیثؑ کی اطاعت کرتے تھے اور بعض قابیل کی اولاد کے پیرو تھے ۔ ان

میں سے کچھ آدمی حضرت شیث[ع] کی نصیحت سے راہ راست پر آئے اور کچھ بدستور نافرمان رہے - آخرکار حضرت شیث[ع] اس جہان سے رخصت ہوئے اور ان کی عمر نو سو بارہ برس کی ہوئی -

حضرت ادریس[ع]

حضرت شیث[ع] کے بعد حضرت ادریس[ع] کو نبوّت کا درجہ ملا اور ان کا اصل نام اخنوخ ہے ، مگر اس سبب سے کہ وہ آسمانی صحیفوں کے درس میں بہت مصروف رہتے تھے ، انھیں حضرت ادریس[ع][1] کہنے لگے - ان کے سمجھانے سے قابیل کی اولاد میں سے بہت سے آدمی اسلام لائے اور جن لوگوں کے دلوں پر گمراہی چھائی ہوئی تھی ، انھیں نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا - جب حضرت ادریس[ع] کی عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی تو خدا تعالیٰ نے انھیں زندہ آسمان پر بُلا لیا ۔

حضرت نوح[ع]

حضرت ادریس[ع] کے بعد لوگ پھر گمراہ ہوئے ، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح[ع] کو پیغمبر کیا - انھوں نے ہر چند ہدایت کی ، مگر اسّی آدمیوں کے سوا کوئی اسلام نہ لایا - تب حضرت نوح[ع] نے وحی[2] الٰہی کے موافق ایک کشتی بنائی اور حضرت جبرئیل[ع] نے ہر جنس کے جانور جو روے زمین پر تھے ، حضرت نوح[ع] کے پاس لا کر جمع کیے - انھوں نے ہر قسم کے جانور کا ایک جوڑا کشتی میں چڑھا لیا اور ان لوگوں کو بھی[3] جو ایمان لائے تھے اپنے پاس بٹھا لیا - انھیں

---

۱ - لفظ ادریس درس سے مشتق ہے -

۲ - خدا تعالیٰ کے پیغام کو جو خاص صورتوں سے نازل ہوتا ہے ، وحی کہتے ہیں -

۳ - بعض آدمی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نوح[ع] نے چھ آدمیوں کو کشتی میں بٹھایا -

لوگوں میں ان کے تین بیٹے سام، حام اور یافت بھی تھے اور ایک بیٹا جو ایمان نہ لایا تھا طوفان میں تباہ ہوا۔ اسی واسطے لکھا ہے کہ پیغمبرزادگی بغیر اعمال نیک کے بے کار ہے اور اچھے عملوں کا فائدہ بغیر نسب عمدہ کے بھی بے شمار ہے -

جب تمام چرند و پرند اور آدمی کشتی میں بیٹھ چکے تو ایک تنور سے پانی نکلنا شروع ہوا اور آسمان سے بھی مینہ کی جھڑی لگی - رفتہ رفتہ پانی تمام پہاڑوں اور درختوں سے بلند ہوا اور کافر اور ان کا مال و متاع اور عمارتیں سب غرق ہو گئیں -

چالیس دن تک طوفان ترقی پر رہا ، پھر حضرت نوحؑ کی کشتی موصل کی زمین میں کسی پہاڑ پر ٹھہری - کشتی والوں نے وہاں ایک گاؤں آباد کر کے اپنی تعداد کے موافق سوق الثمانین[1] اس کا نام رکھا - اس کے بعد ایک اور وبا آئی اور حضرت نوحؑ اور ان کے تینوں بیٹے سام ، حام اور یافث اور ان کی بیویوں کے سوا کوئی نہ بچا - پھر خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی نسل میں ایسی برکت دی کہ چالیس برس کے عرصے میں بہت سے ملک اور ہزاروں شہر اُن کی اولاد نے بنا کر آباد کیے اور ان میں سے اکثر ملکوں کے نام ان کے آباد کرنے والوں کے نام سے مشہور ہوئے - حضرت نوحؑ کی عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی اور چھ سو برس کی عمر میں طوفان آیا - ان کو آدم ثانی اور شیخ الانبیا بھی کہتے ہیں -

حضرت هودؑ

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت هودؑ اور حضرت صالحؑ کو نبوّت عنایت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت هودؑ کو قوم عاد کی هدایت کے واسطے اور صالحؑ کو قوم ثمود کی نصیحت کے لیے بھیجا - ان دونوں قوموں کے لوگ بہت دراز قد اور قوی اور متکبّر تھے - قوم عاد میں

---

۱ - سوق الثمانین کے لغوی معنی اسی آدمیوں کا بازار ہیں -

سے تھوڑے سے آدمی حضرت ھودؑ کے سمجھانے سے ایمان لائے اور باقی بت پرست رہے ۔ تب قادر مطلق نے ان پر آندھی کا طوفان نازل کیا اور وہ سب تباہ اور برباد ھو گئے ۔ مگر حضرت ھودؑ اور ان کے رفیق اس آفت سے محفوظ رہے ۔ جب حضرت ھودؑ کی عمر چار سوچونسٹھ برس کی ھوئی تو انھوں نے اس دنیا سے انتقال کیا ۔

قوم عاد میں جو بڑا مغرور بادشاہ شدّاد نامی گزرا ھے ، وہ حضرت ھودؑ ھی کے وقت میں تھا ۔ حضرت ھودؑ نے ھر چند اسے ھدایت کی اور بہشت اور طرح طرح کی نعمتوں کی ترغیب دی ، مگر وہ باز نہ آیا اور بولا "اے ھودؑ ! میں اسی جہان میں بہشت بناؤں گا اور وھیں رات دن عیش مناؤں گا "۔ آخر اس نے اپنے ملک کے عاملوں کے پاس قاصد بھیج کر سونا ، چاندی ، اور جواھر گراں بہا اور اور بہت چیزیں منگائیں اور ایک عالی شان محل تیار کرا کر اسے باغ اور نہروں سے آراستہ کیا ۔ جب اس مقام کی تعمیر کا کام تمام ھوا تو ارم اس کا نام ھوا ۔ پھر شدّاد اپنی فوج سمیت اس کے دیکھنے کو گیا ، مگر منزل مقصود تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ ملک‌الموت نے اس کی روح قبض کر لی اور باغ ارم کے دیکھنے کی حسرت اس کے دل میں رہ گئی ۔

حضرت صالحؑ

جب قوم ثمود مال، اور اولاد کی کثرت سے گمراہ ھوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں سے حضرت صالحؑ کو پیغمبر کیا ۔ انھوں نے اس قوم کی رھنمائی میں بہت کوشش کی ، مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا ، اس واسطے خدا تعالیٰ نے سب کافروں کو کڑک بجلی کی آواز سے ھلاک کر دیا اور وہ کلیجا پھٹ کر مر گئے اور حضرت صالحؑ اور ان کے ھمراھی اس صدمے سے امن میں رہے ۔ جب حضرت صالحؑ کی عمر اٹھاون برس کی ھوئی تو انھوں نے بھی وفات پائی ۔

حضرت ابراھیمؑ

جس زمانے میں حضرت ابراھیمؑ پیدا ھوئے، اُس زمانے میں بابل اور سواد عراق کا بادشاہ نمرود تھا۔ کہتے ھیں کہ حضرت ابراھیمؑ کے پیدا ھونے سے پہلے نمرود نے خواب دیکھا کہ ایک ستارہ نکلا ھے اور وہ بڑھتے بڑھتے اس قدر روشن ھو گیا کہ آفتاب بھی اس کے آگے ماند معلوم ھونے لگا۔ اس نے مُعبّروں سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ انھوں نے بیان کیا کہ تھوڑے عرصے میں ایک لڑکا پیدا ھوگا، جس کی بزرگی اور عظمت کے آگے تیری شان و شوکت بالکل جاتی رھے گی اور تیرا ملک و دین سب برباد ھو جائے گا۔ یہ سن کر نمرود نے حکم جاری کیا کہ اس سال میری عمل داری میں جو لڑکا پیدا ھو، فوراً قتل کیا جائے، مگر حضرت ابراھیمؑ کو حافظ حقیقی نے اپنی حکمت سے بچا لیا اور انھوں نے ایک جنگل کے کسی غار میں پرورش پائی۔ وہ خدا کی قدرت سے بہت جلدی بڑھ گئے اور چھوٹی سی عمر میں سعادت و اقبال کے نشان اُن کے چہرے سے ظاھر ھوئے۔

جب وہ غار سے نکلے اور ان کو ھوش آیا تو انھوں نے زھرہ ستارے کو دیکھ کر گمان کیا کہ شاید یہی میرا معبود ھے، مگر جس وقت وہ غروب ھو گیا تو کہا، ”میں ایسی چیزوں سے محبّت نہیں کرتا جو ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائیں“ اور پھر اسی وجہ سے ماھتاب اور آفتاب کی طرف بھی توجّہ نہ کی اور انجام کار فرمایا ”میں سب چیزوں سے رجوع کرکے اسی کی طرف متوجّہ ھوتا ھوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ھے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ھوں“۔

حضرت ابراھیمؑ کا باپ بت تراش تھا اور وہ بُت بنا کر حضرت ابراھیمؑ کو دیا کرتا تھا کہ بازار میں جا کر بیچ لا۔ حضرت ابراھیمؑ اس کے پاؤں میں رسّی باندھ کر بہت حقارت سے گھسیٹتے ھوئے لے جاتے اور بازار میں جا کر کہتے ”لو خریدو! ایسی چیز کون مول لیتا ھے جو کسی طرح کا نفع نہ دے بلکہ الٹا نقصان پہنچائے؟“ یہ گفتگو سن

کر کوئی شخص اس کے خریدنے کا خواهشمند نه هوتا اور جب حضرت ابراهیمؑ گھر میں آتے اور ان کا باپ بُت کے نه بکنے کا سبب پوچھتا تو وہ اسے بھی ویسا ھی جواب دیتے ، جیسا خریداروں کے روبرو بیان کرتے ۔

جب خدا کی طرف سے حضرت ابراهیمؑ کو کافروں کی هدایت کا حکم هوا تو انھوں نے پہلے اپنے باپ کو سمجھایا مگر اسے کچھ اثر نه هوا ۔ پھر حضرت ابراهیمؑ نے خلق کو اسلام کی هدایت کی اور بتوں کی برائی کرنی شروع کی ۔ یه سن کر نمرود نے ان کو اپنے پاس بُلایا ۔

اُس زمانے میں یه دستور تھا که جو کوئی نمرود کے پاس جایا کرتا تھا ، اسے سجده کیا کرتا تھا ، مگر حضرت ابراهیمؑ نے اس کے آگے سجده نه کیا اور کہا که میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو سجده نہیں کرتا ۔ ان کی تقریر سن کر بہت سے آدمی ایمان لائے ۔

ایک روز کا ذکر هے که سب کافر بت خانے خالی کر کے کہیں چلے گئے تھے که حضرت ابراهیمؑ نے موقع پا کر ان کے بُتوں کو توڑ ڈالا اور جو سب میں بڑا بت تھا ، اسے بچا کر اس کے گلے میں ایک تبر ڈال دیا ۔ جب وہ لوگ بت خانے میں آئے تو یه حال دیکھ کر نہایت گھبرائے ۔ حضرت ابراهیمؑ پر تو پہلے ھی سے شبه تھا ۔ سب نے نمرود کے پاس جا کر ان کی فریاد کی که هائے ! بت خانے کی حرمت ابراهیمؑ نے برباد کی ۔ نمرود نے حضرت ابراهیمؑ کو بلا کر ان کے واسطے قید کا حکم کیا اور اس پیغمبر پر بڑا ظلم کیا ، پھر آگ میں ڈلوا دیا ۔ مگر خدا کی قدرت سے وہ آگ گلزار هوگئی اور فرشتوں نے حضرت ابراهیمؑ کا بازو پکڑ کر نہایت آرام سے وهاں بیٹھا دیا اور بہشت سے خلعت فاخره لا کر پہنا دیا ۔

جب نمرود نے یه حال دیکھا تو نہایت حیران هوا اور اس کا سبب حضرت ابراهیمؑ سے دریافت کیا ۔ انھوں نے کہا که یه خدا کی قدرت کا ادنیٰ ظہور هے ، تو بھی اس پر ایمان لا اور کفر و شرک سے باز آ ۔ نمرود نے اپنے وزیر سے جس کا نام هارون تھا ، اس امر کی صلاح پوچھی ۔

اُس نے منع کیا اور کہا ''اتنی مدت حکومت کی ، اب بندگی قبول کرتا ھے اور تمام عالم میں اپنے واسطے شرمندگی اُٹھاتا ھے''۔ نمرود اس کے کہنے میں آ گیا اور ایمان نہ لایا ۔ پھر حاکم حقیقی نے اس کی فوج میں مچھر بھیجے ۔ انھوں نے جس پر حملہ کیا ، گوشت کی بوٹی اور لہو کی بوند اس کے بدن پر نہ چھوڑی ۔ اس آفت سے هزاروں آدمی اور جانور مر گئے اور ایک مچھر نمرود کے مغز میں چڑھ گیا ، جس کے سبب سے اس کا عیش و آرام بالکل جاتا رھا ۔ آخر بڑی تکلیف میں مبتلا رہ کر چالیس روز کے بعد اس جہان سے رخصت ھوا ۔

حضرت ابراھیمؑ بدستور لوگوں کو هدایت کرتے رھے اور بہت سے آدمیوں کو راہ راست پر لا کر ملک شام کی طرف چلے گئے اور وھیں سکونت اختیار کی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں دو فرزند رشید حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ عنایت کیے ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں کا نام حضرت هاجرہ اورحضرت اسحٰقؑ کی ماں کا نام سارہ تھا ۔ اور اگرچہ حضرت ابراھیمؑ ضعیف اور حضرت سارہ بانجھ تھیں ، مگر خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انھیں بیٹا عطا کیا ۔

جب حضرت سارہ اور حضرت هاجرہ میں نا اتفاقی ھوئی تو ابراھیمؑ حضرت جبرئیلؑ کی رھبری کے موافق حضرت هاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز کی طرف لے گئے اور اُس میدان میں جا کر اُترے ، جہاں اب چاہ زمزم ھے ۔ تب حضرت جبریلؑ نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ھے کہ ان دونوں کو اس مکان میں چھوڑو اور تم گھر کی طرف اپنا منہ موڑو ۔ حضرت ابراھیمؑ کو اپنی بیوی اور بچے کی جدائی کا بہت رنج ھوا مگر خدا کی رضا پر راضی ھو کر وھاں سے اُلٹے چلے گئے ۔

اب آگے حضرت هاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا حال اھل اسلام کی کتابوں میں اس طرح سے لکھا ھے کہ وہ دونوں اس میدان میں اکیلے رہ گئے ۔ سب طرف جنگل ھی جنگل نظر آتا تھا ، آدم زاد کا کہیں پتا نہ ملتا تھا ۔ حضرت ابراھیمؑ ان دونوں کو کچھ

کھجوریں اور ایک پانی کی مشک دے گئے تھے - جب یہ توشہ تمام ہوا تو حضرت ہاجرہ کا دل حضرت اسمٰعیلؑ کی تکلیف دیکھ کر بہت بے آرام ہوا - وہ پانی کی تلاش میں صفا[1] پر آئیں اور پھر وہاں سے مروہ[1] پر جا کر ''العطش العطش'' کہہ کر چلّائیں - جب وہاں بھی پانی نہ پایا تو بچے کے پاس آ کر اُسے چھاتی سے لگایا - یہی کام سات بار کیا اور ہر دفعہ اپنے بچے کو پیار کیا - حضرت اسمٰعیلؑ کا حال پیاس کی شدت سے بگڑ رہا تھا اور وہ بچوں کے دستور کے موافق اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے تھے، اتنے میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے ان کے قدموں کے تلے ایک چشمے کا ظہور ہوا اور زمزم اس کا نام مشہور ہوا -

پھر قبیلہ جرہم کے لوگ جو یمن میں رہا کرتے تھے، اس طرف سے گزرے اور پانی کا چشمہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ سے درخواست کی کہ اگر آپ کا ارشاد ہو تو ہماری قوم یہاں آ کر آباد ہو - حضرت ہاجرہ نے یہ امر منظور کیا اور وہ لوگ اپنے عیال و اطفال کو لے کر وہاں آ بسے اور اس مقام پر بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنا کر وہی شہر جس کا نام مکّہ ہے، آباد کیا - حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں مکّے میں رہے اور ان کے سبب سے اور قومیں بھی وہاں آ کر آباد ہو گئیں اور دونوں کی خاطر داری کرتی رہیں - حضرت ابراہیمؑ بھی کبھی کبھی وہاں آ جاتے اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ سے مل کر چلے جاتے - آخر اسی جگہ حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ کا نکاح وہیں کسی عربی سردار کی بیٹی سے ہو گیا -

مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں ہدایت کی کہ تو خدا کی راہ میں اپنے فرزند کی قربانی کر- حضرت ابراہیمؑ نے اس حکم کی خبر حضرت اسمٰعیلؑ کو دی - وہ فوراً قربانی کے واسطے تیار ہو گئے اور کہا ''میں

---

۱ - صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں -

خدا کی رضا پر راضی ہوں "۔ ہر چند حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے حلق پر چھری پھیری، مگر خدا کی قدرت سے چھری کا کچھ اثر نہ ہوا ۔ اس وقت جناب باری سے ارشاد ہؤا کہ اے ابراہیمؑ ! تو امتحان میں کامل نکلا اور ہم نے اسمٰعیلؑ کو اس سبب سے آزاد کیا کہ اس کی پیشانی میں نور ہے اور اس نور سے وہ شخص ظاہر ہوگا جس کے واسطے دنیا اور آخرت پیدا کی گئی ہے یعنی اس نور سے حضرت محمدؐ کا ظہور ہوگا ۔ پھر حضرت جبرئیلؑ ایک بکرا لائے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی عوض اسے قربانی کرایا ۔ مسلمانوں کے ہاں قربانی کے واجب ہونے کی یہی اصل ہے ۔

اہل اسلام بیان کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور یہ حکم پہنچایا کہ تم اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی عمارت کرو اور اہل عالم کو طواف کے واسطے ہدایت کرو ۔ حضرت ابراہیمؑ شام سے مکے میں آ کر حضرت اسمٰعیلؑ سے ملے اور حضرت جبرئیلؑ نے کعبے کا طول و عرض بتایا اور اس کے بنانے کا سارا طور سمجھایا ۔ پھر حضرت ابراہیمؑ اورحضرت اسمٰعیلؑ دونوں بیت اللہ کے بنانے میں مصروف ہوئے ۔ حضرت اسمٰعیلؑ مصالح اور پتھر پہنچاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ عمارت چنتے جاتے تھے ۔ جب دیواریں بلند ہوئیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کعبے کی تعمیر کی اور وہاں اُن کے قدموں کے نشان ہوگئے ۔ اسی پتھر کا نام مقام ابراہیمؑ ہے ۔

کعبے کے تیار ہونے کے بعد حضرت جبریلؑ نے حج اور طواف کے سارے قاعدے بتائے اور ان کی تعلیم کے موافق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ عمل میں لائے ۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو کعبے کا متولّی کیا اور آپ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے ۔ دوسرے سال اپنی بیوی حضرت سارہ کو بھی وہاں لائے اور ان سے بھی کعبے کا طواف کرایا ۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے حضرت سارہ

کی بہت خاطر داری کی اور وہ ان سے بہت راضی اور خوش ہوئیں پھر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شام کی طرف چلی گئیں - پھر حضرت اسحاقؑ بھی ہر سال مکّے میں آتے اور بیت اللہ کے طواف اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ملاقات سے حظ اٹھاتے تھے -

جب یہ سب کام انجام ہوچکے تو حضرت ابراہیمؑ نے اس دنیا سے انتقال کیا اور ان کی عمر ایک سو پچھتّر برس کی ہوئی - حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی مشہور ہے اور ان کی فیاضی اور سخاوت کتابوں میں مذکور ہے -

حضرت لوطؑ

حضرت لوطؑ ہاران کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لا کر ملک شام تک ان کے ساتھ گئے تھے - جب شہر سدوم اور اس کے آس پاس کے رہنے والے نہایت گمراہ ہوئے اور انھوں نے علاوہ بت پرستی کے وہ حرکتیں شروع کیں جو اب تک کسی نے نہ کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو ان کی ہدایت کے واسطے بھیجا - حضرت لوطؑ نے انھیں بہت سمجھایا ، مگر وہ اپنی بد فعلی سے باز نہ آئے - اس واسطے خدا تعالیٰ نے ان کی تباہی کے واسطے فرشتے بھیجے - حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس امر کی اطلاع ہوئی - انھوں نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا کہ حضرت لوطؑ کی قوم میں جو لوگ نیک ہیں ، کیا وہ بھی بدکاروں کے ساتھ ہلاک ہوں گے؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا ”اگر پچاس آدمی بھی نیک عمل ہوں گے تو ان کے سبب سے سب کو نجات دوں گا“- حضرت ابراہیمؑ نے رفتہ رفتہ دس آدمیوں تک نوبت پہنچائی اور یہ بات قرار پائی کہ اگر دس آدمی بھی نیک بخت ہوں تو سب کے سب عذاب سے محفوظ رہیں مگر وہاں نیکوں کا کیا پتا تھا - جب فرشتے انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر حضرت لوطؑ کے گھر میں گئے تو شہر کے لوگوں نے ان سے بُری حرکت کرنی چاہی اور حضرت لوطؑ کے گھر کو آ گھیرا -

حضرت جبرئیل[ع] نے ان سب کو بازوؤں کے جھوکے سے اندھا کر دیا۔ وہ کافر پریشان ہوکر وہاں سے بھاگ گئے ۔ پھر فرشتوں نے شہر سدوم اور آور شہروں کو جو اس سے متعلّق تھے، اُلٹ ڈالا اور پتھروں کا مینہ برسایا ۔ اس عذاب سے کے سب کافر برباد اور تباہ ہوگئے مگر حضرت لوط[ع] جو حضرت جبرائیل[ع] کی ہدایت سے رات ہی کو وہاں سے نکل گئے تھے، اس صدمے سے محفوظ رہے ۔

حضرت اسمٰعیل[ع]

مسلمانوں کے ہاں لکھا ہے کہ جب کعبے کی تعمیر ہو چکی اور حضرت ابراہیم[ع] وہاں سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل[ع] کو نہایت آسودہ حال کیا اور دنیا کی نعمتوں کے ساتھ ان کو نبوّت بھی مرحمت فرمائی ۔

حضرت ابراھیم[ع] کے مرنے کے بعد حضرت اسمٰعیل[ع] ملک شام میں گئے اور وہاں چند روز اقامت کی ۔ پھر وحی الٰہی کے مطابق کافروں کی نصیحت میں مشغول ہوئے اور قبائل یمن اور عمالقہ[1] کو دین حق کی ہدایت کرتے رہے ۔ آخر ایک سو سینتیس برس کی عمر میں شہر مکّہ میں وفات پائی اور وہیں اپنی ماں ہاجرہ کے پاس مدفون ہوئے ۔ ان کا لقب ذبیح اللہ ہے کیوں کہ حکم الٰہی ان کے ذبح کرنے اور راہ خدا میں قربانی کرنے کے واسطے صادر ہؤا تھا ۔

حضرت اسمٰعیل[ع] کے مرنے کے بعد ان کی اولاد بے شمار ہوئی ۔ اس واسطے مکّے میں سب کی سکونت دشوار ہوئی ۔ اکثر لوگ مکّے سے باھر آئے اور انھوں نے وہیں دیار عرب میں اپنے وطن بنا لیے ۔

---

۱ - سام ابن حضرت نوح[ع] کی نسل میں عملیق نامی[ع] ایک شخص تھا ۔ اس کی اولاد کو عمالقہ اور عمالیق کہتے ہیں ۔

حضرت اسحاقؑ

حضرت اسحاقؑ اپنی پیغمبری کے زمانے میں بہت کوشش سے لوگوں کو اسلام کی ہدایت کرتے رہے اور بہت سے آدمیوں کو راہ راست پر لائے - حضرت اسحاقؑ کا نکاح ان کے چچا کی بیٹی سے ہوا اور ان سے دو لڑکے حضرت عیصؑ اور حضرت یعقوبؑ پیدا ہوئے۔ انجام کار ایک سو اسی برس کی عمر میں ملک شام میں اس دنیا سے کوچ کیا اور اپنے باپ حضرت ابراهیمؑ خلیل اللہ کے پاس دفن کیے گئے -

حضرت یعقوبؑ

خدا تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو جن کا نام اسرائیل بھی ہے، نبوّت کا درجہ عطا فرمایا اور ان کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے، جن سے بنی اسرائیل کی بارہ قومیں جاری ہوئیں اور انہیں اسباط[1] اور بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں - ان بیٹوں میں بلحاظ جمال ظاهری اور کمال باطنی کے حضرت یوسفؑ مستثنیٰ تھے - اور وہ حسن میں ضرب المثل ہیں - حضرت یعقوبؑ نے اپنی زندگانی میں حضرت یوسفؑ کی جدائی سے بہت تکلیف اٹھائی، مگر انجام کار اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو ان سے ملا دیا اور یہ حال حضرت یوسفؑ کے بیان میں مذکور ہے - جب حضرت یعقوبؑ کی عمر ایک سو سینتالیس برس کی ہوئی تو انہوں نے اس عالم سے انتقال کیا -

حضرت یوسفؑ

مسلمانوں کی کتابوں میں حضرت یوسفؑ کا خواب دیکھنا اور ان

---

۱ - بنی اسرائیل کے واسطے لفظ اسباط اسی طرح بولا جاتا ہے، جس طرح عرب کے واسطے لفظ قبائل کا اطلاق آتا ہے اور اسباط سبط کی جمع ہے اور سبط لغت میں فرزند زادے کو کہتے ہیں، بیٹی کی اولاد سے ہو یا بیٹے کی ۔

کا قید ہونا اور خواب کی تعبیر بتانی توریت کے بیان کے موافق ہے ۔ ان کا قصہ بہت عجیب اور حکایت بہت غریب ہے اور اس قصے کو قرآن میں احسن القصص لکھا ہے ۔

حضرت یوسف[ع] اس قدر حسین اور صاحب جمال تھے کہ آنکھ ان کے دیدار کی تاب نہ لا سکتی تھی اور حضرت یعقوب[ع] اپنے بیٹوں میں انھیں کو زیادہ چاہتے تھے اور ایک دم ان کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے ۔ اسی سبب سے ان کے سب بھائی اُن سے رشک و حسد کرتے تھے ۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت یوسف[ع] حضرت یعقوب[ع] کی گود میں سوتے تھے ، یکایک گھبرا کر اُٹھے ۔ حضرت یعقوب نے اضطراب کا سبب پوچھا ۔ حضرت یوسف[ع] نے کہا ''میں نے اس وقت ایک عجیب خواب دیکھا ہے ۔ جس کے سبب سے مجھے بےقراری پیش آئی اور وہ خواب یہ ہے کہ میں ایک اُونچے پہاڑ پر ہوں اور اس کے گرد آب رواں ہے اور وہ پہاڑ سبزہ اور پھولوں کی کثرت سے گویا بوستاں ہے ۔ ناگاہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آسماں سے اُترے اور اُنھوں نے مجھے سجدہ کیا''۔ حضرت یعقوب[ع] نے یہ خواب سن کر جان لیا کہ اُونچا پہاڑ یوسف[ع] کا تخت بلند ہے اور آب رواں اس کا بخت ارجمند ہے ۔ روئیدگی اور سبزہ سعادت اور کرامت کی بنیاد ہے ۔ گیارہ ستاروں اور آفتاب سے گیارہ بھائی اور ماں باپ مراد ہے اور سجدے سے یہ مقصد ہے کہ یہ سب یوسف[ع] کا فرمان اور حکم اُٹھائیں گے اور عجز و نیاز کی پیشانی ان کے سامنے جھکائیں گے ۔

جب حضرت یوسف[ع] کے بھائی اس حال سے خبردار ہوئے تو حسد کے مارے ان کے ایذا دینے کو تیار ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ راحیل[1] کا بیٹا طرح طرح کے خواب بناتا ہے اور ایسی باتوں سے باپ کے دل کو لبھاتا ہے ۔ پھر سب متفق ہو کر سیر کے بہانے سے حضرت یوسف[ع] کو حضرت یعقوب[ع] کے پاس سے لے گئے ۔ نوادرالقصص میں

---

۱ ۔ راحیل حضرت یوسف[ع] کی والدہ کا نام ہے ۔

لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے باپ سے جدا ہو کر چند قدم گئے تھے کہ حضرت یعقوبؑ ان کی جدائی کے غم میں بے ہوش ہو گئے۔ جب ان کے بیٹوں کو یہ امر معلوم ہوا تو سب کے سب دوڑ کر ان کے پاس جمع ہوئے۔ حضرت یعقوبؑ ہوش میں آئے اور انھوں نے حضرت یوسفؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر بولے کہ مجھے تیرے فراق کی بو آتی ہے اور اتنا روئے کہ حضرت یوسفؑ کا کُرتا تر ہو گیا۔

حضرت یوسفؑ اپنے باپ سے رخصت ہوئے اور ان کے بھائیوں نے شہر کنعان سے جہاں حضرت یعقوبؑ رہتے تھے، ان کو باھر لے جا کر ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے حضرت یوسفؑ کے کرتے میں اس کا خون لگایا اور باپ سے آ کر بیان کیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا۔ حضرت یعقوبؑ نے جب اپنے بیٹوں میں یوسفؑ کو نہ دیکھا، بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بڑی دیر تک اسی حالت میں رہے۔

جب ہوش میں آئے تو بیٹوں سے کہا "جاؤ اور اس بھیڑیے کو ڈھونڈ لاؤ"۔ وہ فورا جنگل کی طرف گئے اور ایک بھیڑیا پکڑ کے اور اس کا منہ خون سے آلودہ کر کے حضرت یعقوبؑ کے سامنے لائے۔ حضرت یعقوبؑ نے اس سے پوچھا "تو نے ھی میرے فرزند کو کھایا ہے؟" خدا تعالیٰ نے بھیڑیے کو بہ زبان فصیح گویا کیا اور اس نے جواب دیا کہ میں آپ کی بکریوں میں تو تصرّف کر ھی نہیں سکتا ھوں، بھلا آپ کے فرزند عزیز کا کیوں کر قصد کروں گا؟ بھیڑیے کا یہ کلام سن کر حضرت یعقوبؑ جنگل میں گئے اور فریاد شروع کی "اے یوسفؑ! تجھے کون سے کنوئیں میں ڈالا۔ کون سے دریا میں غرق کیا؟ کس تلوار سے قتل کیا؟ کس زمین میں دفن کیا؟" یہ فریاد سن کر حضرت یعقوبؑ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہا "اے نبی اللہ! اس وقت آپ نے فرشتوں کو رلایا اور اپنے اضطراب سے انھیں بھی بے قرار کیا۔ صبر کرنا ھر حالت میں بہتر ہے۔ صبر سے کام درست ہوتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے دل بے قرار کو سنبھالا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور مدد چاھی۔

اب حضرت یوسفؑ کا حال سنو کہ جب ان کے بھائی انھیں کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے تو وہ ابھی کنوئیں کی تہ پر پہنچے بھی نہ تھے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اُٹھا کر ایک پتھر پر بٹھا دیا اور وہ کُرتا جو حضرت ابراھیمؑ نے نمرود کی آگ میں خدا کے حکم سے پہنا تھا اور حضرت یعقوبؑ نے اُسے تعویذ بنا کر حضرت یوسفؑ کے بازو پر باندھ دیا تھا، نکال کر ان کو پہنا دیا اور علاوہ اس کے ہر طرح کی ان کی تسلّی کرتے رھے۔

اتفاقاً سوداگروں کا ایک قافلہ شام سے مصر کو جاتا ھوا ادھر سے گزرا۔ اس قافلے کے سردار نے جس کا نام مالک تھا، اپنے غلاموں کو پانی لانے کے واسطے اس کنوئیں پر بھیجا۔ وہ حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں سے نکال کر مالک کے پاس لائے۔ کہتے ھیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ایک مخبر وھاں بٹھا رکھا تھا اور اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی یوسفؑ کو کنوئیں میں سے نکالے تو ھمیں خبر کر دیجو۔ اس نے فوراً کنعان میں جا کر انھیں اس امر کی اطلاع دی۔ وہ دوڑتے ھوئے آئے اور قافلے والوں سے کہا کہ یہ ھمارا غلام ھے، کئی دن سے بھاگ گیا تھا، ھم اس کی تلاش میں تھے۔ بارے آج پتا لگا۔ اسے ھمارے حوالے کر دو یا تم ھی خرید لو۔ قافلے والوں نے کچھ تھوڑے سے کھوٹے درھم دے کر حضرت یوسفؑ کو خرید لیا اور مصر کی طرف روانہ ھوئے۔ وھاں پہلے ھی اُن کے حسن و جمال کی شہرت پہنچ گئی تھی اور سب لوگ اُن کے دیکھنے کے مشتاق تھے۔ آخرکار قافلے والے نہایت حشمت و حرمت سے حضرت یوسفؑ کو شہر میں لائے اور اور لوگ جو پہلے سے حضرت یوسفؑ کی آرزو میں ان کے استقبال کو گئے ھوئے تھے، چاند اور ھالے کی طرح حلقہ کیے ھوئے ان کے گرد آئے۔ قافلے والوں نے حضرت یوسفؑ کو کرسی پر بٹھا کر ان کے دام کھرے کرنے کا ارادہ کیا اور شہر کے لوگوں نے جان و مال سے اپنے تئیں ان کے لینے پر آمادہ کیا۔ حضرت یوسفؑ نے غمگین اور آب دیدہ ھو کر سر جھکایا اور فوراً جبرئیلؑ نے پیغام الٰہی پہنچایا ''اے یوسفؑ! فکر نہ کر، تجھے اس شہر سے ایک قدم باھر نہ لے جاؤں گا، جب تک

تیری غلامی کا داغ سب کی پیشانی پر نہ لگاؤں گا‘‘۔

اس زمانے میں ایک شخص قطفیر نامی جس کا لقب عزیز تھا ، فرعون[1] کے ہاں بڑا اختیار رکھتا تھا اور بت پرستی اس کا مذہب تھا ، اس نے زر و جواھر گراں بہا دے کر حضرت یوسفؑ کو قافلے والوں سے خریدا اور گھر میں لا کر اپنی بیوی سے کہا ’’اسے اچھی جگہ رکھو اور اس کی خاطر داری کرو ۔ شاید اس سے ھمیں نفع ھو ، یا ھم اس کو اپنا فرزند بنائیں‘‘۔ یہ عورت جس کا نام راعیل تھا ، نہایت خوبصورت اور نو عمر اور طیموس بادشاہ کی بیٹی اور زلیخا کے لقب سے مشہور تھی ۔ اس کے دل پر حضرت یوسفؑ کے حسن کا پہلے ھی سے نقش تھا۔ اب جو ان کو دیکھا اور اپنے خاوند کا حکم ان کے رکھنے کے واسطے سُنا تو دل سے بہتر ان کے لیے کوئی مقام نہ جانا ۔ اس واسطے اپنے دل میں ان کو جگہ دی اور بہت شفقت اور محبّت سے رکھا ۔

جب حضرت یوسفؑ جوانی پر آئے تو قادر حقیقی نے ان کو علم اور حکمت اور حلم اور عصمت کے زیور سے آراستہ کیا ۔ زلیخا تو جان و دل سے ان کی خدمت میں حاضر تھی ، عزیز مصر کے حکم کو بہانہ سمجھ کر اچھے اچھے رنگا رنگ کے کپڑے ان کے واسطے تیّار کیے اور تاج مرصّع بنوا کر ان کے سر پر رکھا ۔ روز بروز حضرت یوسفؑ کے عشق کا شعلہ اس کے دل میں بھڑکتا گیا ، یہاں تک کہ اس نے ایک روز حضرت یوسفؑ سے ھم خوابی چاھی ، مگر حضرت یوسفؑ نے خدا کا خوف کر کے اس امر سے انکار کیا اور زلیخا کے پاس سے محل کے چھ دروازوں سے باھر چلے آئے ۔ زلیخا بےتابانہ ان کے ساتھ دوڑی اور ساتویں دروازے پر حضرت یوسفؑ کا کُرتا پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا ۔ اتنے میں عزیز مصر بھی دروازے کے پاس مل گیا ۔ زلیخا نہایت کھسیانی ھو کر غل مچانے لگی اور بولی ’’ایسے شخص کی کیا سزا ھے جو تیری بیوی سے فعل بد کا ارادہ کرے ؟ یا تو اسے

---

۱ ۔ فرعون مصر کے بادشاھوں کا لقب تھا ، کسی خاص شخص کا نام نہیں تھا اور اس بادشاہ کا نام ریان ابن ولید تھا ۔

قید کرنا چاھیے یا کسی اور سخت عذاب میں مبتلا کرنا مناسب ھے ''
عزیز نے بے گناہ حضرت یوسفؑ کو قتل کیا ھی ھوتا کہ ایک
شیرخوار بچے کو خدا نے گویائی کی طاقت دی اور اس نے حضرت یوسفؑ
کی بے گناھی کی شہادت دی اور کہا کہ اگر یوسفؑ کا کُرتا آگے سے
پھٹا ھے تو زلیخا سچّی ھے اور یوسفؑ جھوٹا ھے اور اگر پیچھے سے
پھٹا ھے تو زلیخا جھوٹی ھے اور یوسفؑ سچّا ھے ۔ جب حضرت کا
کُرتا دیکھا تو واقع میں پیچھے سے پھٹا ھوا تھا ۔ اس وقت عزیز سمجھ
گیا کہ یہ زلیخا کا فریب ھے ۔ حضرت یوسفؑ کو کہا کہ تو یہ راز
کسی پر ظاھر نہ کر اور زلیخا کو سمجھایا کہ حقیقت میں تیری ھی
خطا ھے ، اپنے گناہ سے توبہ کر ۔ عزیز نے اپنی طرف سے تو سب
بندوبست کر دیا ، لیکن عشق اور مشک کون چھپا سکتا ھے ۔ یہ
راز چند روز میں فاش ھو گیا اور مصر کی عورتوں نے زلیخا پر
طعن و تشنیع[1] شروع کی ، مگر جب ان عورتوں نے حضرت یوسفؑ کا حُسن
دیکھا تو انھیں زلیخا سے بہت ندامت ھوئی اور کہا ''حقیقت میں زلیخا
معذور ھے اور اپنی بے صبری میں ھر طرح سے مجبور ھے ''۔

اس کے بعد بھی زلیخا حضرت یوسفؑ کے وصل کی تدبیریں کرتی
رھی ، مگر حضرت یوسفؑ نے یہ امر ھرگز تسلیم نہ کیا ۔ تب ان
عورتوں نے جو زلیخا کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے پاس وصل کا پیام
لے کر گئی تھیں، زلیخا سے آ کر کہا ''اگر تم یوسفؑ کو چند روز کے لیے
قید خانے میں بھیج دو تو وھاں مصیبت اُٹھا کر اس آرام کی قدر جانے اور
اُس وقت دل‌وجان سے خود تمھارے وصل کا طالب ھو ''۔ زلیخا کو یہ بات
پسند آئی‌اور عزیز مصر سے کہا کہ اس غلام عبرانی نے مجھے تمام خلق
میں بد نام کر رکھا ھے ۔ اگر تم اسے قید خانے میں بھیج دو گے تو لوگوں
کو یقین آ جائے گا کہ میں بے قصور ھوں ۔ عزیز بے تمیز نے حضرت یوسفؑ
کو قید خانے میں بھجوا دیا ، مگر زلیخا دل سے اُن کی تکلیف کی
روادار نہ تھی ۔ در پردہ قید خانے کے داروغہ سے کہلا بھیجا کہ
یوسفؑ کا طوق و زنجیر اُتار کر ان کو بہت آرام سے رکھ ۔

---

۱ ۔ تشنیع کے معنی بُرا کہنے اور ملامت کرنے کے ھیں ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ قید خانے میں جا کر یوسفؑ کو علم تعبیر سکھا۔ چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے ان کو علم تعبیر بتایا اور وہ اس علم میں یکتا ہوئے۔ حضرت یوسفؑ جب عبادت سے فارغ ہوتے تو قیدیوں کے خواب کی تعبیر بتایا کرتے۔ اتفاقاً اسی زمانے میں فرعون مصر نے جو ریّان ابن ولید کہلاتا تھا اور قوم عمالقہ سے تھا، دو شخص قید خانے میں بھجوائے۔ ایک ساقی جو اس بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا اور دوسرا نان بائی[1] جو اسے روٹی پکا کر کھلایا کرتا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت یوسفؑ ہر ایک قیدی کو خوش خبری دیتے ہیں اور سب کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہیں۔ اس کے امتحان کے واسطے بے دیکھے دو خواب بنائے۔ ایک نے کہا ”میں نے دیکھا ہے کہ میں انگوروں میں شراب نچوڑ رہا ہوں“۔ دوسرا بولا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ٹھونگیں مار کر ان میں سے ٹکڑے کھا رہے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ ساقی تین دن کے بعد مخلصی پا کر درجۂ اعلیٰ پر ممتاز ہوگا اور بادشاہ کو شراب پلایا کرے گا اور نان بائی سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کے سر میں سے مغز نکال کر کھائیں گے۔ ساقی اور نان بائی نے حضرت یوسفؑ کی گفتگو سن کر کہا ”ہم نے تو خواب نہیں دیکھے تھے، صرف تمھاری آزمائش کے واسطے یہ باتیں بنائی تھیں“۔ حضرت یوسفؑ بولے ”جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ اب خدا تعالیٰ کا حکم نہیں بدلتا“ اور ساقی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تو اپنے عہدے پر پہنچے تو موقع دیکھ کر میری بھی سفارش بادشاہ سے کر دیجو۔ خدا کی قدرت سے تین دن کے بعد ساقی نے تو اپنی مراد حاصل کی اور نان بائی سولی پر چڑھایا گیا، مگر ساقی بادشاہ کے روبرو حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسفؑ کئی برس تک قید خانے میں رہے۔

۱۔ نان بائی مخفف ہے نان اِبائی کا اور اس لفظ کا اطلاق اس شخص پر آتا ہے جو نان اور ابا یعنی روٹی اور شوربا بیچے۔

پھر اتفاق سے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی اور سات دُبلی گائیں پیدا ہوئی ہیں اور دُبلی گائیں موٹیوں کو کھا گئیں ۔ پھر سات سبز اور سات خشک بالیں نمودار ہوئیں اور خشک بالیں سبز بالوں پر لپٹ گئیں اور ان کی سبزی اور رطوبت جذب کر لی ۔ بادشاہ نے اس خواب کی تعبیر بڑے بڑے عالموں سے دریافت کی ، مگر کسی نے معقول جواب نہ دیا ۔ اس وقت ساقی کو حضرت یوسفؑ کا خیال آیا ۔ اس نے بادشاہ سے ذکر کیا ۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کا حال مفصّل پوچھا ۔ ساقی نے جواب دیا کہ ان کا قصّہ بہت طویل ہے ، میں تفصیل سے واقف نہیں ، مگر اتنا جانتا ہوں کہ شریف زادہ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہے اور جمال صورت اور کمال سیرت سے آراستہ ہے اور عزیز نے اپنی بیوی کے کہنے سے اسے زندان میں بھیجا ہے ۔ بادشاہ نے ساقی کو خواب کی تعبیر پوچھنے کے واسطے حضرت یوسفؑ کے پاس بھیجا ۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ سات موٹی گائیں اور سات سبز بالیں سات برس ہیں ، جن میں بہت اچھّی زراعت ہوگی ۔ مخلوق کو آسودگی اور رفاہت ہوگی اور سات دُبلی گایوں اور سات سوکھی بالوں سے بھی سات برس کا عرصہ مراد ہے ، جن میں تنگی اور عُسرت ہوگی ۔ لوگوں کو معاش کے حاصل کرنے میں بہت دقّت ہوگی اور پچھلے سات برس کی خشکی اور قحط سے پہلے سات برس کی رطوبت اور تازگی بالکل جاتی رہے گی ۔ ساقی نے آ کر یہ تعبیر بادشاہ سے بیان کی اور اسے بہت پسند آئی ۔ فوراً حکم دیا کہ یوسفؑ کو زندان سے خلاص کر کے میرے پاس لاؤ ، مگر حضرت یوسفؑ نے کہا کہ جب تک زلیخا کے مقدمے میں میری بے قصوری نہ ثابت ہو جائے گی ، تب تک میں قید خانے سے باہر نہیں آنے کا ۔ بادشاہ نے اس مقدمے کو تحقیق کیا ۔ حضرت یوسفؑ بالکل بے قصور ثابت ہوئے اور زلیخا نے اپنے جرم کا اقرار کیا ۔ اس کے بعد بادشاہ نے خاص اپنی سواری کا گھوڑا حضرت یوسفؑ کے واسطے بھیجا اور وہ اس پر سوار ہو کر بادشاہ کے پاس آئے ۔

بادشاہ اور تمام ارکان دولت ان کی صورت دیکھ کر حیران رہ

گئے ۔ پھر بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر حضرت یوسفؑ کی زبان سے سننی چاہی ۔ انھوں نے مفصّل تعبیر بیان کی ۔ بادشاہ نے کہا ''اب کیا تدبیر کرنی چاہیے''۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ تمام ملک کے عاملوں کو حکم دو کہ مصر کے دھقانوں[۱] کو نہایت تاکید کریں کہ جس قدر سات برس کے عرصے میں زراعت ہو سکے، کیے جائیں اور پیداوار میں سے تھوڑا سا صرف کر کے باقی غلّہ انبار رکھیں، تاکہ خشکی اور قحط کے برسوں میں یہ غلّہ کام آئے ۔ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو اس امر کا مہتمم کیا اور خلعت گرانمایہ اور کمر بند مرصّع عنایت کر کے اپنے ملک کے تمام خزانوں کا منتظم کیا اور جب عزیز مصر مر گیا تو ان کو اور بھی اختیار حاصل ہوا ۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ریّان جو مصر کا بادشاہ تھا، ان کا فرماں بردار ہو گیا اور اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا کہ تم تاج و تخت کے مالک ہو، میں تمھاری رضا کا تابع ہوں اور تمھاری خواہش کا بندہ ہوں ۔

حضرت یوسفؑ نے غلّے کا خوب انتظام کیا اور سات برس تک زمین کی پیداوار جمع کی ۔ اس عرصے میں قحط کے دن آئے اور لوگ مصیبت میں مبتلا ہوئے سب نے اپنا مال و متاع صرف کیا اور سرکار سے غلہ خریدا ۔ جب کچھ نہ رہا، تو انھوں نے حضرت یوسفؑ کی غلامی اختیار کی، مگر پھر حضرت یوسفؑ نے انھیں آزاد کیا بلکہ ان کے ساتھ اور بہت سلوک کر کے انھیں اپنے احسان کا غلام بنایا ۔

اس قحط کی ہوا عراق اور شام تک پہنچی اور دور دور سے لوگ غلہ خریدنے مصر میں آئے ۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی اس ارادے سے وہاں پہنچے ۔ حضرت یوسفؑ بادشاہوں کی طرح لباس شاہانہ پہنے ہوئے مسند عزت پر بیٹھے تھے ۔ انھوں نے ان کو نہ پہچانا، مگر

---

۱ ۔ دہقان معرب ہے دھگان کا اور دھگان مرکب ہے دہ اور گان سے ۔ دہ کے معنی گاؤں کے ہیں اور گان فارسی میں نسبت کا کلمہ ہے، اس صورت میں تمام لفظ مرکب سے گاؤں والا مراد ہے ۔

حضرت یوسفؑ نے ان کی بہت خاطر داری کی ۔ اس کے بعد وہ کنعان میں آئے اور باپ سے مل کر دوبارہ شہر مصر میں حضرت یوسفؑ کے پاس آ گئے اور انجام یہ ہؤا کہ حضرت یوسفؑ نے ان کی خطائیں معاف کیں اور خدا تعالیٰ سے اُن کے گناہوں کی بخشش کی دعا کی ۔ حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی بینائی حضرت یوسفؑ کی جدائی کے غم سے بالکل جاتی رہی تھی ، اس واسطے حضرت یوسفؑ نے جلدی سے اپنا کُرتا اُن کے پاس بھیجا کہ وہ اپنے منہ پر ڈالیں اور اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں ۔ کُرتے کے منہ پر ڈالتے ہی ان کی آنکھوں کی بینائی آئی اور مرجھائے ہوئے بدن میں توانائی آئی ۔ پھر بیٹوں نے حضرت یعقوبؑ کی بہت التجا کی اور ان سے اپنی مغفرت کی دعا منگوائی ۔ اتنے میں حضرت یوسفؑ کے قاصد پہنچے اور اچھے اچھے اونٹ اور عمدہ عمدہ گھوڑے حضرت یعقوبؑ کے پاس لے گئے ۔ حضرت یعقوبؑ اپنے عیال و اطفال سمیت کنعان سے مصر کو روانہ ہوئے اور حضرت یوسفؑ اور ریّان شاہ مصر اور تمام ارکان سلطنت شہر کے باہر حضرت یعقوبؑ کے استقبال کو گئے ۔ حضرت یعقوبؑ نے فرزند عزیز کو سینے سے لگایا اور دونوں اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے ۔ پھر حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ اور اپنی سوتیلی ماں کو تخت پر بٹھایا اور آپ بھی اُن کے سامنے تخت پر بیٹھے ۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ اور ان کی بیوی اور گیارہ بیٹوں نے حضرت یوسفؑ کی تعظیم و تکریم کی ۔ تب حضرت یوسفؑ نے کہا ''میں نے جو خواب دیکھا تھا ، اس کی یہی تعبیر ہے'' اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے ایّام جدائی کا سارا حال اپنے باپ کی خدمت میں عرض کیا اور اپنے بھائیوں کے واسطے علاحدہ علاحدہ مکان دلکشا معین کر کے ہر ایک کے واسطے کچھ وجہ معاش مقرر کی ۔

اس طور سے بنی اسرائیل بہت خوش حالی اور فراغ بالی سے گزارہ کرنے لگے ۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی باقی عمر حضرت یوسفؑ کے پاس گزاری اور جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اُنھوں نے اپنے بیٹوں کو وصیّت کی اور حضرت یوسفؑ کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے عالم قدس کو روانہ ہوئے ۔ حضرت یوسفؑ نے ان کی وصیّت کے موافق ان

کا جنازہ شام میں لا کر حضرت اسحاقؑ کی قبر کے پاس دفن کیا اور آپ پھر مصر کو چلے گئے -

حضرت یوسفؑ کے زمانے میں هزاروں آدمیوں نے اسلام اختیار کیا اور مصر کا بادشاہ ریّان ابن ولید بھی ان پر ایمان لایا اور وہ حضرت یوسفؑ کی بہت اطاعت اور فرمانبرداری کرتا رہا ، مگر جب اس نے وفات پائی اور قابوس ابن مصعب اس کی جگہ فرعون مصر هوا تو هر چند حضرت یوسفؑ نے اسے نصیحت کی ، مگر وہ راہ راست پر نہ آیا اور حالت کفر میں مر گیا - پھر اس کا بھائی ولید ابن مصعب تخت سلطنت پر بیٹھا اور وہ اپنی فوج سمیت حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں دریائے نیل میں غرق هوا -

زلیخا کا حال مسلمانوں کی بعض تاریخوں سے اس طرح پایا جاتا ھے کہ اس کا خاوند عزیز مصر بہت بیمار هوا اور اسی حالت میں مر گیا - اس کے بعد زلیخا نے بت پرستی چھوڑ کر حضرت یوسفؑ کا دین اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے دل میں اس کی محبّت ڈالی اور وہ اس کے طالب هوئے اور حکم الٰہی کے موافق دونوں کا عقد نکاح بندھ گیا - زلیخا سے حضرت یوسفؑ کے گیارہ بیٹے پیدا هوئے - جب حضرت یوسفؑ کی عمر ایک سو دس برس کی هوئی تو انھوں نے اپنے بھائی یہودا کو بنی اسرائیل کی ریاست بخشی اور آپ نے اس دنیائے فانی سے رحلت کی -

حضرت ایوبؑ

حضرت ایوبؑ عیص ابن حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے هیں - حضرت لوطؑ کی بیٹی ان کی ماں اور افرائیم ابن حضرت یوسفؑ کی بیٹی ان کی بیوی تھیں -

یہ پیغمبر بہت آسودہ حال اور صاحب اولاد تھے اور دمشق کے متعلق کئی گاؤں اُن کے قبضے میں تھے - علاوہ اس کے مویشی اور

غلاموں کی بھی ان کے پاس کثرت تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے امتحان کے واسطے ان کا تمام مال و متاع لے کر بالکل مفلس کر دیا ، مگر وہ دل جمعی سے خدا کا شکر کرتے رہے ۔ پھر آن کی اولاد مر گئی تو بھی کچھ مضطرب نہ ہوئے ۔ اس کے بعد ان کو سخت بیماری لاحق ہوئی اور گوشت اور پوست پھٹنے لگا ، مگر اس حالت میں بھی وہ خدا کی رضا پر راضی اور ہر طرح سے شکر گزار رہے اور عبادت سے ایک لمحہ غافل نہ ہوئے ۔ ان تمام مصیبتوں میں ان کی بیوی نے ان کا بہت ساتھ دیا اور اطاعت اور خدمت گزاری میں نہایت کوشش کی ۔ جب حضرت ایوبؑ امتحان میں کامل نکلے تو شافئی مطلق نے انھیں پھر تندرستی عنایت کی اور پہلے سے دو چند اسباب اور مویشی اور غلام مرحمت کیے اور اولاد بھی عطا کی ۔ پھر وہ ہدایت کے واسطے روم کی طرف گئے اور ترانوے برس کی عمر میں وہیں وفات پائی ۔

حضرت شعیبؑ

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کو پیغمبر کر کے مدین اور ایکہ[1] کے لوگوں کی ہدایت کے واسطے حکم دیا ۔ یہ لوگ باوجود بت پرستی کے پیمانے اور وزن میں بے انصافی کرتے تھے اور کھوٹے روپے اور اشرفیاں چلاتے تھے ۔ علاوہ اس کے مسافروں کے لوٹنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے ۔ حضرت شعیبؑ نے انھیں بہت نصیحت کی ۔ ان کے سمجھانے سے صرف چند آدمیوں نے راہ راست اختیار کی اور باقی اپنے افعال بد سے باز نہ آئے ۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے ایکہ کے لوگوں پر ایک سیاہ ابر سے آگ برسائی اور مدین کے باشندوں کو زلزلے سے ہلاک کیا ۔ پھر حضرت شعیبؑ کو حکم ہوا کہ جب تک حضرت موسیٰؑ پیغمبر ان کے پاس پہنچیں ، وہ اپنے رفیقوں کے ساتھ مدین میں رہیں اور اطراف کے باشندوں کو دین حق کی ہدایت کریں ۔

---

۱ - ایکہ عربی میں شجرستان کو کہتے ہیں اور مدین کے قریب ایک خاص شجرستان کا نام ہے ۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بڑے پیغمبر اور مقرّب بارگاہِ الٰہی تھے اور اسلام کی ہدایت کرنے میں بہت کوشش اور جاں فشانی کرتے رہے - جس زمانے میں وہ دونوں پیدا ہوئے ، اس زمانے میں مصر کا فرعون ولید ابن مصعب تھا اور وہ بنی اسرائیل پر بڑا ظلم کرتا تھا - اس نے لوگوں سے پہلے بتوں کی پرستش کرائی اور پھر اپنے تئیں سجدہ کرانا چاہا ، مگر بنی اسرائیل نے اس کی بات نہ مانی اور اپنے باپ دادا کی شریعت پر قائم رہے - اس واسطے ولید نے ان سے پتھر منگوانے اور اور محل بنوانے شروع کیے اور بڑی سخت محنتیں لیں - اس کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک آگ شام کی طرف سے ظاہر ہوئی اور اس نے قبطیوں[1] کے تمام قلعے اور حویلیاں جلا دیں اور ان کے شہر اور گاؤں کا نشان باقی نہ رکھا - اس خواب سے وہ بیقرار ہوا اور معبّروں سے اس کی تعبیر پوچھی - انھوں نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا اور وہ قبطیوں کی سلطنت کی بیخ و بنیاد اکھاڑے گا - فرعون نے یہ سن کر حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو فوراً قتل کیا جائے - یہ ظلم پانچ برس تک برابر جاری رہا اور بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے مارے گئے - پھر یہ حکم ہوا کہ ایک سال کے لڑکے قتل کیے جائیں اور ایک سال کے چھوڑ دے جائیں - اس بندوبست میں حضرت ہارون معافی کے سال میں پیدا ہوئے اور حضرت موسیٰ قتل کے سال میں -

حضرت موسیٰ کا باپ عمران فرعون کا بہت مقرّب تھا اور جس رات حضرت موسیٰ کا حمل رہا ، اس رات وہ اور حضرت موسیٰ کی ماں دونوں فرعون کے محل میں تھے -

القصّہ ایّام حمل کے گزرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے

---

١ - قبط حام ابن نوح کی نسل سے ایک شخص کا نام ہے اور قبطی لوگ جو مصر کے باشندے اور فرعون کے تابع تھے ، اسی کی اولاد سے ہیں -

تو ان کی ماں نے ارشاد الٰہی کے موافق ان کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا ۔ خدا کی قدرت سے وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس درختوں میں پہنچا اور لونڈیاں اُسے اُٹھا کر جھٹ فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ کے سامنے لائیں ۔ اُنھوں نے اس میں سے بچے کو نکال کر موسیٰؑ اس کا نام رکھا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور حضرت آسیہ کے دل میں حضرت موسیٰؑ کی محبّت ڈال دی اور دونوں نے ان کی پرورش شروع کی ۔ اس عرصے میں بعض ارکان دولت نے فرعون سے کہا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو ہماری سلطنت کے ستونوں کو گرائے گا ۔ اور فرماں روائی کے محل کو ڈھائے گا ۔ اس کے قتل کرنے میں ایک ساعت توقف نہ کرنا چاہیے مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے جو بنی اسرائیل سے تھیں ، کہا کہ اسے قتل نہ کرو ، یہ ہمیں نفع دے گا یا ہم اسے اپنا بیٹا بنائیں گے ۔ یہ سن کر فرعون ان کے قتل سے باز آیا ۔ پھر حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کے دودھ پلانے کے واسطے انّائیں[1] بلائیں، مگر حضرت موسیٰؑ نے کسی کا دودھ نہ پیا ۔ آخر انھیں عورتوں میں ان کی ماں بھی آئیں اور حضرت موسیٰؑ نے کمال رغبت سے ان کا دودھ پینا شروع کیا ۔ حضرت موسیٰؑ چھوٹی سی عمر میں ایسے کام کرنے لگے کہ فرعون کو ان کی طرف سے شک واقع ہوا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کرنے کا حکم دیا ۔ مگر حضرت آسیہ کے درپے ہونے سے ان کو چھوڑ دیا ۔

حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کی تربیت کرنے میں بہت کوشش کی اور چار سو غلام زربفتی لباس دربر ، تاج مرصع بر سر ، طوق زرّیں درگردن ان کی ملازمت میں رکھے ۔ جس وقت حضرت موسیٰؑ نہایت حشمت اور تجمّل سے سوار ہوتے تھے تو لوگ گمان کرتے تھے کہ یہ فرعون کا بیٹا ہے ۔

حضرت موسیٰؑ اپنے اقتدار کے زمانے میں بنی اسرائیل پر بہت رحم کرتے تھے اور قبطی لوگ جو انھیں ستاتے تھے اس سے ہمیشہ

---

۱ - انا ہندی میں دایہ کو کہتے ہیں جو بچے کو دودھ پلاتی ہے -

رنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ کوئی قبطی بنی اسرائیل کے کسی آدمی پر سختی کر رہا تھا حضرت موسیٰؑ نے اس قبطی کو سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ ناچار اسے ایک طمانچہ مارا اور وہ ملک عدم کو سدھارا۔ جب یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور ان کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ بات سن کر مصر سے شہر مدین کو چلے گئے اور وہاں حضرت شعیبؑ پیغمبر سے جو ضعیف اور نابینا ہوگئے تھے ملاقات کی۔ حضرت شعیبؑ بہت خاطر داری سے پیش آئے اور اپنی بیٹی صفورا نامی کا نکاح ان سے کر دیا اور یہ مہر قرار پایا کہ حضرت موسیٰؑ آٹھ برس تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرایا کریں اور اگر دس برس تک چرائیں تو ان کا احسان ہے۔ پھر انھوں نے حضرت موسیٰؑ کو وہ لاٹھی عنایت کی جو حضرت آدمؑ بہشت سے اپنے ساتھ لائے تھے اور کہا کہ اس لاٹھی کو اچھی طرح رکھنا، کام آئے گی۔

حضرت موسیٰؑ دس برس تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چراتے رہے اور پھر جاڑے کے موسم میں اپنی بیوی سمیت وہاں سے روانہ ہوئے۔ رستے میں ایک روز ابر سیاہ نمودار ہوا اور سردی بھی شدت سے پڑی۔ حضرت موسیٰؑ رستہ بھول گئے اور ان کو آگ کی حاجت ہوئی۔ ہر چند چقماق جھاڑی آگ نہ نکلی۔ جنگل کی طرف جو نگاہ کی تو طور سینا[۱] کی طرف سے روشنی نظر آئی۔ حضرت موسیٰؑ اپنی لاٹھی ہاتھ میں لے کر آگ لینے کو اس طرف کو روانہ ہوئے اور اپنے ساتھ والوں کو وہیں ٹھہرا گئے۔ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نور کا شعلہ آسمان سے کسی سبز درخت تک روشن ہے۔ حضرت موسیٰؑ یہ دیکھتے ہی حیران رہ گئے! پھر تھوڑی سی سوکھی لکڑیاں جمع کر کے سلگانے کو گئے۔ وہ شعلہ اونچا ہوگیا

۱۔ طور سینا ایک پہاڑ ہے اور سینا جس کی طرف طور مضاف ہے، ایک درخت کا نام ہے۔

حضرت موسیٰؑ کو اور بھی زیادہ حیرانی پیش آئی اور وہ اُلٹے پھرا ھی چاھتے تھے کہ اتنے میں ایک آواز آئی ''اے موسیٰ!'' یہ سن کر حضرت موسیٰؑ ادھر اُدھر دیکھنے لگے، کہیں آواز دینے والے کا پتا نہ لگا۔ اتنے میں ایک اور آواز سنائی دی کہ میں ھوں تیرا اور سب کا پروردگار۔ حضرت موسیٰؑ کا دل دھڑکنے لگا، مگر پھر مستقل ھو کر لاٹھی ھاتھ میں لے کر کھڑے ھوگئے۔ جناب باری سے ارشاد ھوا کہ میں تیرا پروردگار ھوں اور تو ایک پاک میدان میں ھے جس کا نام طُویٰ ھے، اپنی جوتیاں اتار ڈال۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو نبوت کا خلعت مرحمت کیا اور معرفت کے نور سے ان کے دل کو روشن کر کے فرمایا کہ میں نے تجھے پسند کیا۔ جو تیرے پاس وحی بھیجوں، وہ سن۔ اس کے بعد ان سے پوچھا کہ اے موسیٰ! تیرے ھاتھ میں کیا ھے؟ عرض کیا ''میری لاٹھی ھے اس پر میں تکیہ کرتا ھوں اور بکریوں کے واسطے پتے جھاڑتا ھوں اور اس سے اور بہت سے کام نکلتے ھیں'' فرمایا ''اسے پھینک دے''۔ جوں ھی حضرت موسیٰؑ نے اسے ڈال دیا، وہ ایک ھیبت ناک اژدھا بن کر ھر طرف حرکت کرنے لگا۔ حضرت موسیٰؑ ڈر گئے۔ اسی وقت حکم ھوا کہ اسے پکڑ لے اور خوف نہ کر۔ حضرت موسیٰؑ نے سنبھل کر اُسے پکڑ لیا۔ وہ بدستور لاٹھی ھوگئی۔ پھر ان کو دوسرا معجزہ عنایت کیا اور فرمایا کہ اپنے گریبان میں ھاتھ ڈال کر باھر نکال۔ حضرت موسیٰؑ نے گریبان میں ھاتھ ڈال کر جوں ھی باھر نکالا اس کی روشنی آفتاب کے نور پر غالب ھوئی اور یہی معجزہ عربی میں ید بیضا[1] کہلاتا ھے۔

جب حضرت موسیٰؑ کو یہ دونوں معجزے مرحمت ھو چکے تو ان کو فرعون کے پاس جانے اور اس کو ھدایت کرنے کا حکم ھوا۔ حضرت موسیٰؑ نے درخواست کی ''میرا بھائی ھارون بھی اس بات میں میرا شریک ھو'' یہ عرض قبول ھوئی اور ارشاد ھوا کہ تم دونوں بھائی

۱۔ عربی میں ید ھاتھ کو اور بیضا آفتاب کو کہتے ھیں۔

فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے نرم کلامی سے پیش آؤ اور کہو کہ بنی اسرائیل پر ظلم نہ کر اور دین حق اختیار کر۔

ادھر تو حضرت موسیٰؑ مصر کی طرف روانہ ہوئے، ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ پر وحی نازل کی اور حضرت موسیٰؑ کے حال سے مفصل خبر دی۔ حضرت ہارونؑ مصر کے باہر حضرت موسیٰؑ کے استقبال کو گئے اور ان کو ساتھ لے کر شہر میں آئے۔ پھر دونوں فرعون کے پاس گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور ان کا حال پوچھنے لگا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول کر کے تیری نصیحت کے واسطے بھیجا ہے اور میرے بھائی ہارونؑ کو اس کام میں میرا شریک کیا ہے۔ اب تو دین حق اختیار کر اور بنی اسرائیل کو جن پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے میرے سپرد کر''۔ پھر حضرت موسیٰؑ نے اپنے دونوں معجزے اسے دکھائے۔ پہلے اپنی لاٹھی ہاتھ سے پھینکی، وہ فوراً ایک خون خوار اژدھا بن گیا۔ ڈر فرعون پر غالب ہوا اور فریاد کرنے لگا کہ اگر تم اس بلا کو دفع کرو گے تو میں تمھاری نبوّت قبول کروں گا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس اژدھے کے منہ میں ہاتھ ڈال دیا، وہ فوراً لاٹھی ہو گئی۔ پھر گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا اس کی روشنی سے سب کی آنکھوں میں چکا چوندی آئی اور کوئی اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ سب نے امان چاہی۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر گریبان میں ہاتھ ڈالا وہ جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ فرعون نے کہا ''اب تم اپنے گھر جاؤ ہم اس مقدّمے میں صلاح کر کے کچھ تجویز کریں گے''۔

پھر اس نے اپنی بیوی آسیہ سے اس امر کا ذکر کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ کوئی عقلمند ایسی بڑی نعمت کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ بے توقف ایمان لاؤ۔

اس کے بعد ہامان بے سرو سامان سے جو اس کا وزیر تھا، پوچھا وہ بولا ''تو اب تک عزت میں شہرۂ آفاق تھا، اب اپنی ذلت مشہور

کرتا ہے ۔ اس وقت تک لوگ تیری عبادت کرتے تھے ، اب تو اوروں کی ملّت منظور کرتا ہے ''۔

ہامان کی گفتگو سن کر فرعون پھر گیا اور حضرت موسیٰؑ کی فرماں برداری سے انکار کیا ، مگر اس کی بیوی حضرت آسیہ صدق دل سے ایمان لائیں ۔ فرعون نے اس مظلومۂ بےگناہ کو نہایت عذاب سے شہید کیا۔ علاوہ اس کے اور ہزاروں آدمی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے ، انہیں بھی طرح طرح کی تکلیفیں دیں ۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم کو مصر سے باہر لے جا اور دریا کے کنارے پر مقام کر ۔ بنی اسرائیل نے سفر کے سامان کی تیاری کی اور تمام مال و اسباب اور اہل و عیال کو ہمراہ لےکر آدھی رات کے وقت مصر کے باہر نکلے ۔ صبح ہی فرعون کو اس امر کی اطلاع ہوئی ۔ اس نے لشکر جمع کرنے کا حکم دیا اور اسی دن بنی اسرائیل کا تعاقب کرنا چاہا مگر اس روز کسی خاص سبب سے توقف ہو گیا اور دوسرے دن سارا لشکر لے کر حضرت موسیٰؑ کے پیچھے روانہ ہوا ۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ساتھ آگے آگے اور فرعون اپنے لشکر سمیت پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا ۔ جب دریا قریب آیا تو حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ تو اپنی لاٹھی دریا پر مار ۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً دریا پر لاٹھی ماری ۔ خدا کی قدرت سے دریا پھٹ گیا اور اس میں رستہ پیدا ہوگیا۔ حضرت موسیٰؑ تمام بنی اسرائیل سمیت دریا میں داخل ہوئے اور تھوڑی سی دیر میں عبور کر گئے۔ فرعون جب وہاں پہنچا تو دریا کا حال دیکھ کر ہیبت کے مارے کانپنے لگا اور اس معجزے سے حیرت کے دریا میں غرق ہوا ۔ چاہا کہ مصر کو پھر جاؤں یا حضرت موسیٰؑ کی اطاعت کروں ، مگر ہامان نے منع کیا اور آگے بڑھنے کی ترغیب دی ۔ آخر اس نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور تمام لشکر نے اس کی پیروی کی ۔ جب چھوٹے بڑے ادنیٰ اعلیٰ دریا میں داخل ہو چکے ، قادر حقیقی کے حکم سے پانی کے اجزا مل گئے اور دریا جیسا تھا ، ویسا ہی ہو گیا ۔ اور سب لوگ ہلاک ہوئے ۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت یوشعؑ کو چوبیس ہزار آدمیوں کے ساتھ مصر کو بھیجا۔ انھوں نے وہاں جا کر قبطیوں میں سے ایک شخص کو ان کی باقی جماعت پر حاکم بنایا اور آپ حضرت موسیٰؑ کے پاس چلے گئے۔

بنی اسرائیل نے کئی دفعہ حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ہمیں علاحدہ شریعت چاہیے جس کے موافق ہم عمل کیا کریں اور خدا کی رضا مندی اور خوشنودی ہمیں حاصل ہو۔ ان کی خواہش کے موافق حضرت موسیٰؑ نے جناب الٰہی میں درخواست کی۔ حکم ہوا کہ کوہ طور پر آ اور وہاں آ کر روزے رکھ۔ اس وقت تیرا مطلب حاصل ہوگا۔

حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ کیا اور آپ بنی اسرائیل میں سے سٙتّر آدمی ہمراہ لے کر کوہ طور میں گوشہ نشین ہوئے اور روزے رکھنے شروع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے کلام سے مشرّف فرمایا اور توریت کی دس لوحیں عنایت کیں۔

اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ لشکر تیار کر کے بیت المقدس کو قوم عمالقہ کے ہاتھ سے چھڑاؤ اور ظالموں کو وہاں سے دفع کرو۔ وہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے، مگر پھر انھوں نے اس امر میں پہلو تہی کی اور حضرت موسیٰؑ نے ہر چند سمجھایا، کچھ کام نہ آیا۔ آخر وہ ایک جنگل میں سراسیمہ و حیران ہوئے اور عذاب الٰہی ان پر نازل ہوا۔

حضرت موسیٰؑ نے ان کا یہ حال دیکھ کر بہت رنج کیا اور ان کے واسطے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ ایسے فاسقوں کے واسطے غمگین نہ ہو۔ جب ان کے پاس خرچ تمام ہوا اور ذخیرہ نہ رہا تو حضرت موسیٰؑ سے بھوک کی فریاد و زاری کرنے لگے۔ حضرت موسیٰؑ نے جناب الٰہی میں عرض کی۔ تب احسان الٰہی کا خوان اس طرح سے مقرّر ہوا کہ رات کے وقت دھنیے کے سے دانے

برف سے سفید اور شہد سے شیریں درختوں پر نازل ہوتے اور عصر[1] کے وقت بھنے ہوئے پرندے آترتے۔ چنانچہ قرآن میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر من اور سلویٰ نازل ہوا۔ کہتے ہیں کہ اس سے یہی دونوں قسم کی چیزیں مراد ہیں۔ علاوہ اس کے بنی اسرائیل کے واسطے پانی کی یہ سبیل ٹھہری کہ حضرت موسیٰؑ کا جب مقام ہوتا تو وہ اپنی لاٹھی ایک پتھر پر مارتے اور بارہ سبطوں کے واسطے آب شیریں کے بارہ چشمے پیدا ہو جاتے۔

باوجود اس کے بنی اسرائیل اپنی طمع نفسانی اور کفران نعمت سے باز نہ آئے اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ رات دن ان چیزوں سے ہمارے منہ کا مزہ بے مزہ ہو گیا، ہم سے تو ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا۔ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مسور کی دال، پیاز، لہسن اور ساگ دیوے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ باتیں نا پسند آئیں اور چالیس برس کے عرصے میں سب کو تباہ کر دیا۔ ان میں سے صرف دو شخص حضرت یوشعؑ اور حضرت کالبؑ باقی رہے جو آخر کو نبی ہوئے۔ مگر اس عرصے میں جتنے ہلاک ہوئے، خدا تعالیٰ نے اتنے ہی ان کی نسل سے پیدا کر دیے۔

مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ مصر پر غالب ہوئے اور قبطی ہلاک ہوئے تو وہ مجلس میں اکثر وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ایک روز انھوں نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی! اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ عالم ہو تو مجھے بتا کہ میں اس سے فائدہ حاصل کروں۔ حق تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ میرا ایک بندہ تجھ سے بھی زیادہ عالم ہے۔ میں نے اپنے علم کے راز اس کے سینے میں جمع کیے ہیں۔ وہ دریا کے کنارے پر تجھے ملے گا۔

حضرت موسیٰؑ مجمع البحرین[2] کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں

---

۱ - دوسری فصل دیکھو -

۲ - مجمع البحرین سے وہ مقام مراد ہے، جہاں فارس اور روم کے سمندر ملتے

حضرت خضرؑ سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ حضرت خضرؑ نے پوچھا ''کیوں کر آنا ہوا؟'' حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اس سفر سے میرا مقصد یہ ہے کہ چند روز تمھاری صحبت میں رہوں اور خدا نے جو علم تمھیں عطا کیا ہے، میں بھی سیکھوں ۔ حضرت خضرؑ نے کہا ''میری رفاقت مشکل ہے، کیوں کہ شاید میں علم باطنی سے کوئی ایسا کام کروں کہ ظاہر اس کا شرارت اور کراھت ہو اور انجام اس کا خیریت اور کرامت ہو اور تم بے پوچھے نہ رہ سکو''۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کی دل جمعی کر دی کہ میں تمھارے حکم کی تعمیل کروں گا اور دونوں ایک کشتی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے ۔

حضرت خضرؑ نے کشتی کے دو تین تختے توڑ کر دریا میں پھینک دیے اور کشتی والوں سے کہا ''جلد اپنی کشتی کا بندوبست کرو، نہیں تو ڈوب جائے گی'' یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ بول اٹھے کہ ایسی مضبوط کشتی کو بے کار کر دینا اور اتنے لوگوں کے ڈوبنے کا خیال نہ رکھنا نہایت ظلم اور خلاف شرع ہے''۔ حضرت خضرؑ نے جواب دیا ''میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟'' حضرت موسیٰؑ نے عذر کیا کہ میں نے بھول کر یہ بات کہہ دی تھی، آئندہ ایسا نہ ہوگا ۔

جب دونوں کشتی سے اترے اور شہر کے پاس پہنچے، وہاں کئی لڑکے کھیل رہے تھے ۔ حضرت خضرؑ نے اُن میں سے ایک خوب صورت لڑکے کو پکڑ کر زمین پر ڈال دیا اور اس کا گلا چُھری سے کاٹ ڈالا ۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا ''تم نے یہ کیا غضب کیا، بے گناہ کا قتل کرنا کس مذہب میں روا ہے؟'' حضرت خضرؑ بولے، میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تم سے صبر نہیں ہو سکنے کا ۔

بقیہ صفحہ ۲۰۳ :

ہیں، مگر بعض کا یہ خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا ملنا ہی علم کے دو دریاؤں کا ملنا ہے، اس سبب سے ان کے ملنے کی جگہ کو مجمع البحرین تصور کیا ۔

حضرت موسیٰؑ نے عذر کیا اور کہا "اگر اب کی دفعہ بولوں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا"۔ اس گفتگو کے بعد آگے چلے۔

رات کو ایک گاؤں میں پہنچے، سردی کا موسم تھا۔ گاؤں والوں کے ہاں مہمان رہنا چاہا مگر انھوں نے یہ امر منظور نہ کیا۔ ناچار دونوں بھوکے پیاسے پڑ رہے۔

اس بستی میں ایک جھکی ہوئی دیوار گرنے کو تھی، صبح کو حضرت خضرؑ نے اس دیوار کو بغیر اجرت کے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اس گاؤں کے لوگوں نے تو یہ بے مروّتی کی کہ مہمان نوازی کی رسم بھی ادا نہ کی اور تم نے اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ ان سے مزدوری لے لیتے اور بھوک کا علاج کرتے۔ حضرت خضرؑ نے کہا "اب ہمارا تمھارا ساتھ نہیں۔ یہاں سے چل دیجیے مگر یہ فعل جو بظاہر شرع کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، ان کے سبب بھی گوش دل سے سن لیجیے۔ کشتی کے توڑنے کا یہ باعث ہے کہ ایک ظالم بادشاہ کے شہر میں وہ کشتی جانے والی تھی اور وہ بادشاہ مضبوط کشتیوں کو چھین لیتا تھا، اس واسطے میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا کہ اس بادشاہ کے تصرّف سے محفوظ رہے اور لڑکے کے قتل کرنے کا یہ سبب ہے کہ اس کے ماں باپ نیک بخت اور ایمان دار تھے اور لڑکے سے کفر اور نافرمانی اور فساد کے سوا کوئی امر ظہور میں نہ آتا۔ میں نے اندیشہ کیا کہ اس کی بدی کا اثر ماں باپ کو پہنچے گا، اس واسطے اسے قتل کر ڈالا اور اب خدا تعالیٰ اس کے ماں باپ کو فرزند صالح[1] عنایت کرے گا اور دیوار کے درست کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ دیوار دو یتیم بچّوں کی ہے اور ان کا باپ نیک بخت اور پرہیزگار تھا اور دیوار کے تلے خزانہ ہے۔ اگر وہ دیوار اب گر پڑتی تو دونوں یتیم خزانے سے محروم رہ جاتے۔ اس

۱۔ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کے ماں باپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اُس کا نکاح کسی پیغمبر سے ہوا اور ان دونوں سے ایک اور پیغمبر پیدا ہوا اور وہ اپنی قوم کو راہ راست پر لایا۔

واسطے الہام الٰہی کے موافق میں نے اس دیوار کو بنا دیا کہ اگر لڑکوں کے بالغ ہونے کے بعد گر پڑے گی تو خزانہ ان کے ہاتھ لگ جائے گا "۔ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ وہاں سے رخصت ہوئے۔

جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کا زمانہ نزدیک آیا تو انہوں نے حضرت یوشعؑ کو اپنا خلیفہ بنایا اور کاتبوں کو جمع کر کے توریت کے نسخے لکھوائے اور ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حضرت جبرئیلؑ سے اس کا مقابلہ کیا ۔ پھر باقی نسخے اس نسخے سے مقابلہ کر کے اسباط کو تقسیم کیے اور ایک سو بیس برس کی عمر میں اس دنیا سے رحلت کی ۔ چوں کہ حضرت موسیٰؑ کو نور الٰہی کی تجلّی ہوئی تھی اور انہوں نے خدا تعالیٰ سے کلام کیا تھا ، اس واسطے ان کا لقب کلیم اللہ ہے ۔

حضرت الیاسؑ

جب بنی اسرائیل کی سلطنت ملک شام میں متفرق ہو گئی اور انہوں نے توریت کے احکام پر بالکل عمل نہ کیا بلکہ بت پرستی اور گمراهی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ کو پیغمبر کر کے بھیجا ۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی شریعت اور توریت کے مسائل پر عمل کرنے کی تاکید کی ۔ مگر بنی اسرائیل اپنے افعال سے باز نہ آئے بلکہ حضرت الیاسؑ کے مارنے کے درپے ہوئے ۔ اس واسطے حضرت الیاسؑ پہاڑ میں چلے گئے اور آٹھ برس تک وهیں رہے ۔ شہر بعلبک کے بادشاہ نے ان کے قتل کرنے کو بہت سے آدمی بھیجے ، مگر خدا تعالیٰ نے آگ برسا کر انھیں ہلاک کر دیا ۔ پھر حضرت الیاسؑ پوشیدہ ہو کر مسکینوں اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں اوقات بسر کرتے رہے اور جس کے گھر جاتے ، خدا کی قدرت سے اس کے ہاں سر سبزی اور خوش حالی ظاہر ہوتی ۔

اتفاقاً ایک روز حضرت الیسعؑ ابن اخطوب کے گھر آئے ۔ ان کی

ماں بہت بیمار تھی۔ حضرت الیاسؑ کی برکت سے اچھی ہو گئی۔ پھر حضرت الیسعؑ نے ان کی رفاقت اختیار کی اور دونوں نے اپنی قوم میں آ کر ہدایت کرنی شروع کی۔

اس کے بعد حضرت الیاسؑ اپنے رفیق حضرت الیسعؑ کے ساتھ پہاڑ میں گئے اور وہاں ایک سجا ہوا تیز رفتار گھوڑا نمودار ہوا۔ حضرت الیاسؑ نے حضرت الیسعؑ کو اپنا خلیفہ بنایا اور گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھ کر چادر منہ پر ڈال کر لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے اور اب بھی حضرت خضرؑ کی طرح دنیا میں موجود ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چار شخص حالت حیات میں ہیں، حضرت ادریسؑ اور حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اور حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ زمین پر۔

حضرت الیسعؑ

حضرت الیسعؑ بنی اسرائیل پر توریت پڑھتے رہے اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت سکھانے میں بہت کوشش کرتے رہے۔ بنی اسرائیل کبھی ان کی متابعت کرتے تھے اور کبھی مخالفت۔ آخرالامر اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

حضرت شمویلؑ

جب حضرت شمویلؑ کو نبوّت عطا ہوئی اور وہ وعظ و نصیحت میں مصروف ہوئے تو بنی اسرائیل ایمان لائے اور انھوں نے حضرت شمویلؑ کے پاس آ کر درخواست کی کہ ہمیں قوم عمالقہ سے لڑنا ضرور ہے، تم ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرّر کر دو۔

اس زمانے میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص طالوت نامی جسے ساؤل بھی کہتے تھے، سقّا یا چرواہا تھا۔ حضرت شمویلؑ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اسے تم پر بادشاہ کر کے بھیجا ہے۔ انھوں نے پہلے

تو اس کی بادشاہی سے کچھ عذر کیا ، مگر پھر اس کے کار نمایاں دیکھ کر بہت خوشنودی سے اس کی اطاعت اختیار کی اور حضرت شمویلؑ کے حکم سے اس کے ساتھ ہو کر جالوت نامی بادشاہ سے انتقام لینے چلے -

جب جالوت نے یہ خبر سنی تو ایک لاکھ مرد شمشیر زن لے کر طالوت کے مقابلے کو آیا - طالوت کے ساتھ پہلے تو بہت آدمی تھے مگر پھر صرف تین سو تیرہ آدمی رہ گئے تھے - جالوت اس تھوڑی سی جماعت کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور تنہا سوار ہو کر میدان میں آیا - طالوت نے حکم دیا کہ میری فوج میں سے جو شخص اس کو مارے گا ، میں اپنی بیٹی کا جو نہایت خوب صورت ہے ، اس سے نکاح کر دوں گا اور علاوہ اس کے آدھا ملک اس کے حوالے کر دوں گا -

آخر حضرت داؤدؑ جو یہودا کی اولاد میں تھے ، میدان جنگ میں آئے اور انھوں نے جالوت کو مار ڈالا - جالوت کا لشکر پریشان ہو کر بھاگا اور بنی اسرائیل نے فتح پائی - پھر طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤدؑ سے کر دیا اور آپ دو برس سلطنت کر کے شہید ہوا اور بنی اسرائیل کی سلطنت حضرت داؤدؑ کے قبضے میں آئی -

حضرت داؤدؑ

حضرت شمویلؑ پیغمبر اور طالوت بادشاہ کے بعد نبوّت اور سلطنت دونوں چیزیں حضرت داؤدؑ کو عطا ہوئیں - جب حضرت داؤدؑ کی خلافت مستقل ہوئی تو خدا تعالیٰ نے ان کو کتاب زبور عنایت کی اور اس صحیفے میں وعظ اور حکمت اور وظیفے مندرج تھے - اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو ایسی خوش آوازی عنایت کی تھی کہ جس وقت وہ زبور پڑھا کرتے تھے وحوش و طیور ان کے گرد جمع ہو کر سنا کرتے تھے - علاوہ اس کے ان کو یہ معجزہ اور عطا کیا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا بغیر آگ میں رکھنے اور کوٹنے پیٹنے کے موم سا نرم ہو جاتا تھا - اس

معجزے کے سبب سے حضرت داؤدؑ لوہے کی زرھیں بنایا کرتے اور باوجود ثروت سلطنت کے اسی کام کی اجرت سے اپنا خرچ کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ نے چالیس برس سلطنت کر کے ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔

حضرت سلیمٰنؑ

حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ بارہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ یہ بادشاہ بھی سلطنت اور نبوّت کے جامع تھے اور حاکم حقیقی نے ان کو اس قدر حکم اور ملک عطا کیا تھا کہ ایسا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ انسان اور وحوش و طیور اور ہوا کو ان کا فرنبردار کیا اور اسی سبب سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت جلدی سے چلے جاتے تھے۔

حضرت داؤدؑ نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کی بنیاد ڈالی تھی، مگر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر کامل کی۔ چنانچہ انھوں نے سفید، سبز اور زرد پتھروں سے مسجد کی چار دیواری بنوائی اور چاندی، سونا، موتی، لعل، یاقوت، فیروزہ اور طرح طرح کے جواھر بیش قیمت اس کی چھت میں جڑوائے کہ جن کی چمک سے وہ عبادت خانہ اندھیری رات میں روز روشن کی مانند منوّر معلوم ہوتا تھا۔

روے زمین کے تمام بادشاھوں نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت اختیار کی اور بلقیس جو شہر سبا کی ملکہ تھی، وہ بھی حضرت سلیمانؑ کے پاس آئی اور ایمان لائی۔ پھر حضرت سلیمانؑ سے اس کا نکاح ھو گیا۔ یہ بادشاہ چالیس برس سلطنت کر کے اٹھاون برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ آصف ابن برخیا ان کا وزیر تھا اور بڑا عاقل اور صاحب تدبیر تھا۔

حضرت یونسؑ

حضرت یونسؑ مشہور پیغمبروں میں سے ھیں اور خدا تعالیٰ نے

انھیں شہر نینوا کے لوگوں کی رہبری کے واسطے بھیجا ۔ حضرت یونس[ع] نے انھیں بت پرستی سے منع کیا اور دین موسوی کی ھدایت کی ، مگر وہ لوگ اپنی گمراھی سے باز نہ آئے۔ اس واسطے حضرت یونس[ع] نے فرمایا کہ اگر تم توبہ نہ کرو گے تو تم پر عذاب نازل ھوگا اور خفا ھو کر اپنے اھل و عیال سمیت وھاں سے نکل گئے اور کسی پہاڑ میں مقام کیا ۔

ان کے جانے کے بعد شہر والوں نے بارگاہ الٰہی میں رجوع کر کے بہت عجز و نیاز سے توبہ کی ۔ ھر ایک نے عیش و آرام چھوڑ کر ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور سب کے سب خدا پر ایمان لائے ۔ اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر ان سے عذاب دفع کر دیا ۔

حضرت یونس[ع] کو اس امر کی مطلق اطلاع نہ ھوئی اور وہ قوم کا حال دریافت کرنے کو شہر کی طرف متوجّہ ھوئے ۔ رستے میں شیطان نے ان کو بہکا دیا کہ نینوا والوں پر عذاب نازل نہیں ھوا ۔ اگر تم وھاں جاؤ گے تو لوگ تمھیں جھٹلائیں گے ۔ اس سبب سے حضرت یونس[ع] شہر نینوا میں نہ گئے بلکہ دل برداشتہ ھو کر کسی اور سمت کو روانہ ھوئے اور دریا پر پہنچ کر ایک کشتی میں ھو بیٹھے ۔

اتفاقاً چلتے چلتے کشتی دریا میں ٹھہر گئی۔ ملاح نے کہا کہ اس کشتی میں کوئی بندہ اپنے خداوند سے بھاگ کر بیٹھا ھے ، اس واسطے کشتی اٹک رھی ھے اور حضرت یونس[ع] پر ان کے جمال و جلال کے سبب سے اس امر کا خیال بھی نہ گزرا ، مگر انھوں نے خود ھی کہا کہ وہ بندہ میں ھی ھوں ، مجھے دریا میں پھینک دو ۔ کشتی والوں نے بہت عذر کیا ، انجام کار ناچار ھو کر دریا میں ڈال دیا ۔

حکم الٰہی سے ایک مچھلی ان کو نگل گئی ۔ اس وقت جناب باری سے مچھلی کو ارشاد ھوا کہ ھم نے یونس[ع] کو تیرے پیٹ کا لقمہ نہیں کیا ھے بلکہ تیرے پیٹ کو اس کا قید خانہ بنایا ھے ۔ خبردار اسے کچھ آسیب نہ پہنچائیو ۔

حضرت یونس[ع] خدا کی قدرت سے کچھ عرصے تک مچھلی کے پیٹ

میں رہے اور قادر مطلق نے اپنی حکمت سے حضرت یونس[ع] کے واسطے مچھلی کا پیٹ ایسا شفّاف بنا دیا کہ وہ دریا کی عجیب و غریب چیزیں دیکھتے اور تسبیح و استغفار میں مشغول رہتے ۔

پھر حاکم حقیقی کے حکم سے مچھلی نے حضرت یونس[ع] کو دریا کے کنارے پر اُگل دیا ۔ وہاں فوراً ایک سبز درخت پیدا ہوا اور حضرت یونس[ع] نے اس کے سایے میں آرام پایا ، مگر پھر وہ درخت خشک ہو گیا اور حضرت یونس[ع] پر شدّت کی دھوپ پڑی ، اس واسطے حضرت یونس[ع] کا دل اس درخت کے مرجھانے سے پژ مردہ ہوا ۔ اسی وقت حضرت جبرئیل[ع] آئے اور خدا کا پیغام لائے کہ اے یونس[ع] ! تجھے ایک درخت کے سوکھنے سے اس قدر غم ہوا ، مجھے اپنی مخلوق کے تباہ ہونے کا کیوں نہ فکر ہوتا ؟

حضرت یونس[ع] نے توبہ و استغفار کی اور اللہ تعالیٰ نے اُنھیں مکرّر اُن کی قوم میں بھیجا ۔ لوگ تو اُن کے مشتاق ہی تھے ، سب نے دیکھتے ہی ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور عزت و حرمت سے شہر نینوا میں لائے ۔ ان کی برکت سے اس ملک میں آسودگی اور فراغ بالی ہو گئی اور وہ حکم الٰہی کے موافق دین و شریعت کی تعلیم میں مصروف ہوئے اور عمر بھر حق کی عبادت اور خلق کی ہدایت میں رہے ۔

حضرت زکریا[ع]

حضرت زکریا[ع] ابن باذان حضرت سلیمان[ع] ابن حضرت داؤد[ع] کی اولاد سے تھے اور یہ وہی شخص ہیں ، جنھوں نے حضرت عیسیٰ[ع] کی ماں حضرت مریم[ع] بنت عمران کی پرورش کی تھی ۔ حضرت مریم[ع] بھی حضرت سلیمان[ع] ابن حضرت داؤد[ع] کی نسل سے تھیں اور اُن کی ماں کا نام حنّہ تھا اور حنّہ کی بہن کا نکاح حضرت زکریا[ع] سے ہوا تھا تو اس رشتے سے حضرت زکریا[ع] کی بیوی حضرت مریم[ع] کی خالہ ہوئیں اور اسی باعث سے حضرت زکریا[ع] حضرت مریم[ع] کی پرورش کے کفیل ہوئے ۔

اہل اسلام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت مریمؑ کی ماں حنّہ نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے بیٹا دے گا تو میں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد کر کے خالق کی عبادت کے واسطے بیت المقدس میں رکھوں گی اور وہ وہاں کی خدمت کیا کرے گا۔ خدا کی قدرت سے اُسے حمل رہا اور اس کا خاوند عمران اسے حالت حمل میں چھوڑ کر مر گیا۔

جب حمل کے دن پورے ہو چکے تو اس کے ہاں یہی لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریمؑ تھا۔ اگرچہ حنّہ کو اس وقت کچھ فکر لاحق ہوا اور اس نے جناب باری میں عرض کی کہ یہ لڑکی ہے اور لڑکی بیت المقدس کی خدمت کیا کر سکے گی؟ مگر پھر بھی اسے علمائے یہود کے پاس مسجد میں لا کر خدا کی نذر کر دیا۔

اس زمانے میں سب کے پیغمبر اور پیشوا حضرت زکریاؑ تھے اور ان پر حضرت مریمؑ کی پرورش کرنے کا حق بھی تھا۔ وہ حضرت مریمؑ کو ان کی خالہ یعنی اپنی بیوی کے پاس لے گئے اور وہاں انھوں نے پرورش پائی۔

جب حضرت مریمؑ بڑی ہوئیں تو حضرت زکریاؑ ان کو مسجد میں لائے اور معبود حقیقی کی عبادت کے واسطے ایک علٰحدہ حُجرے میں بٹھا دیا اور وہاں حضرت زکریاؑ کے سوا ان کے پاس کوئی نہ جاتا تھا۔

حضرت زکریاؑ کو اپنے ہاں بیٹا ہونے کی بڑی آرزو تھی اور بارگاہ الٰہی میں اس امر کی درخواست کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور حضرت جبرئیلؑ نے ان سے آ کر کہا "خدا تعالیٰ تمھیں ایک بیٹے یحییٰؑ نامی کی خوش‌خبری دیتا ہے، جو خدا کے کامے[1] یعنی عیسیٰؑ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور نفس کش اور نبی ہوگا"۔ حضرت زکریاؑ نے کہا "میرے ہاں کیوں کر بیٹا پیدا

---

۱ - یہ مضمون قرآن کی تیسری صورت کی چونتیسویں آیت کا ہے۔

ہو سکتا ہے؟ میری بیوی بانجھ ہے اور میں ضعیف ہوں''۔ حضرت جبرئیل[۴] نے کہا ''خدا تعالیٰ سب شے پر قادر ہے''۔

القصّہ حضرت زکریا[۴] کی بیوی کو حمل رہا اور اس امر کے کئی مہینے بعد یہ اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت مریم[۴] اپنی خالہ کے ہاں گئیں، وہاں حکم الٰہی کے موافق حضرت جبرئیل[۴] ان کے پاس آئے۔ حضرت مریم[۴] انھیں دیکھ کر شرمائیں۔ حضرت جبرئیل[۴] نے کہا ''مجھ سے کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیے میں تمھیں ایک پاکیزہ بیٹا بخشنے آیا ہوں''۔ حضرت مریم[۴] بولیں ''میرے ہاں کیوں کر بیٹا پیدا ہوگا؟ مجھے آج تک کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا''۔ حضرت جبرئیل[۴] نے کہا ''تیرے خدا نے فرمایا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا پیدا کرنا آسان ہے''۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل[۴] نے حضرت مریم[۴] کے جسم میں حضرت عیسیٰ[۴] کی روح پھونک دی۔

حضرت زکریا[۴] کے بیٹے حضرت یحییٰ[۴] حضرت عیسیٰ[۴] سے چند مہینے پہلے پیدا ہوئے اور پھر خدا کی قدرت سے حضرت مریم[۴] کے بیٹے حضرت عیسیٰ[۴] کی پیدائش ہوئی۔

حضرت یحییٰ[۴]

حضرت یحییٰ[۴] ابھی بچّہ ہی تھے کہ خدا کی اطاعت میں محنت اور مشقت کیا کرتے اور اکثر بیت المقدس میں جا کر عبادت میں مشغول ہوتے اور گریہ و زاری کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ[۴] کو چھوٹی سی عمر میں نبوّت عطا کی اور وہ خلق کو ہدایت اور نصیحت کرنے لگے اور بہت سے لوگوں کو دین حق پر لائے۔

حضرت یحییٰ[۴] کے وقت میں یہودیوں کے حاکم نے جس کا لقب ہردوس تھا، ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہا اور وہ لڑکی اس کی ایسی قریب رشتہ دار تھی کہ شرع کے موافق دونوں کا نکاح ناجائز تھا۔ اس واسطے حضرت یحییٰ[۴] نے اس حاکم کو نکاح سے منع کیا۔ یہ امر

لڑکی اور اس کی ماں کی ناراضی کا باعث ہوا اور دونوں حضرت یحییٰؑ کے قتل کے درپے ہوئیں اور ہردوس کو ان کی طرف سے بہکاتی رہیں - آخر ایک روز ہردوس نے شراب کی مستی میں اس لڑکی کے کہنے سے حضرت یحییٰؑ کو قتل کروا ڈالا اور وہ تیس برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ

مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو بہت بڑا نبی جانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت مریمؑ گناہ سے بری اور خدا کے نزدیک برگزیدہ تھیں اور حضرت عیسیٰؑ کا پیدا ہونا معجزے سے خالی نہ تھا ، چنانچہ قرآن میں یہ بات مفصّل لکھی ہے -

اہل اسلام حضرت عیسیٰؑ کے صرف انہیں معجزوں پر اعتقاد نہیں رکھتے جو انجیل میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ ان کے سوا اور بھی بہت سے معجزے مانتے ہیں -

حضرت عیسیٰؑ مقام بیت اللحم میں جو بیت المقدس کے پاس ایک گاؤں ہے ، پیدا ہوئے - حضرت مریمؑ کو پہلے ہی سے اندیشہ تھا کہ اگر لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ یہ بچہ کہاں سے لائی ہو تو میں کیا جواب دوں گی ؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی قوم کے آدمی ان کو تلاش کرتے ہوئے آ پہنچے اور پوچھا کہ اے ہارون[1] کی بہن ! تو نے یہ کیا کام کیا اور یہ بچہ کہاں سے لائی ؟

حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے دریافت کر لو - خدا کی قدرت سے حضرت عیسیٰؑ اسی وقت بول اٹھے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبوت عطا کی ہے - آخر یہ معجزہ دیکھ کر ان لوگوں نے حضرت مریمؑ کو چھوڑ دیا اور ان کو بیت المقدس میں لائے -

---

۱ - ہارون مریمؑ کے بھائی کا نام ہے -

اس کے بعد حضرت مریم[ؑ] حضرت عیسیٰ[ؑ] کو لے کر مصر کو چلی گئیں اور بارہ برس تک وہیں رہیں ۔ پھر ملک شام میں آ کر ناصرہ میں ٹھہریں ۔ حضرت عیسیٰ[ؑ] قریب تیس برس کی عمر تک وہیں مقیم رہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ[ؑ] پر وحی نازل فرمائی اور ان کو خلق کی رہبری کے واسطے ارشاد کیا اور کتاب انجیل ان کو عنایت کی ۔

مسلمانوں کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ[ؑ] کی عمر قریب تیس برس کے ہوئی تو وہ نہر آرون کی طرف گئے جس کا نام شریعہ بھی ہے اور وہاں لوگوں کو ہدایت کر کے خدا کی طرف متوجہ کیا ۔ اسی نہر میں حضرت یحییٰ[ؑ] پیغمبر نے دستور کے موافق حضرت عیسیٰ[ؑ] کو غوطہ دے کو اپنے مریدوں میں داخل کیا تھا اوراس وقت حضرت یحییٰ[ؑ] کی وفات کا زمانہ قریب تھا ۔

جب حضرت عیسیٰ[ؑ] وعظ اور نصیحت میں مصروف ہوئے تو انھوں نے اپنی نبوت کی تصدیق کے واسطے خلق اللہ کو معجزے دکھائے چنانچہ مُردے کو زندہ کرنا ، مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں روح ڈالنا، اندھوں اور جذامیوں کو شفا دینا، پانی پر چلنا اور بہت سے معجزے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے تھے لوگوں کے سامنے ظاہر کیے ۔

حضرت عیسیٰ[ؑ] کے بڑے مصاحب اور مددگار بارہ آدمی تھے جو حواری[1] کہلاتے ہیں اور یہ لوگ اکثر ان کے ساتھ رہتے تھے اور ہر امر میں ان کی اطاعت کرتے تھے ۔ ایک روز سفر میں انھوں نے حضرت عیسیٰ[ؑ] سے ایک آسمانی خوان کی درخواست کی ۔ حضرت عیسیٰ[ؑ] نے نماز دو رکعتیں پڑھ کر خدا تعالیٰ سے اس امر کا سوال کیا ۔ جناب باری میں ان کی دعا قبول ہوئی اور آسمان سے ایک خوان جس میں قسم قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے ، نازل ہوا ۔ سب لوگوں نے اس خوان میں کھانا کھایا اور لذیذ چیزوں

---

۱ ۔ حواری لغت عربی میں دوست اور مددگار اور دھوبی کو کہتے ہیں ۔

سے سزہ اُٹھایا ۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک بدستور خوان اترتا رہا اور لوگوں کا پیٹ طرح طرح کی نعمتوں سے بھرتا رہا مگر پھر گمراھوں کا فرقہ شک اور کفران نعمت کی طرف مائل ہوا اس واسطے بجائے خوان کے اُن پر عذاب نازل ہوا ۔

اھل اسلام کی کتابوں میں لکھا ھے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں یہودیوں کا کوئی حاکم بڑا گردن کش اور ظالم سرکش تھا حضرت عیسیٰؑ نے آسے اپنے دین کی ھدایت کی مگر وہ باز نہ آیا بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل کرنے کے درپے ھوا۔ اس واسطے حضرت عیسیٰؑ روپوش ھو گئے اور انھوں نے اپنے حواریوں کو بلا کر وصیّت کی کہ میرے بعد قبیلۂ قریش سے ایک عربی نبی پیدا ھوگا ۔ تم اپنی اولاد کو نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن وصیّت کرتے جاؤ کہ جو کوئی اس وقت موجود ھو اس پر ایمان لائے اور اُس کا دین اختیار کرے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سی نصیحت کی باتیں اُن کے روبرو بیان کیں ۔

بعد ازاں ان کا ایک حواری جسے یہُودا اسقریوطی کہتے تھے ان سے پھر گیا اور اس نے یہودیوں کے حاکم کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں عیسیٰؑ کا پتا بتا دوں تو تم مجھے کیا انعام دو گے ؟ اس نے کہا تیس درھم ۔ یہودا راضی ھوگیا اور اس نے تیس درھم لے کر حضرت عیسیٰؑ کا نشان بتا دیا ۔

یہودی لوگ تو حضرت عیسیٰؑ کے دشمن ھی تھے ۔ اُنھوں نے اُن کو سولی پر چڑھانے کا مصمّم ارادہ کیا ۔ حاکم مطلق کے حکم سے حضرت جبرئیلؑ فرشتہ نازل ھوئے اور وہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر لے گئے اور مخبر کی شکل بعینہ حضرت عیسیٰؑ کی سی بن گئی ۔ یہودی لوگ اسے گھسیٹتے ھوئے اپنے حاکم کے پاس لے گئے اور رستے میں اس کی بہت حقارت کرتے گئے ۔ کوئی اس کے منہ پر طمانچے مارتا تھا کوئی سر پر کانٹے پھینکتا تھا ، کوئی کہتا تھا ”آپ تو مُردے زندہ کرتے تھے ، ھم سے اپنے تئیں کیوں نہیں چھڑا لیتے؟“ یہودا نے ھر چند

قسمیں کھائیں کہ میں عیسیٰؑ نہیں ہوں مگر اُنھوں نے اس کی بات تسلیم نہ کی اور کشاں کشاں اپنے حاکم کے پاس لے جا کر اُسے سولی پر چڑھا دیا - پھر حضرت عیسیٰؑ کے کسی رشتہ دار نے پیلاطوس سے جو شاہ روم کی طرف سے یہودیوں کا حاکم تھا، اس کا جنازہ مانگ کر ایک قبر میں دفن کر دیا -

اسمٰعیل ابوالفدا نے اپنی عربی تاریخ میں جس کا نام المختصر فی اخبارالبشر ہے، لکھا ہے کہ اس واقعے کے بعد حضرت عیسیٰؑ آسمان سے اُتر کر اپنی ماں مریم کے روبرو ظاہر ہوئے - وہ یہودا کی قبر کو اپنے بیٹے کی قبر سمجھ کر رو رہی تھیں حضرت عیسیٰؑ نے کہا "مجھے خداتعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا ہے میں اچھی طرح ہوں دلجمعی رکھو اور میرے حواریوں کو میرے پاس بلا لاؤ "۔

اُنھوں نے حواریوں کو اکٹھا کیا - حضرت عیسیٰؑ نے ان سے کہا "تم روے زمین پر پھیل کر لوگوں کو ہدایت کرو اور انجیل کی منادی کے واسطے جدا جدا مقاموں پر جاؤ "- یہ کہ کر آسمان کی طرف چلے گئے اور حواری اُن کے حکم کے موافق علٰحدہ علٰحدہ ہو گئے - اس کے بعد متی ، لوقا ، مرقس اور یوحنّا نے ایک ایک انجیل مرتب کی -

مسلمان لوگ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ جانتے ہیں اور زمین پر اُن کے دوبارہ آنے کے قائل ہیں - چنانچہ ان کی کتابوں میں قیامت کے آثار میں لکھا ہے کہ اول نصاریٰ کا خوب غلبہ ہوگا - پھر ایک شخص اسلامی امام مہدی نامی کی پیدائش ہوگی اور وہ مذہب اسلام کو بڑی رونق دیں گے - اس وقت ایک کافر جس کا نام دجّال مشہور ہے ، ظاہر ہو کر طرح طرح کے فریبوں سے لوگوں کو کفر کی ترغیب دے گا اور ان سے اپنی اطاعت اور عبادت کا اقرار کرانا چاہے گا - اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ بھی آسمان سے اُتر کر دین محمدی میں شامل ہوں گے اور حضرت امام مہدی کے ساتھ مل کر دجّال اور اس کے رفیقوں کے دفع کرنے اور مذہب اسلام کے پھیلانے میں نہایت کوشش کریں گے ، یہاں تک کہ سب لوگ دین محمدی اختیار کریں گے اور اس مذہب کو

کمال ترقی و رونق ہوگی ۔ پھر کچھ عرصے کے بعد قیامت کا ہنگامہ برپا ہوگا ۔

مسلمان اس امر کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے بیچ میں جو زمانہ تھا، اس میں دین عیسوی بجا اور درست رہا اور بہت سے دین دار عیسائیوں کو جو حضرت محمدؐ سے پہلے تھے، معظّم و مکرّم جانتے ہیں اور ان کی خدا پرستی اور حسن عمل کے قائل ہیں، چنانچہ اصحاب کہف[1] اور گڑھے کے شہیدوں[2] کو جن کا حال قرآن میں بھی لکھا ہوا ہے، برحق سمجھتے ہیں اور جرجیس[3] اور اور بہت سے عیسائیوں کی توقیر کرتے ہیں ۔

مسلمانوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب کہف ملک شام کے باشندے اور مذہب کے عیسائی تھے ۔ دقیانوس بادشاہ نے جو کافر تھا، انھیں قتل کرنا چاہا ۔ اس سبب سے وہ کسی پہاڑ کے غار میں جا چھپے اور ایک کتّے نے ان کے ساتھ بہت رفاقت کی بلکہ وہی رستہ دکھاتا ہوا انھیں غار تک لے پہنچا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب پر ایسا خواب غالب کر دیا کہ وہ مدت تک غار میں سوتے رہے ۔ گڑھے کے شہیدوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ کوئی کافر بادشاہ عیسائیوں سے بڑی عداوت رکھتا تھا ۔ اس نے ایک عیسائی لڑکے کو جس سے بڑی بڑی کراماتیں ظاہر ہوئی تھیں، شہید کیا ۔ کچھ آدمی اس کی کراماتیں دیکھ کر ایمان لائے ۔ بادشاہ اور اس کے رفیقوں نے زمین پر لمبا گڑھا کھدوا اور اُسے آگ سے بھروا، ان آدمیوں کو وہاں ڈلوا دیا ۔ یہی لوگ

---

۱ - کہف عربی میں پہاڑ کے غار کو کہتے ہیں جو کہ اصحاب کہف ایک پہاڑ کے غار میں جا کر سوئے تھے، اس واسطے اس نام سے نامزد ہوئے اور یہ لوگ اصحاب کہف ورقیم بھی کہلاتے ہیں کیوں کہ رقیم ایک لوح کا نام ہے، جس پر اُن کا تمام حال لکھا ہوا تھا اور اسے کسی بادشاہ نے اس غار پر لٹکوا دیا تھا اور انگریزی کتابوں میں انھیں سیون سلیپرز (Seven Sleepers) لکھا ہے ۔

۲ - ان لوگوں کو انگریزی کتابوں میں مارٹرز آف دی کیو (Martyrs of the cave) لکھا ہے ۔

۳ - سینٹ جارج (St. George) ۔

گڑھے کے شہید ہیں اور بادشاہ اور ان کے رفیق جنھوں نے گڑھا کھدوا کر ان عیسائیوں کو آگ میں ڈلوایا تھا ، اصحاب اُخدُود[1] کہلاتے ہیں اور قرآن میں ان لوگوں پر لعنت لکھی ہے ۔

جرجیس کا ذکر اہل اسلام کی کتابوں میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ وہ روم میں پیدا ہوئے تھے اور فلسطین میں رہتے تھے ۔ انھوں نے موصل کے بادشاہ کو جو بت پرست تھا ، دین عیسائی کی ہدایت کی ۔ وہ باز نہ آیا بلکہ جرجیس سے بت پرستی کرانی چاہی ۔ جرجیس نے نہ مانا ۔ بادشاہ نے سیخیں گرم کر کے ان کے بدن میں چبھوئیں اور طرح طرح کی سخت تکلیفیں دیں ، مگر اس امر میں ان سے بڑی بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں اور اپنے مذہب پر قائم رہے ۔

حضرت محمدؐ

مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کے وقت سے حضرت ابوالقاسم[2] محمدؐ کے زمانے تک جتنے نبی پیدا ہوئے ، وہ اپنی اپنی اُمت سے حضرت محمدؐ کے اوصاف بیان کرتے رہے اور خدا تعالیٰ نے جو کتابیں پیغمبروں پر نازل کیں ، ان سب میں حضرت محمدؐ کی علامتوں اور فضیلتوں سے انبیاؑ کو واقف کیا ۔

اہل اسلام کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کا سا صبر حضرت ابراہیمؑ کی سی مہمان نوازی ، حضرت یوسفؑ کا سا حسن ، حضرت یونسؑ کی سی عبادت اور علیٰ ہٰذالقیاس اور پیغمبروں کی تمام صفتیں عنایت کی تھیں اور جو جو اوصاف ہر ایک نبی میں علاحدہ علاحدہ تھے حضرت محمدؐ کی ذات میں سب جمع ہو گئے تھے بلکہ حضرت محمدؐ

---

۱ - اخدود عربی میں گڑھے کو کہتے ہیں ۔

۲ - ابو القاسم حضرت محمدؐ کی کنیت ہے اور کنیت اُس اسم کو کہتے ہیں جو باپ یا ماں یا بیٹا یا بیٹی کے نام سے بولا جائے اور قاسم حضرت محمدؐ کے ایک بیٹے کا نام تھا ، جو چھوٹی سی عمر میں دنیا سے انتقال کر گئے تھے ۔

ان اوصاف میں بھی سب پر غالب تھے ، کیوں کہ ان کا حسن حضرت یوسف[ع] کے حسن سے بھی زیادہ بیان کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ[ع] نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے کلام کیا تو حضرت محمد[ص] نے معراج میں خلوت گاہ خاص میں جا کر گفتگو کی اور ان کو وہ قرب حاصل ہوا کہ کسی فرشتے یا نبی کو نہیں ہوا تھا ۔

مسلمانوں کے ہاں حضرت محمد[ص] کے معجزے نہایت کثرت سے لکھے ہیں اور وہ ان تمام پیغمبروں کا سردار اور نبی آخرالزماں جانتے ہیں اور اسی واسطے ان کی کتابوں میں علاوہ اور لقبوں کے ان کا لقب سیدالمرسلین اور خاتم النبیّین بھی لکھا ہے اور خیرالبشر بھی حضرت محمد[ص] ہی سے مراد ہے ۔ یہ لوگ جس وقت حضرت محمد[ص] کا نام لیتے یا سنتے ہیں ، اس وقت درود پڑھتے ہیں اور اس سبب سے ان کا اعتقاد تمام انبیا[ع] پر ہے ۔ حضرت محمد[ص] کے ساتھ اکثر اور پیغمبروں کو بھی درود میں شامل کر لیتے ہیں ۔

حضرت محمد[ص] سنہ ۵۶۹ء میں جب کہ فارس کا بادشاہ نوشیروان تھا ، شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ وہ قریش[1] کے قبیلے اور ہاشم کے خاندان سے تھے اور چاہ زمزم کا اہتمام اور کعبے کا انتظام ان کے ہاں موروثی چلا آتا تھا ۔ حضرت محمد[ص] کے باپ عبداللہ قضاے الٰہی سے فوت ہو گئے تھے اس واسطے ان کی ماں نے ان کی پرورش میں کوشش کی اور جب حضرت محمد[ص] کی عمر چھ برس کی ہوئی تو ان کی ماں بھی اس جہان سے انتقال کر گئیں اور ان کے دادا عبدالمطلب جو ہاشم کے بیٹے تھے ان کی پرورش کرتے رہے ۔ دو برس کے بعد وہ بھی مر گئے اور انھوں نے حضرت محمد[ص]

---

۱ ۔ قریش ایک شخص کا لقب ہے جس کی اولاد کو بھی قریش کہتے ہیں اور اصل میں قریش تصغیر ہے قرش کی اور وہ ایک مچھلی کا نام ہے جو سب مچھلیوں پر غالب ہے اور چوں کہ قبیلۂ قریش عزت و شرافت میں تمام قبیلوں پر غلبہ اور فوقیت رکھتا ہے ، اس سبب سے وہ بھی اس نام سے مشہور ہوا اور بعض کتابوں میں اس امر کی اور بھی وجہیں لکھی ہیں ۔

کی تربیت ابوطالب کو جو عبداللہ کے حقیقی بھائی اور قوم قریش میں سے ایک زبردست سردار تھے ، سپرد کی اور وہ ان کو اپنے فرزند سے زیادہ سمجھ کر خوب اچھی طرح تربیت کرتے رہے ۔

مسلمان بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ظاہر کیا تو حضرت محمدؐ کا نور جو تمام مخلوقات سے پہلے پیدا ہوا تھا ، ان کی پیشانی میں رکھا ۔ پھر وہ نور حضرت شیثؑ پیغمبر کے حصے میں آیا ۔ بعد ازاں حضرت نوحؑ کی پیشانی میں چمکا اور حضرت نوحؑ سے ان کے بیٹے حضرت سامؑ کو عنایت ہوا ۔ اسی طرح نقل کرتا ہوا حضرت ابراھیمؑ کی پیشانی میں روشن ہوا اور حضرت ابراھیمؑ سے حضرت اسمٰعیلؑ کو مرحمت ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں منتقل ہوتے ہوتے عبدالمناف[1] کے چہرے پر رونق افروز ہوا اور اس سے ہاشم[2] پر اور ہاشم سے عبدالمطلب[3] پر اور عبدالمطلب سے حضرت محمدؐ کے باپ عبداللہ پر نازل ہوا ۔

مسلمانوں کا قول ہے کہ جب حضرت محمدؐ پیدا ہوئے تو تمام بت سرنگوں ہو گئے اور فارس کا آتش خانہ جو ہزار برس سے کبھی نہ بجھا تھا بالکل بجھ گیا اور اسی طرح اور بہت سے عجیب امر ظاہر ہوئے ۔

جب حضرت محمدؐ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو ابوطالب نے جو تجارت کے واسطے ملک شام کی طرف جاتے تھے ، ان کو بھی اپنے ساتھ لیا اور قافلے والوں کے ساتھ روانہ ہوئے ۔ مسلمان کہتے ہیں کہ جب وہ اس سفر میں شہر بُصریٰ[4] کے پاس پہنچے تو وہاں کسی صومعے[5] میں بحیرا نامی ایک راھب[6] سے اُن کی ملاقات ہوئی ۔ وہ آسمانی صحیفوں سے

---

۱ ، ۲ ، ۳ یہ سب بت پرست تھے ۔
۴ ۔ یہ شہر شام میں واقع ہے اور یہ وہ بصرہ نہیں ہے جو عراق کا ایک مشہور شہر ہے ۔
۵ ۔ نصاریٰ کے عبادت خانے کو عربی میں اکثر صومعہ بولتے ہیں ۔
۶ ۔ نصاریٰ میں سے جو شخص پارسا ہو کر گوشہ گزیں ہوتا ہے اسے عربی میں راھب کہتے ہیں ۔

خوب واقف تھا - حضرت محمدؐ کو دیکھتے ہی اُن کے آثار سے جان گیا کہ یہی نبی آخرالزماں ہیں اور ابوطالب سے کہا کہ اس لڑکے میں نبوّت کی علامتیں ظاہر معلوم ہوتی ہیں ، تم انھیں لے کر اُلٹے چلے جاؤ - یہودی ان کے دشمن ہیں ، ایسا نہ ہو مار ڈالیں - ابوطالب نے راہب کی بات مان لی اور وہیں بُصریٰ میں اپنا مال بیچ کر اُلٹے مکّے کو چلے گئے-

پھر حضرت محمدؐ کی دیانت اور امانت کی بہت شہرت ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ بات حضرت خدیجہؓ بنت خویلد تک جو قوم قریش میں بڑی عزت دار اور دولت‌مند عورت تھیں، پہنچی- اُنھوں نے حضرت محمدؐ سے کہا کہ آپ میری طرف سے ملک شام کو تجارت کے واسطے جائیے اور میرے غلام میسرہ نامی کو اپنے ساتھ لیجیے - حضرت محمدؐ نے منظور کر لیا اور وہ میسرہ کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے -

کہتے ہیں کہ جب بحیرا راہب کی منزل میں پہنچے تو وہ عالم عقبیٰ کو روانہ ہوگیا تھا اور نسطورا نامی ایک راہب اس کی جگہ مسند نشیں تھا- اسے بھی آسمانی کتابوں سے خوب واقفیت تھی اور وہ نبی آخرالزماں کا بھی حال جانتا تھا - اس لیے میسرہ سے کہا کہ میں مدت سے اس جمال کے دیکھنے کا منتظر تھا ، آج میری آرزو حاصل ہوئی ، لیکن تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ شام جانے کا ارادہ نہ کر اور ان کی خدمت اپنی سعادت سمجھ کر انھیں الٹا لے جا کیوں کہ شام کے یہودی ان کے دشمن ہیں -

حضرت محمدؐ بُصریٰ میں حضرت خدیجہؓ کا مال بیچ کر میسرہ کے ساتھ مکّے کو روانہ ہوئے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس جا کر مال کے بیچنے کا حال بیان کیا - حضرت خدیجہؓ ان سے بہت خوش ہوئیں اور میسرہ نے ان کی بہت تعریف کی - مسلمان کہتے ہیں کہ اس نے حضرت خدیجہؓ سے حضرت محمدؐ کی کرامتوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ اکثر دیکھنے میں آیا کہ دھوپ کی شدت کے وقت دو فرشتے حضرت محمدؐ پر سایہ کرتے چلتے تھے اور نسطورا کا کلام بھی جو کچھ سنا تھا ، ان کے روبرو نقل کیا -

اس کے بعد حضرت خدیجہ رض نے حضرت محمد ص سے نکاح کرنا چاہا اور حضرت محمد ص نے یہ بات منظور کر لی اور ہر چند قوم قریش کے اور بھی اچھے اچھے سردار حضرت خدیجہ رض کے حسن اور شرافت اور مال کے سبب سے ان کے نکاح کے خواہاں تھے مگر انھوں نے حضرت محمد ص کو سب پر ترجیح دی ۔ اس نکاح کے وقت حضرت محمد ص کو پچیسواں برس تھا اور حضرت خدیجہ رض کی عمر چالیس سال کی تھی اور اس سے پہلے ان کے دو نکاح ہو چکے تھے اور اب وہ بیوہ تھیں ۔

حضرت محمد ص اور حضرت خدیجہ رض میں کمال اتحاد رہا اور دونوں آپس میں ایک دوسرے سے شفقت اور محبّت کرتے تھے ۔ حضرت محمد ص کے ہاں حضرت خدیجہ رض سے چار بیٹیاں اور کئی بیٹے پیدا ہوئے مگر بیٹوں نے چھوٹی سی عمر میں اس جہان سے انتقال کیا اور حضرت خدیجہ رض کی زندگی میں حضرت محمد ص نے دوسرا نکاح نہیں کیا لیکن پھر ان کے کئی نکاح ہوئے اور آخرکار دس بیویاں ہو گئیں ۔ ان میں سے ایک نے حضرت محمد ص کی حیات ہی میں وفات پائی اور نو باقی رہیں ۔ حضرت خدیجہ رض کے انتقال کے بعد حضرت محمد ص کی بیویوں میں سے حضرت ابوبکر رض کی بیٹی عائشہ رض کو سب پر ترجیح تھی ۔

جب حضرت محمد ص کو پینتیسواں برس شروع ہوا تو قوم قریش نے از سر نو کعبے کی تعمیر شروع کی اور حضرت محمد ص بھی اس کے بنانے میں شریک تھے، چنانچہ اس بنا کے وقت حجر اسود انھوں نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا ۔ اس تعمیر میں کسی خاص سبب سے کعبے کا ایک مغربی ٹکڑا جسے حطیم کہتے ہیں پہلی بنا سے باہر رہ گیا تھا مگر مسلمان طواف کرتے وقت اسے بھی شامل کر لیتے ہیں ۔

بچپن ہی سے حضرت محمد ص کی طبیعت غور و فکر کی طرف مائل تھی اور ان کو تنہا بیٹھ کر خدا کا دھیان کرنا بہت پسند تھا انجام کار ان کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ اپنا توشہ لے کر کوہ حرا میں جو مکّے کے قریب ہے، چلے جایا کرتے اور وہاں کسی غار میں

بیٹھ کر مدت تک مراقبے[1] میں رہا کرتے۔

جب ان کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو وہ اپنی عادت کے موافق کوہ حرا میں جا کر اعتکاف[2] میں مشغول ہوئے۔ اہل اسلام بیان کرتے ہیں کہ اس مرتبہ حضرت جبرئیل[ع] فرشتے ان کے پاس وحی لے کر آئے اور کہا کہ اے محمد[ص] پڑھ۔ حضرت محمد[ص] نے کہا ”کیا پڑھوں؟“ انھوں نے سورۂ علق[3] بتائی اور تین دفعہ حضرت محمد[ص] کو اپنے جسم سے لگا کر بھینچا۔ اس عمل سے حضرت محمد[ص] کو تمام علم لَدُنّی[4] حاصل ہو گیا اور انھوں نے حضرت جبرئیل[ع] کی تعلیم کے موافق سورۂ علق پڑھی پھر حضرت جبرئیل[ع] نے وہاں ایک پانی کا چشمہ پیدا کیا اور حضرت محمد[ص] کو وضو کرنا بتایا اور نماز کی دو رکعتیں پڑھائیں۔

حضرت محمد[ص] نے یہ حال حضرت خدیجہ[رض] سے آ کر بیان کیا۔ انھوں نے کہا مجھے امید ہے کہ آپ اس اُمّت کے نبی ہوں۔ یہ کہ کر ان کو اپنے چچا کے بیٹے ورقہ ابن نوفل کے پاس لے گئیں اور اس کے روبرو سارا ذکر کیا۔ اہل اسلام کا مقولہ ہے کہ ورقہ ابن نوفل آسانی صحیفوں سے خوب آگاہ تھا اور توریت اور انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ علاوہ اس کے بڑے بڑے یہودی اور عیسائی فاضلوں سے حضرت محمد[ص] کی نبوّت کی خبر پائی تھی۔ یہ حال سن کر بولا ”اے محمد[ص]! تمھیں مبارک ہو۔ جبرئیل[ع] فرشتے جو موسیٰ[ع] اور عیسیٰ[ع] اور

۱۔ اصطلاح میں سب چیزوں کا خیال چھوڑ کر خدا کے دھیان کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔

۲۔ خدا کے ذکر کی نیت کر کے مسجد میں کسی مرد کے علاحدہ بیٹھنے کو اعتکاف بولتے ہیں۔

۳۔ قرآن کی ۹۶ سورۃ کا نام ہے اور اہل اسلام کا مقولہ ہے کہ سب سے پہلے یہی سورۃ نازل ہوئی۔

۴۔ لفظ لُدنی بفتح اول و ضم دوم و تشدید سوم منسوب ہے لُدن کی طرف اور لدن کے معنی زبان عربی میں پاس اور نزدیک کے ہیں۔ اسی سبب سے علم لدنی اس علم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بغیر اس کی محنت اور کوشش کے اپنے پاس سے عطا فرمائے۔

اور پیغمبروں پر نازل ہوا کرتے تھے اب تمھارے پاس وحی لے کر آئے ۔ یقین جانو کہ تم نبی آخرالزمان ہو "۔

کچھ عرصے کے بعد پھر وحی نازل ہوئی اور متواتر آتی رہی حضرت جبرئیلؑ خدا کے احکام حضرت محمدؐ کے پاس پہنچاتے رہے اور حضرت محمدؐ لوگوں کو خدا کی عبادت اور توحید کی طرف ترغیب دیتے رہے۔

سب سے پہلے حضرت محمدؐ کی بیوی حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں ۔ اسی واسطے مسلمانوں کے ہاں حدیث میں ان کی بزرگی کا حال مذکور ہے اور لکھا ہے کہ عورتوں میں چار کا بہت بڑا رتبہ ہوا ہے ۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ ۔ عمران کی بیٹی حضرت مریمؑ جو حضرت عیسیٰؑ کی ماں تھیں، خویلد کی بیٹی حضرت خدیجہؓ حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ جو حضرت محمدؐ کے چچا ابوطالب کے بیٹے اور عمر میں نو برس کے تھے، مسلمان ہوئے اور جوانوں میں حضرت ابوبکرؓ نے جو قبیلۂ قریش میں ایک بڑے شریف اور نامی آدمی تھے ، اسلام اختیار کیا ان کے بعد حضرت عثمانؓ ابن عفان ، عبدالرحمانؓ ابن عوف ، سعدؓ ابن ابی وقاص ، زبیرؓ ابن العوام اور طلحہؓ ابن عبداللہ جو قریش میں بڑے شریف اور معزز سردار تھے ، مسلمان ہوئے اور پھر اور لوگ بھی اس دین میں شامل ہوتے گئے ۔

جب تک حضرت محمدؐ صرف مذہب اسلام کی خوبی اور بھلائی بیان کرتے رہے اور بتوں کی مذمت اور برائی کے درپے نہ ہوئے تب تک دین اسلام کے مخالف بھی ان سے سختی سے پیش نہ آئے اور طنز سے کہتے رہے کہ عبدالمطلب کا پوتا آسمانی خبریں دیتا ہے مگر جس وقت حضرت محمدؐ نے ان کے جھوٹے معبودوں کو الزام لگایا اور بتوں کے عیب نکالنے شروع کیے ، اس وقت سے قریش کے بت پرست اور قبائل عرب کے بڑے بڑے سردار حضرت محمدؐ اور ان کے اصحاب کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیف دینی شروع کی ۔

اس عرصے میں حضرت محمدؐ کے چچا جن کا نام حضرت حمزہؓ تھا ایمان لائے اور پھر حضرت عمرؓ ابن خطاب نے جو قوم قریش میں بڑے شریف اور زبردست سردار تھے، اسلام اختیار کیا ۔ اس سبب سے دین محمدی کو زیادہ قوت حاصل ہو گئی ۔ حضرت عمرؓ بہت شجاع اور جری اور عالم و فاضل تھے اور قریش لوگ بڑے بڑے کاموں میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ایسے امور میں ان کو اپنا پیشوا جانتے تھے، چنانچہ حضرت محمدؐ کے دفع کرنے میں جو انھوں نے مشورہ کیا تھا ، اس میں بھی حضرت عمرؓ ھی کو سب سے مقدم جانا تھا مگر وہ اپنی بہن سے سورہ طٰہٰ[1] سن کر بےتاب ھو گئے اور بولے ''جس خدا کا یہ کلام ھے ، لائق نہیں ھے کہ اس کی عبادت میں قصور کیا جائے'' اور فی الفور[2] کلمہ پڑھنے لگے ۔

پھر گردن میں تلوار ڈالے ھوئے حضرت محمدؐ کے پاس گئے۔ حضرت محمدؐ چالیس آدمیوں کے ساتھ صفا کے قریب کسی مکان میں بیٹھے ھوئے تھے ۔ انھوں نے صحن تک حضرت عمرؓ کا استقبال کیا اور معانقہ کر کے کہا ''اے عمرؓ ! کس ارادے سے آئے ھو ۔ کیا قیامت تک لڑتے ھی رھو گے ؟''

حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''اے رسول اللہ ! میں مسلمان ھونے اور خدا اور اس کے نبی پر ایمان لانے آیا ھوں''۔

یہ سن کر حضرت محمدؐ بہت خوش ھوئے اور حضرت عمرؓ کلمہ پڑھ کر مسلمان ھوئے اور اھل مجلس نے اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ اس کا غلغلہ مکّے والوں کے کان تک پہنچا ۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؐ سے کہا کہ یہ بات مناسب نہیں ھے کہ لات[3] اور منات کی تو ظاھر پرستش ھو اور اسلام

---

۱ - قرآن کی بیسویں سورۃ کا نام ھے ۔
۲ - بعض کہتے ھیں کہ ایک دفعہ حضرت محمدؐ نماز پڑھا رھے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے کھڑے ھو کر قرآن سنا اور اسلام اختیار کیا ۔
۳ - لات اور منات بتوں کے نام ھیں ۔

کا مذہب پوشیدہ رہے ۔ آپ بے کھٹکے باہر نکل کر لوگوں کو ہدایت کیجیے ۔

یہ سن کر حضرت محمدؐ اپنے اصحاب سمیت خانۂ کعبہ کی طرف چلے ۔ حضرت عمرؓ ننگی تلوار لیے ہوئے ان کے آگے بڑھے ۔ جب قریش نے حضرت عمرؓ کو دیکھا تو پوچھا ”تیرے پیچھے کیا ہے ؟“ انھوں نے کلمہ پڑھا اور کہا ”حضرت محمدؐ رسول اللہ ہیں ۔ جو کوئی تم میں سے بےجا حرکت کرے گا تو یہ تلوار ہے اور اس کا خون ہے “۔

حضرت محمدؐ نے اس روز دل جمعی سے کعبے کا طواف کیا اور نماز آشکارا پڑھی اور اسلام کو بہت قوّت حاصل ہوئی ۔ کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ الٰہی! عمرؓ ابن خطاب اور عمر ابن ہشام یعنی ابوجہل میں سے جو شخص تیرے نزدیک محبوب ہو ، اس سے اسلام کو عزت دے ۔ چنانچہ عمرؓ ابن خطاب مسلمان ہو گئے اور ابوجہل حالت کفر میں بدر[1] کی لڑائی میں مارا گیا ۔ اس وقت حضرت محمدؐ نے کہا ”خدا کا شکر ہے کہ اس امت کا فرعون مر گیا “۔

جب قریش نے حضرت محمدؐ کے اصحاب پر بہت ظلم کیا تو ان میں سے چند آدمی حضرت محمدؐ کے کہنے کے موافق مکّے سے ہجرت کر کے حبش میں نجاشی[2] بادشاہ کے پاس جو عیسائی تھا ، چلے گئے ۔

اُس نے ان کی بہت خاطر داری کی اور مکان اُترنے کو دیا مگر قریش نے بھی نجاشی کے پاس اپنے بڑے بڑے سردار بھیجے اور اس سے حضرت محمدؐ کے اصحاب کو مانگا ۔ نجاشی نے ان کی بات پر کچھ توجہ نہ کی اور ایک مسلمان بھی ان کے حوالے نہ کیا ۔ پھر قریش نے نجاشی کو کہلا بھیجا کہ آپ نے ان کو اپنے پاس تو رکھا ہے مگر اُن سے

---

۱ ۔ بدر ایک کوئیں کا نام ہے جو بدر ابن قریش نے کھدوایا تھا اور وہاں اسی نام کا ایک گاؤں بھی ہے ۔

۲ ۔ نجاشی حبشے کے بادشاہوں کا لقب تھا ۔

یہ دریافت کیجیے کہ یہ حضرت عیسیٰ[ع] کے باب میں کیا کہتے ہیں۔ نجاشی نے ان سے یہ بات پوچھی۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ جو خدا تعالیٰ[1] نے قرآن میں حضرت عیسیٰ[ع] کے حق فرمایا ہے، وہی ہم بھی کہتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ[ع] جو مریم[ع] کے بیٹے ہیں، خدا کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جنھیں مریم[ع] کو دیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ نجاشی نے یہ مضمون تسلیم کیا۔ القصہ کچھ عرصے تک مسلمان وہاں رہے اور پھر ان میں سے چند آدمی مکّے میں آ گئے۔

مسلمانوں کا بیان ہے کہ جب حضرت محمد[ص] کی نبوّت کا دسواں سال شروع ہوا، ابو طالب نے اس جہان سے انتقال کیا اور اسی میں آن کی بیوی حضرت خدیجہ[رض] بھی عالم عقبیٰ کو روانہ ہوئیں۔ ان حادثوں سے حضرت محمد[ص] کو غم پر غم ہوا اور اسی سبب سے اس برس کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہتے ہیں۔

حضرت محمد[ص] حج کے موسم میں قبائل عرب کے روبرو اچھی طرح ظاہر ہو کر وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور ہر ایک قبیلے کی طرف متوجہ ہو کر کہا کرتے تھے کہ اے لوگو! خدا کی اطاعت کرو اور اسے واحد جانو اور اپنے جھوٹے معبودوں کی عبادت سے باز آؤ۔

جب نبوّت کو گیارھواں سال شروع ہوا تو وہ اپنے دستور کے موافق قبائل عرب کے سامنے لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ اتفاقاً شہر یثرب[2] کے چھ آدمی جو قبیلۂ خزرج سے تھے، اس وقت حضرت محمد[ص] سے ملے۔ انھوں نے پہلے یہودیوں سے سنا تھا کہ ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کے ظہور کا وقت نزدیک آیا ہے۔ حضرت محمد[ص] کا کلام سنتے ہی بہت اعتقاد سے ایمان لائے اور پھر یثرب میں جا کر اس مذہب کی کیفیّت اور حضرت محمد[ص] کی حقیقت بیان کی اور دین اسلام کی مدد کرنے میں ساعی ہوئے اور اسی سبب سے یہ لوگ اور آور مدینے

---

۱ - چوتھی سورۃ کی ۱۶۹ آیت۔
۲ - یثرب وہی شہر ہے جس کو مدینہ کہتے ہیں۔

والے جنھوں نے حضرت محمدؐ کی مدد کی تھی ، انصار کہلاتے ھیں -

حضرت محمدؐ کی معراج کا بیان اھل اسلام کی کتابوں میں اس طرح لکھا ھے کہ نبوّت کے بارھویں سال ایک روز رات کے وقت حضرت جبرئیلؑ نے آ کر حضرت محمدؐ کو جگا دیا - وہ اُٹھ کر کعبے کی مسجد میں گئے اور وضو کر کے سات بار طواف کیا - پھر حضرت جبرئیلؑ ایک براق لائے اور حضرت محمدؐ کو اس پر بٹھا کر پہلے بیت المقدس کی طرف لے گئے - وھاں فرشتوں کی فوج حضرت محمدؐ کے استقبال کو کھڑی تھی - سب نے ادب سے سلام کیا - حضرت محمدؐ براق سے اُترے اور جس حلقے سے اور پیغمبر اپنی سواری کے جانور باندھا کرتے تھے ، اسی حلقے سے براق کو باندھ دیا اور مسجد میں نماز پڑھی -

پھر حضرت جبرئیلؑ حضرت محمدؐ کو آسمان پر لے گئے - وھاں انبیا سے ان کی ملاقات ھوئی اور سب نے خوش ھو کر تعظیم و تکریم کی - اس کے بعد بہشت اور دوزخ کو ملاحظہ کیا - جب اور بھی عروج پر پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ نے رخصت چاھی اور کہا آج میں تمھارے سبب سے یہاں تک بھی آیا اور اس سے آگے جانے کی مجھے مجال نہیں ھے :

اگر[1] یک سر موے برتر پرم　فروغ تجلّی بسوزد پرم

القصّہ حضرت محمدؐ خلوت گاہ خاص میں پہنچے اور نور الٰہی بخوبی مشاھدہ کیا - ھزاروں باریک نکتے معلوم ھوئے - تمام مطلب اور مقصد خاطر خواہ درست ھوئے - وھاں سے رخصت ھو کر بیت المقدس اور پھر خواب گاہ میں آئے -

اتفاقاً صبح کو ابوجہل سے ملاقات ھوئی اور اس سے معراج کا ذکر ھوا - ابوجہل نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا ''اگر آج اپنے یار کی باتیں سنو تو تعجب کرو - وہ کہتا ھے میں ایک رات میں بیت المقدس اور بڑے بڑے مقاموں میں ھو آیا '' حضرت ابوبکرؓ بولے ''میں حضرت محمدؐ کی نسبت اس سے بھی زیادہ باتوں کا اعتقاد رکھتا ھوں-

---

۱ - یعنی اگر ایک بال برابر آگے بڑھوں تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے-

اگر یہ امر پیش آیا تو کیا عجب ہے ؟" اسی روز سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدّیق ہوا اور وہ عالم میں خود بخود اس لقب سے مشہور ہو گئے ۔

جب قریش مسلمانوں کو بہت تکلیف دینے لگے اور ان کا ظلم حد سے زیادہ ہوا تو حضرت محمدؐ نے اپنے اصحاب کو مکّے سے ہجرت کرنے کی اجازت دی اور وہ ان کے ایما کے موافق مدینے کو چلے گئے ۔ پھر حضرت محمدؐ بھی مکّے سے ہجرت کر کے اپنے دوست حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے رستے کی مصیبتوں میں ان کا بہت ساتھ دیا ۔

کہتے ہیں کہ دونوں مکّے سے باہر آ کر ایک غار میں جس کا نام ثور تھا ، تین روز تک رہے اور خدا کی قدرت سے ایک مکڑی نے اس غار کے منہ پر جالا بنایا اور کبوتروں نے انڈے دیے ۔ جب دشمن انھیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچے تو یہ علامتیں دیکھ کر جان گئے کہ اس غار میں کوئی نہیں گیا ہوگا اور اس معجزے کے سبب سے حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ دشمنوں سے محفوظ رہے ۔

یہی ہجرت جو مکّے سے مدینے کی طرف ہوئی ، تاریخ[۱] اسلام کی ابتدا ہے اور اسی سے سنہ ہجری شمار کیا جاتا ہے ۔ اس وقت حضرت محمدؐ کی عمر ترپن برس کی تھی اور مسلمانوں کے ہاں لکھا ہے کہ آن کی نبوّت کو تیرہ برس گزرے تھے ۔

حضرت محمدؐ ابھی مدینے میں پہنچے بھی نہ تھے کہ بہت سے لوگ ان کے استقبال کو آئے اور نہایت تعظیم و تکریم سے شہر میں لے گئے ۔ حضرت محمدؐ نے ابو ایّوب انصاریؓ کے گھر میں قیام کیا اور پھر وہاں ایک مسجد بنوائی جسے مسجد نبوی کہتے ہیں اور مسجد اور گھر کے تعمیر ہونے تک وہ ابو ایّوبؓ ہی کے مکان میں رہے اور انھوں نے اپنے آل و عیال کو بھی مدینے میں بلوا لیا ۔

---

۱ - ۲۲ جون سنہ ۶۲۲ء ۔

مسلمانوں کی کتابوں سے دریافت ہوتا ہے کہ وہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے لیکن ماہ شعبان سنہ ہجری میں دوشنبے کے دن حضرت محمدؐ مسلمانوں کی جماعت کو ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ انھوں نے وحی الٰہی کے موافق دفعۃً کعبے کی طرف منہ کر لیا۔ اُن کے مقتدی بھی اُن کے ساتھ ہی پھر گئے اور اس وقت سے کعبہ نماز کا قبلہ مقرر ہوا۔

جب مہاجر[1] اور انصار لوگوں کے سبب سے اسلام کی بنیاد مستحکم ہو گئی تو حضرت محمدؐ نے بھی قریش سے انتقام لینے اور مذہب اسلام کے جاری کرنے میں نہایت کوشش کی اور کئی دفعہ مکّے کے قافلوں پر حملہ کرنے کے واسطے فوجیں بھیجیں۔

ماہ رمضان سنہ ۲ ہجری میں مسلمانوں اور قریش کے لوگوں میں بدر کی لڑائی ہوئی اور اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیانؓ ابن حرب قریش کے ایک قافلے کے ساتھ شام سے مکے کو جاتا تھا۔ جب بدر کے قریب پہنچا تو حضرت محمدؐ کو اس امر کی اطلاع ہوئی اور وہ تین سو تیرہ آدمی جس میں ستتّر مہاجر اور باقی انصار تھے اپنے ہمراہ لے کر بدر کی طرف گئے ابوسفیانؓ نے جھٹ ایک سوار مکّے کو روانہ کر کے قریش سے مدد چاہی۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اس کی کمک کے واسطے روانہ ہوئے اور ابوسفیانؓ کے پاس نو سو پچاس سپاہی اکٹھے ہو گئے۔

جب حضرت محمدؐ بدر پر گئے تو اصحاب نے دھوپ کی محافظت کے لیے ان کے واسطے لکڑیوں کا ایک سایہ دار مکان بنا دیا اور حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں مسلّح اس جگہ ٹھہرے۔ اس وقت حضرت محمدؐ نے قوم قریش کو دیکھ کر جناب باری میں دعا کی کہ یا الٰہی! یہ قوم فخر اور غرور سے آئی ہے۔ تو نے میری فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اب مدد بھیج!

---

۱ - جو لوگ حضرت محمدؐ کی رفاقت میں مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آئے تھے وہ مہاجر کہلاتے ہیں۔

حضرت محمدؐ دعا ھی میں مشغول تھے کہ قریش کے لوگ بہت نزدیک آ پہنچے اور لڑائی شروع ھو گئی ۔ جب قریش نے غلبہ کر کے اس مکان کو جہاں حضرت محمدؐ تھےؐ آ گھیرا تو وہ دفعۃً ھوشیار ھو کر حضرت ابوبکرؓ کی طرف مخاطب ھوئے کہ اے ابوبکرؓ اب اللہ تعالیٰ کی مدد آئی اور یہ کہ کر آگے بڑھے اور لوگوں کو لڑائی پر برانگیختہ کیا۔ پھر کنکروں کی ایک مٹھی دشمنوں کی طرف پھینکی ۔ فوراً تمام دشمن پریشان ھو کر بھاگے اور بہتیرے مارے گئے ۔ مسلمانوں نے ان کا تمام مال و متاع لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لیا ۔

اھل اسلام کی کتابوں میں لکھا ھے کہ اس لڑائی میں فرشتوں نے حضرت محمدؐ کی مدد کی اور جس وقت حضرت محمدؐ نے کنکروں کی مٹھی ان کی طرف پھینکی تو کوئی کافر باقی نہ رھا جس کی آنکھوں اور ناک کے نتھنوں میں کنکر نہ بھر گئے ھوں اور حضرت محمدؐ نے حنین[1] کی لڑائی میں بھی جو سنہ ۸ ھجری میں ھوئی تھی ، یہ عمل کیا تھا ۔

سنہ ۳ ھجری میں قوم قریش سے مقام اُحد[2] پر ایک اور لڑائی ھوئی اور اگرچہ اس لڑائی میں قریش کو غلبہ رھا مگر پھر بھی حضرت محمدؐ کی طاقت روز بروز زیادہ ھوتی گئی اور انھوں نے اسلام کے پھیلانے کے واسطے جا بجا فوجیں بھیجنی شروع کیں ۔ بعض یہودیوں کو بھی مدینے سے نکال دیا اور اس قوم کے آٹھ سو آدمی قتل ھوئے ۔ ان کی عورتیں اور بال بچے گرفتار ھوئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ مکّے والوں ـ بڑا لشکر لے کر مدینے کا محاصرہ کیا تھا ، اس وقت ان لوگوں نے بھی ان سے سازش کر لی تھی ۔

سنہ ۵ ھجری میں حضرت محمدؐ نے حضرت زینبؓ بنت حجش سے نکاح کیا ۔ یہ عورت پہلے زید ابن حارثہ سے جو حضرت محمدؐ کا آزاد کیا ھوا غلام اور ان کا متبنّیٰ تھا ، بیاھی گئی تھی، مگر پھر زید نے اسے طلاق

---

۱ ۔ حنین مکے اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ھے ۔
۲ ۔ اُحد مدینے کے پاس ایک پہاڑ کا نام ھے ۔

دے دی اور طلاق کے بعد حضرت محمدؐ نے اس سے نکاح کر لیا اور اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے ۔

سنہ ۶ ھجری میں قریش نے حضرت محمدؐ سے صلح کر لی اور دس برس کے واسطے صلح نامہ لکھا گیا ۔

سنہ ۷ ھجری میں حضرت محمدؐ نے مصر اور حبشہ اور آور ملکوں کے بادشاھوں کے پاس قاصد اور نامے بھیجے اور ان میں سے بعض نے اسلام اختیار کیا اور حضرت محمدؐ کا دین دور دور پھیل گیا ۔

۸ ھجری میں حضرت محمدؐ اور قریش کی صلح کا عہد قریش کی طرف سے ٹوٹ گیا اور اگرچہ انھیں اپنی عہد شکنی سے ندامت ہوئی اور ابوسفیانؓ دوبارہ صلح نامہ مرتب کرانے مدینے میں آئے مگر یہ امر کچھ فائدہ مند نہ ھوا اور وہ اُلٹے مکّے کو چلے گئے ۔

ان کے جانے کے بعد ماہ رمضان میں حضرت محمدؐ مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کو ساتھ لے کر مکّے پر چڑھ گئے اور اس وقت اُن کے ساتھ دس ھزار آدمی تھے ۔ جب یہ لوگ مکے کے پاس پہنچے تو حضرت عباسؓ لشکر سے باھر نکلے تا کہ کسی پھرتے چلتے سے حضرت محمدؐ کے آنے کی خبر قریش سے کہلا بھیجیں اور قریش حضرت محمدؐ کے پاس آ کر امن کے خواھاں ھوں ورنہ سب مارے جائیں گے ۔

اتنے میں ابوسفیانؓ سے جو جاسوسی کو آئے ھوئے تھے ، ان کی ملاقات ھوئی ۔ وہ پہلے ھی اس عظیم‌الشان اور مسلّح لشکر کو دیکھ کر گھبرا رھے تھے ۔ بولے کہ میں اپنی نجات کی کیا تدبیر کروں ؟ حضرت عباسؓ نے کہا ”تو میرے ساتھ حضرت محمدؐ کے پاس چل ، میں تیری مخلصی کے باب میں کوشش کروں گا “۔

ابوسفیانؓ ان کے ساتھ حضرت محمدؐ کے لشکر میں آئے ۔ جوں ھی حضرت عمرؓ کے خیمے کے برابر پہنچے ، انھوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو پہچانا اور تلوار کھینچ کر باھر آئے ۔ حضرت عباسؓ بہت جلد انھیں حضرت محمدؐ کے پاس لے پہنچے اور کہا ” میں اسے امان دے کر لایا ھوں “۔ حضرت عمرؓ اس وقت چپکے ھو رھے اور دوسرے دن صبح کو ابوسفیانؓ

نے اسلام اختیار کیا ۔ حضرت عباسؓ نے حضرت محمدؐ سے آن کی سفارش کی اور کہا کہ ابوسفیانؓ عزت طلب اور جاہ دوست ھے ۔ اس پر کچھ ایسی مہربانی کیجیے کہ وہ اپنے ھمچشموں میں ممتاز ھو ۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ جو کوئی ھمارے لشکر کے داخل ھونے کے وقت کعبے کی مسجد یا ابوسفیانؓ کے گھر میں ٹھہرے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا ، اسے امن دیا جائے گا ۔

القصّہ حضرت ابوسفیانؓ نے پہلے ھی سے آ کر مکّے والوں کو اس امر کی اطلاع دی اور اس کے بعد حضرت محمدؐ اپنے لشکر سمیت مکّے میں داخل ھوئے اور تمام شہر کو فتح کر کے اپنے قبضے میں لائے۔ پھر حضرت خالدؓ ابن ولید کو بیس سواروں کے ساتھ بھیج کر بت خانۂ عزّیٰ کی عزت کھوئی اور بت خانہ سُواع اور لات و منات[1] کو بھی توڑا اور ھزاروں آدمی ایمان لائے ۔ مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ھے کہ کعبے کے گرد و پیش تین سو ساٹھ بت تھے ۔ حضرت محمدؐ ان کی طرف لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور قرآن کا ایک فقرہ[2] پڑھتے جاتے تھے جس کا ترجمہ یہ ھے : ''حق ظاھر ھوا اور باطل جاتا رھا''۔ وہ بت خود بخود سرنگوں ھو کر گرتے جاتے تھے ۔

حضرت محمدؐ نے مکّے کو فتح کر کے اپنی فوج اور مکّے کے دو ھزار سپاھی سے قوم ھوازن کو مقام حنین پر شکست دی اور اور پھر شہر طوائف کو گھیر لیا مگر یہ شہر اس وقت فتح نہ ھوا ، تھوڑے عرصے کے بعد مغلوب ھوا ۔

جب حضرت محمدؐ پھر مدینے میں آئے تو ان کے پاس تمام قبائل عرب کی طرف سے وکیل آنے شروع ھوئے اور انھوں نے ھر ایک قبیلے کی طرف سے سلام کے بعد اسلام کی تسلیم کا پیام دیا اور دین محمدی کی کمال ترقی ھوئی ۔

---

۱ - یہ سبّب بتوں کے نام ھیں ۔
۲ - سترھویں سورت کی ۸۱ آیت ۔

۱۰ هجری میں حضرت محمدؐ نے آخری حج کیا اور لوگوں کو حج کے مناسک[1] اور اور ضروری باتوں سے خوب آگاہ کیا ۔ پھر فارغ ہو کر مدینے میں آ گئے۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ھیں کیوں کہ حضرت محمدؐ نے اس کے بعد اور کوئی حج نہیں کیا ۔

اھل اسلام کی کتابوں میں لکھا ھے کہ جب حضرت محمدؐ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو سب سے آخر میں قرآن کی ایک آیت[2] نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ھے ''آج کے دن میں نے تمھارا دین کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمھارے واسطے دین اسلام پسند کیا ''۔

حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ یہ آیت حضرت محمدؐ کی وفات کی خبر دیتی ھے اور اس کے سننے سے ان کو بہت رنج ھوا ۔

آخر ماہ صفر سنہ ۱۱ ھ میں حضرت محمدؐ بیمار ھوئے اور حالت مرض میں انھوں نے سب لوگوں کو احکام الٰہی کے پابند رھنے کی وصیّت کی اور یہ بھی ذکر کیا کہ اگر مجھ پر کسی کا کچھ حق ھو یا میں نے کسی کو برا بھلا کہا ھو تو وہ اس وقت مجھ سے انتقام لے اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ تم بہشت میں عورتوں کی سردار ھوگی اور میرے اھل بیت میں سب سے پہلے تم ھی مجھ سے ملو گی ۔

حضرت محمدؐ اپنی بیماری میں بھی آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے رھے مگر جب ان کی عمر کے تین دن باقی رھے تو انھوں نے یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کیا اور لوگوں کو وصیّت کی کہ ابوبکرؓ کو اپنا امام بناؤ ۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت محمدؐ کی جگہ خالی دیکھ کر نہایت غمگین ھوئے مگر حضرت محمدؐ کے کہنے سے انھوں نے امامت کی اور حضرت محمدؐ کو اس امر سے بہت خوشنودی حاصل ھوئی ۔ مسلمان جو

---

۱ - مناسک اصل میں حج کرنے والوں کی عبادت گاھوں کو کہتے ھیں اور مجازاً حج کے اعمال پر بھی اس کا اطلاق آتا ھے ۔
۲ - پانچویں سورت کی پانچویں آیت ۔

اہل سُنّت[1] یا سُنّی کہلاتے ہیں ان کا یہی مقولہ ہے۔

اہل اسلام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت محمدؐ سے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تمھارا دل دنیا میں رہنے کو راغب ہے تو جب تک چاھو، رھو، ورنہ میں تمھارا مشتاق ہوں۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ تم مجھے میرے رفیق کے پاس جو سب میں اعلیٰ ہے، پہنچا دو۔ پھر ملک الموت آ کر ادب سے دروازے پر کھڑے ہوئے اور حضرت محمدؐ کی اجازت سے مکان کے اندر گئے۔ اتنے میں پھر حضرت جبرئیلؑ آئے اور حضرت محمدؐ نے ان سے بہت سی باتیں کیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اب دنیا میں وحی پہنچانے کے واسطے میرا آنا نہیں ہونے کا۔ میں تمھارے ھی واسطے آیا کرتا تھا۔ یہ کہہ کر سلام کیا اور رخصت ہوئے۔ اس کے بعد حضرت محمدؐ نے ملک الموت کو روح قبض کرنے کی اجازت دی اور اُس نے اپنا کام تمام کیا۔ پھر تجہیز و تکفین کر کے انھیں حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن کر دیا۔ یہ حادثہ ماہ ربیع الاوّل سنہ ١١ ھجری میں واقع ھوا اور اس وقت حضرت محمدؐ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔

مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف جو حضرت محمدؐ کے وقت میں نازل ھوا تھا، سب کا سب ایک ھی دفعہ نہیں اُترا بلکہ وحی کے ذریعے سے مختلف موقعوں پر مختلف آیتیں اور سورتیں نازل ھوئیں۔

جن آیتوں اور سورتوں کی نسبت مسلمانوں کا یہ قول ہے کہ حضرت محمدؐ کی نبوّت کی ابتدا میں شہر مکّے میں اُتریں، اُن میں ویسی ھی نصیحتیں ھیں، جیسی انجیل میں ھیں اور مذھب اسلام کے مخالفوں کی نسبت کسی طرح کا تشدّد نہیں ہے مگر جب حضرت محمدؐ کی طاقت زیادہ ھوگئی اور اِن لوگوں نے دین اسلام اختیار نہ کیا اور مقابلے سے پیش آئے تو قرآن شریف کے اس حصے میں جس کا نازل ھونا مدینے میں بیان کرتے ھیں، ان کی نسبت تشدّد کے احکام جاری ھوئے۔

---

١ - اسی فصل میں حضرت علیؓ کا بیان دیکھو۔

حضرت محمدؐ کے بعد ان کے چار خلیفے حضرت ابوبکرؓ ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بڑے نامور ہوئے اور انھوں نے دین اسلام کے جاری کرنے میں نہایت کوشش کی اور بہت سے ملک فتح کیے - یہ چاروں خلیفے قوم قریش کے شریفوں میں سے تھے اور ہم جد ہونے کے سبب سے حضرت محمدؐ سے رشتہ بھی رکھتے تھے اور حضرت علیؓ تو حضرت محمدؐ کے چچا ابوطالب ھی کے بیٹے تھے - اس رشتے کے علاوہ ان کا اور حضرت محمدؐ کا اور بھی رشتہ تھا - چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ حضرت محمدؐ سے بیاھی ھوئی تھیں اور حضرت عثمانؓ سے حضرت محمدؐ نے اپنی بیٹی حضرت رقیہؓ کا نکاح کیا تھا - جب انھوں نے وفات پائی تو اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کر دیا اور اسی سبب سے حضرت عثمانؓ کو ذوالنّورین کہتے ھیں - جب حضرت اُم کلثومؓ بھی اس دنیا سے رخصت ھوئیں تو حضرت محمدؐ نے کہا "اگر میری تیسری بیٹی ھوتی تو میں اُسے بھی عثمانؓ ھی کو دیتا" اور حضرت علیؓ سے حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح ھوا تھا اور پھر حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی بیٹی حضرت اُم کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئی تھیں - سُنّی مسلمانوں کی کتابوں میں حضرت محمدؐ کے تمام اصحاب خصوصاً ان چاروں کی بہت سی فضیلتیں اور کرامتیں لکھی ھوئی ھیں -

حضرت ابوبکرؓ

حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکرؓ اور لقب صدّیق اور ان کے باپ کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ ھے - وہ حضرت محمدؐ کے بعد پہلے خلیفہ ھوئے اور لوگوں نے ان کی بیعت اختیار کی - سُنّیوں کی کتابوں میں لکھا ھے کہ جب حضرت ابوبکرؓ مسلمان ھوئے تو انھوں نے اپنا تمام مال و متاع خدا کی راہ میں صرف کیا اور حضرت محمدؐ نے کہا ھے کہ کسی کے مال نے مجھے ایسا نفع نہیں دیا" جیسا ابوبکرؓ کے مال نے - علاوہ اس کے ان کی کتابوں میں مذکور ھے کہ

حضرت ابوبکرؓ میں کئی فضیلتیں ایسی تھیں کہ وہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں چنانچہ انھوں نے بارہا تنہا حضرت محمدؐ کا ساتھ دیا ۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں دین محمدی کی ترقی میں بہت تدبیریں کیں اور جا بجا لشکر بھیج کر یہ مذہب جاری کیا اور جو لوگ حضرت محمدؐ کے بعد مذہب اسلام سے پھرنا چاہتے تھے ، انھیں اس ارادے سے باز رکھا ۔ حضرت ابوبکرؓ دو برس تین مہینے خلیفہ رہے اور تئیسویں جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں تریسٹھ برس کی عمر میں عالم عقبیٰ کو روانہ ہوئے اور حضرت عائشہؓ کے حجرے میں حضرت محمدؐ کے پہلو میں دفن کیے گئے ۔

جب حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بہت سے حافظ لڑائیوں میں کام آئے تو انھوں نے قرآن کو لوگوں کی زبانی یادداشت اور متفرّق تحریروں کی مدد سے جمع کیا اور اس کی ایک نقل حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ کے گھر میں رکھی ۔

حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ ابن خطاب کی کنیت ابو حفص اور لقب امیرالمومنین[1] اور فاروق[2] ہے ۔ سُنّیوں کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی فضیلت اور زہد اور تواضع اور عدل اور انصاف اور شجاعت کی بہت سی تعریف لکھی ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت محمدؐ نے اُن کے باب میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر حق حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر مقرّر کر دیا ہے ۔

حضرت عمرؓ بہت سی لڑائیوں میں حضرت محمدؐ کے ساتھ رہے اور انھوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں چار ہزار مسجدیں بنائیں اور بہت

---

۱ - امیرؑالمومنین پہلے پہل حضرت عمرؓ کا لقب ہوا تھا اور پھر اور بھی اس لقب سے معروف ہوئے ۔

۲ - یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا ۔

سے ملک اور شہر فتح کیے ۔ وہ باوجود ایسی بڑی سلطنت اور ریاست کے اپنی وضع اور تواضع میں کچھ فرق نہ لائے اور شجاعت کے سبب سے بغیر چوکی پہرے اور چوبدار کے پھرا کرتے تھے ۔

سنہ ۲۳ھ کے آخر میں ایک روز حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ مغیرہ ابن شعبہ کے ایک عجمی غلام نے جس کا نام فیروز اور کنیت ابو لولو تھی ، ان کو ایک زہر کا بجھا ہوا خنجر مارا اور انھوں نے اسی صدمے سے تریسٹھ برس کی عمر میں سلخ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ میں وفات پائی ۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ساڑھے دس برس رہی اور وہ حضرت عائشہؓ کی اجازت سے حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس مدفون ہوئے ۔

حضرت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ ابن عفان کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب ذوالنّورین ہے۔ وہ ماہ محرّم سنہ ۲۴ھ میں تخت خلافت پر مسند نشین ہوئے ۔ حضرت عثمانؓ بہت خوش حال اور فارغ البال تھے ۔ ان کے زمانے میں بھی بہت سے شہر فتح ہوئے ۔ وہ اکثر رات بھر قرآن پڑھا کرتے تھے اور بڑے عابد اور صائم الدہر[1] اور حیا اور کرم و بخشش میں مصروف تھے اور سُنّیوں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت محمدؐ نے ان کی نسبت کہا ہے کہ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں ۔

سنہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کو خبر پہنچی کہ قرآن کے باب میں لوگوں کی رائے کچھ مختلف ہے ۔ اہل عراق کہتے ہیں ، ہمارا قرآن صحیح ہے اور اہل شام اپنا قرآن صحیح بتاتے ہیں اور اسی طرح اور ملکوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے ۔ حضرت عثمانؓ نے اس امر میں بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ کیا اور سب کی صلاح سے اس قرآن پر

---

۱ - ہمیشہ روزے رکھنے والا ۔

جو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ کے گھر میں رکھا تھا، نظر ثانی کی اور جن لفظوں میں اختلاف تھا، ان کا تلفظ قریش کی بولی کے موافق رکھا، کیوں کہ اہل اسلام قرآن کا قریش ہی کی بولی میں نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ آخر سب کی رائے سے یہی قرآن جاری کرایا اور کاتبوں سے اس کی نقلیں کرا کر جابجا بھجوا دیں۔ اسی سبب سے حضرت عثمانؓ کا لقب جامع القرآن مشہور ہوا۔

اٹھارھویں ذی الحجہ سنہ ۳۵ ہجری میں مصر کے چند مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کا گھر گھیر لیا اور ہمسایے کے کوٹھے پر سے ان کے مکان میں کود کر ان کو قتل کیا۔ ان کی عمر بیاسی برس کی ہوئی اور خلافت بارہ برس رہی۔

حضرت علیؓ

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی کنیت ابوالحسن اور لقب مرتضیٰ اور اسد اللہ ہے۔ مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ شجاعت اور سخاوت اور نفس کشی اور اور بہت سی فضیلتوں میں کامل تھے اور انھوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ اکثر امور مشاہدہ کیے تھے اور حضرت محمدؐ نے حضرت علیؓ سے کہا ہے کہ تمھارا رتبہ میرے نزدیک ایسا ہے، جیسے حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰؑ کے نزدیک یعنی جیسے حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے، ویسے ہی تم میرے بھائی ہو۔

حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے اور حضرت ابوسفیانؓ کے بیٹے معاویہؓ کے برگشتہ ہونے سے حضرت علیؓ کی خلافت میں بڑے بڑے جھگڑے اور فساد برپا رہے اور وہ انھیں مصیبتوں میں مبتلا رہے۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ مسجد میں نماز کو جاتے تھے کہ وہاں ایک شخص نے جو ستون کی اوٹ میں چھپا کھڑا تھا، زہر آلودہ تلوار ان کے سر پر ماری اور انھوں نے اسی صدمے سے انیسویں ماہ رمضان

سنہ ۴۰ ہجری کو تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی اور ان کی خلافت کا زمانہ چار برس نو مہینے ہے ۔

اس وقت سے مسلمانوں کے دو فرقے سُنّی اور شیعہ سے نامزد ہو گئے ۔ لفظ سُنّی منسوب ہے سنّت کی طرف اور سنت کے معنی طریق کے ہیں اور طریق سے طریق نبوی مراد ہے ۔ جو لوگ اپنے تئیں سُنّی یا اہل سنّت بتاتے ہیں ، وہ چاروں خلفا کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے ہیں ، کسی کو بُرا نہیں کہتے اور بیان کرتے ہیں کہ خلافت کی ترتیب جس طرح واقع ہوئی ، بجا اور درست اور خدا اور رسولؐ کی مرضی کے موافق ہوئی ۔ لفظ شیعہ کے معنی گروہ کے ہیں اور گروہ سے مراد حضرت علیؓ کا گروہ ہے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تینوں خلفا کو بُرا کہتے ہیں اور حضرت محمدؐ کے بعد حضرت علیؓ کو حق دار بتاتے ہیں ۔ اس واسطے اس فرقے نے اپنا نام شیعہ علیؓ یعنی حضرت علیؓ کا گروہ قرار دیا ہے ۔ تمام رومی ، مصری ، عربی اور ہندوستان کے اکثر مسلمان سُنّی ہیں ، ایرانی اور بہت سے تاتاری اور ہندوستان کے بعض مسلمان شیعہ ہیں ۔

شیعہ لوگوں کے عقیدے کے موافق امام بارہ ہوئے ہیں اور ان میں سے حضرت علیؓ پہلے ، حضرت حسنؓ دوسرے اور حضرت حسینؓ تیسرے ہیں اور نو امام اور ہیں اور اس فرقے کا مقولہ ہے کہ بارھویں امام زندہ ہیں اور وہی قیامت کے قریب امام مہدی کے نام سے لوگوں کی نظروں میں ظاہر ہو جائیں گے ۔ حضرت علیؓ کے بعد بھی کچھ فساد قائم رہا اور انجام کار ان کے دو بیٹوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو یزید ابن معاویہ نے جو اپنے باپ کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا تھا ، بڑی بےرحمی سے مروا ڈالا ۔ یہ دونوں حضرت محمدؐ کے نواسے تھے مگر حضرت محمدؐ نے ان دونوں کو متبنّیٰ کر لیا تھا اور وہ انھیں بہت چاہتے تھے اور مسلمانوں کی کتابوں میں ان کی بہت سی فضیلتیں مذکور ہیں چنانچہ ابن عساکر کی روایت میں عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت محمدؐ نے کہا کہ جس شخص نے حسنؓ اور حسینؓ سے محبّت کی ،

اس نے مجھ سے محبّت کی اور جس نے ان دونوں سے بُغض کیا ، اس نے مجھ سے بُغض کیا اور حضرت محمدؐ نے یہ بھی کہا ھے کہ حسنؓ اور حسین دونوں بہشت کے جوانوں کے سردار ھیں -

حضرت امام حسنؓ

حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمدؐ اور لقب مجتبیٰ اور سبط اکبر ہے اور اھل اسلام کی کتابوں میں لکھا ھے کہ وہ نہایت کریم ، رحیم ، زاھد ، عابد ، سخی اور با وقار تھے اور انھوں نے دو دفعہ اپنا سارا مال اور تین دفعہ آدھا راہ خدا میں دے ڈالا - جب آن کی عمر پینتیس برس کئی مہینے کی ھوئی تو یزید نے مدینے میں آن کو زھر دلوا دیا اور یہ معاملہ ماہ ربیع الاول سنہ ۴۹ھ میں واقع ھوا -

حضرت امام حسینؓ

حضرت امام حسینؓ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سیّد الشہدا اور سبط اصغر ہے اور ان کا قصہ نہایت درد انگیز ھے - وہ اور ان کے مددگار بڑی بہادری سے مقام طف میں جسے اب کربلا کہتے ھیں ، پیاسے العطش کہتے ھوئے شہید ھوئے -

حضرت امام حسینؓ کے ساتھ آن کے رشتہ دار اور اصحاب اور غلام صرف بیاسی تھے اور مخالفوں کی تعداد بائیس ھزار تھی - علاوہ اس کے ان لوگوں نے دریائے فرات پر بھی جو میدان جنگ کے قریب واقع تھا، اپنا قبضہ کر لیا تھا اور حضرت امام حسینؓ اور ان کے ھمراھیوں میں سے کسی کو پانی کا ایک قطرہ نہ پینے دیتے تھے - یہاں تک کہ جب حضرت امام حسینؓ اپنے چھوٹے بیٹے علی اصغر کو جو شیر خوّار تھے، دشمنوں کے سامنے لا کر ان کے واسطے پانی مانگنے لگے تو انھوں نے پانی کے عوض تیروں کی بوچھاڑ کی اور وہ معصوم آب پیکاں سے سیراب ھو کر باپ ھی کی گود میں گزر گئے -

حضرت امام حسین رض اور ان کے مددگاروں نے ہزاروں مخالفوں کو کو مار کر وفات پائی اور یہ حادثہ جمعے کے روز عاشورے کے دن یعنی دسویں محرّم سنہ ۶۱ ھ کو واقع ہوا ۔ حضرت امام حسین رض کی عمر پچپن برس کئی مہینے ہوئی ۔

مسلمانوں کے ہاں جو محرّم کی مشہور تقریب ہوتی ہے ، اس میں وہ لوگ حضرت امام حسن رض اور حضرت امام حسین رض کا نہایت غم و الم رکھتے ہیں اور کربلا کے تمام شہیدوں اور اہل بیت کی تکلیفوں کو یاد کر کے بہت حسرت و افسوس کرتے ہیں ۔

اہل اسلام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت محمد ؐ نے پہلے ہی اس واقعے کی خبر دی تھی ۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت عائشہ رض سے روایت لکھی ہے کہ حضرت محمد ؐ نے بیان کیا کہ مجھے جبرئیل ؑ نے اس امر کی اطلاع دی کہ میرا لڑکا زمین طف یعنی کربلا میں شہید ہوگا اور جبرئیل ؑ نے اس مقام کی مٹی بھی مجھے لا کر دکھا دی اور ابو نعیم نے حضرت سلمیٰ رض سے روایت لکھی ہے کہ ایک دن حسن رض اور حسین رض دونوں میرے گھر میں کھیلتے تھے کہ اتنے میں حضرت جبرئیل ؑ آئے اور حسین رض کی طرف اشارہ کر کے کہا ”اے محمد ؐ ! بے شک تیری امّت اس لڑکے کو شہید کرے گی“ اور تھوری سی مٹی حضرت محمد ؐ کو لا دی ۔ حضرت محمد ؐ نے اسے سونگھا اور کہا کہ اس خاک میں سے کرب و بلا کی بو آتی ہے ۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولے ”اے ام سلمہ ! جب یہ خاک خون ہو جائے تو جان لینا کہ حسین رض شہید ہوگئے“ ۔ چنانچہ امسلمہ رض نے وہ خاک ایک شیشے میں رکھ چھوڑی اور حضرت امام حسین رض کی شہادت کے وقت وہ زندہ تھیں ۔ اُن کا بیان ہے کہ عاشورے کے دن جو میں نے اس خاک کو دیکھا تو وہ خون تھی اوراس کے کنکروں سے خون جاری تھا ۔

کہتے ہیں تھوڑے عرصے میں حضرت امام حسین رض کے خون کا انتقام خوب طرح سے ہوا، چنانچہ کتاب صواعق محرقہ میں حضرت زہری سے روایت

کی گئی ہے کہ جتنے آدمی اس خون ناحق میں شریک تھے، عذاب میں گرفتار ہوئے یا قتل ہوئے یا اندھے ہوئے یا اُن کی حکومت و سلطنت تھوڑے دنوں میں خاک میں مل گئی۔

یزید بھی ماہ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ میں اڑتیس برس کی عمر میں بہت بُری حالت سے عالم آخرت کو روانہ ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید ابن معاویہ جو پہلے سے ولی عہد تھا تخت نشین ہوا۔ اس نے منبر پر چڑھ کر مسلمانوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور بیان کیا کہ میرے باپ نے رسول ؐ کی اولاد کو ناحق قتل کیا اور طرح طرح کی بے ادبیاں کیں۔ میرے آگے اس سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں۔ میں اسے پسند نہیں کرتا اور نہ مجھے کوئی شخص مثل حضرت عمرؓ ابن خطاب کے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خلیفہ بناؤں میں نے اپنی بیعت سے سب کو آزاد کیا۔ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو، خلیفہ بنا لو۔ یہ کہہ کر منبر سے اترا اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو کر تمام عمر خدا کی عبادت میں مصروف رہا اور اس واقعے کے چند روز بعد اکیس برس کی عمر میں دنیا سے کوچ کر گیا۔

مسلمانوں کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے شہید ہونے کے بعد بھی ایسی کرامتیں اور علامتیں ظاہر ہوئیں جن سے لوگوں کو اچھی طرح عبرت ہو اور اور درگاہ الٰہی میں ان کا قرب بخوبی ظاہر ہو جائے، چنانچہ کتاب صواعق محرکہ اور آور کتابوں میں اس مضمون کی بہت سی حدیثیں لکھی ہیں اور ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں دمشق میں تھا کہ حضرت امام حسینؓ کا سر وہاں گیا اور اس کے آگے ایک شخص سورۂ کہف[1] پڑھ رہا تھا۔ جب اس آیت[2] پر پہنچا، جس کا مضمون یہ ہے: کیا تو گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف[3] و رقیم کا قصہ ہمارے نشانوں میں سے کچھ

---

۱ - قران کی اٹھارھویں سورت کا نام ہے۔
۲ - آٹھویں آیت۔
۳ - اصحاب کہف و رقیم کا حال اسی فصل میں حضرت عیسیٰؑ کے بیان میں لکھا ہے۔

تعجب کا نشان ہے ۔

اس وقت بہت فصاحت اور بلاغت سے اس سر میں سے آواز آئی جس کا ترجمہ یہ ہے : میرے قتل کرنے اور نیزے پر اٹھانے کا قصہ اس سے بھی عجیب ہے ۔

دوسری فصل

مسلمانوں کے عقاید و اعمال

اسلام پانچ باتوں پر مبنی ہے : اوّل اس امر کی گواهی دینی که خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے ، دوسرے نماز پڑھنی ، تیسرے زکٰوۃ دینی ، چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنے ، پانچویں حج کرنا ۔ چنانچہ کتاب مشکٰوۃ المصابیح میں ابن عمر کی روایت سے اسلام کی بنیاد انھیں پانچوں باتوں پر لکھی ہے ۔

مسلمانوں کے ہاں ایمان سب نیکیوں کا مدار اور تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور اس کا بڑا رکن یہ ہے کہ جو باتیں حضرت محمدؐ نے بیان کی ہیں ، اُن پر صدق دل سے اعتبار کرے اور زبان سے اقرار کرنا ۔ دنیا میں اسلام کے حکموں کے جاری ہونے کی شرط ہے ، اسی واسطے مسلمانوں کے ہاں مومن حقیقی ہونے کے واسطے صدق دل سے اعتقاد کرنا تو لازم ہی ہے مگر زبان سے اقرار کرنا بھی ضرور ہے ۔

مسلمان یقین جانتے ہیں کہ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے ، کوئی اس کا شریک نہیں ، وہ سب عیبوں سے بری ہے ۔ تمام چیزیں اُسی کے اختیار میں ہیں ، کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا ۔ قادر مطلق اور خالق حقیقی وہی ہے ، فرشتے بھی اس کے بندے ہیں ، وہ گناہ سے پاک ہیں ، نور سے اُن کی پیدائش ہے ، جس جس کام پر خدا نے اُنھیں مقرر کر دیا ، بے عذر اُس کی تعمیل کرتے ہیں اور کھاتے پیتے کچھ نہیں ، خدا کی بندگی اُن کی زندگی ہے ۔ اُن میں سے چار بڑے مشہور ہیں : حضرت جبرئیلؑ جو آسمانی صحیفے اور خدا کے پیغام پیغمبروں کے پاس لایا کرتے تھے ۔ حضرت میکائیلؑ جن کو بندوں کے واسطے روزی

پہنچانے اور آور اسی قسم کے کاموں کا اہتمام سپرد ہے - حضرت اسرافیلؑ جو صور[1] منہ میں لیے ہوئے حکم الٰہی کے منتظر ہیں اور قیامت کے دن پھونکیں گے - حضرت عزرائیلؑ جن کو روحوں کو قبض کرنے کی خدمت دی گئی ہے -

اہل اسلام اس امر کے معتقد ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو نبی پیدا کیے ہیں، سب برحق اور گناہ سے بری ہیں اور جو جو معجزے انھیں عنایت ہوئے اور جو جو صحیفے اُن پر نازل ہوئے، بجا اور درست ہیں - انبیا کو تمام مخلوقات پر فضیلت ہے اور سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں - اُن کے بعد اُن کی اولاد میں سے آور بہت سے نبی ہوئے اور حضرت محمدؐ پر نبوّت ختم ہو گئی اور وہ سب پیغمبروں کے سردار اور تمام مخلوقات میں افضل ہیں- خدا کی طرف سے جو پیغمبروں پر صحیفے نازل ہوئے ہیں ایک[2] سو چار ہیں اور اُن کی ترتیب یہ ہے : حضرت آدمؑ پر دس، حضرت شیثؑ پر پچاس، حضرت ادریسؑ پر تیس، حضرت ابراہیمؑ پر دس، حضرت موسیٰؑ پر ایک جسے توریت کہتے ہیں، حضرت داؤدؑ پر ایک جو زبور مشہور ہے، حضرت عیسیٰؑ پر ایک جو انجیل سے نامزد ہے، حضرت محمدؐ پر ایک جس کا نام قرآن شریف یا فرقان مجید ہے -

مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو امر شرع محمّدی کے موافق ہے، بجا ہے اور قرآن اور حدیث میں جو جو اگلے پچھلے حال لکھے ہیں، سب درست ہیں - حضرت محمدؐ کے صحابہ اور اہل بیت کی بزرگی کا حال قرآن اور حدیث میں مذکور ہے - اسی واسطے مسلمان اُن کی تعظیم و تکریم کرنی اپنا اعتقادی امر جانتے ہیں اور اولیا کی کرامتیں بھی مانتے ہیں -

اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ جب مُردے کو قبر میں رکھ چکتے ہیں تو اُس کے پاس دو فرشتے جو منکر اور نکیر کہلاتے ہیں، آ کر یہ تین سوال کرتے ہیں : تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا

---

۱ - صور عربی میں بجانے کے سینگ کو کہتے ہیں-

۲ - یہ تعداد اعتقادی امور میں داخل نہیں ہے -

نبی کون ہے؟ اگر وہ ان سوالوں کے درست جواب دیتا ہے اور کہتا ہے ''اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے، محمدؐ میرا نبی ہے'' تو اُس پر خدا کی رحمت ہوتی ہے ورنہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قیامت کا آنا یقینی ہے اور حضرت محمدؐ نے جو آثار قیامت کے بیان کیے ہیں، مثلاً اول نصاریٰ کا غلبہ کرنا، پھر حضرت امام مہدی کا پیدا ہونا، دجّال کا ظاہر ہونا، حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر سے اُترنا اور مذہب اسلام کی رونق ہونی، یہ سب امر بجا اور درست ہیں۔ آدمیوں کے تمام قول و فعل خواہ نیک ہوں یا بد، ہر وقت اُس کے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں اور قیامت کے دن میزان و عدل میں ان کا مقابلہ ہوگا اور کمی بیشی کا لحاظ کیا جائے گا۔ گناہوں کی بیماری کا علاج توبہ اور پشیمانی ہے۔ جو شخص عجز و انکسار سے خدا تعالیٰ کی درگاہ میں رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

اہل اسلام یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوزخ کی پشت پر ایک رستہ ہے جسے صراط کہتے ہیں۔ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ سب کو اُس پر سے گزرنا ہوگا۔ نیک لوگ فوراً گزر جائیں گے اور بد آدمی کٹ کٹ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے واسطے بہشت اور بدوں کے لیے دوزخ پیدا کیا ہے۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق بہشت کے درجوں میں سے کوئی درجہ ملے گا اور وہاں اُنھیں طرح طرح کی نعمتیں عنایت ہوں گی اور سب نعمتوں میں افضل خدا کا دیدار ہے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ بہشت میں ہر قسم کا میوہ موجود ہوگا شراب طہور[1] کی ندیاں بہتی ہوں گی، شیریں چشمے جاری ہوں گے، تخت بہت آراستہ اور پر تکلّف بچھے ہوں گے،

۱۔ اہل اسلام کہتے ہیں کہ بہشت میں وہ شراب نہیں ہونے کی جو یہاں دنیا میں ہے بلکہ کسی اور ہی قسم کی لذیذ اور خوشبودار ہوگی جس سے نفس کو لذت، آنکھوں کو تراوت حاصل ہو۔ نہ اس سے خمار ہوگا، نہ عقل میں قصور، نہ حواس میں فتور۔

سایہ دار درختوں کے نیچے نیک آدمی عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنے ہوئے آرام سے بیٹھے ہوں گے ، اُن کی خدمت کے واسطے حور[1] و غلمان[2] ہر وقت حاضر ہوں گے - حوریں جو اہل جنّت کو ملیں گی[3] ، بڑی بڑی آنکھوں والی اور ایسی خوب صورت اور خوش وضع ہوں گی ، جیسے سیپ کا موتی صاف اور خوش رنگ ہوتا ہے - غلمان شراب کے پیالے بھر بھر کر بہشت کے لوگوں کو پلائیں گے اور اپنے حسن و جمال کے سبب سے مجلس میں پھرتے ہوئے ایسے معلوم ہوں گے ، جیسے آب دار موتیوں کے دانے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں - نیک آدمیوں کے ساتھ اُن کے ماں باپ اور بیویاں اور اولاد جنھوں نے دنیا میں اچھے عمل کیے ہیں ، سب کے سب بہشت میں داخل ہوں گے اور اُنھیں حکم ہوگا کہ یہاں ہمیشہ آرام سے رہو - نہ کبھی موت آئے گی ، نہ کسی طرح کی تکلیف ہوگی، نہ کوئی غم و الم کی بات سُنی جائے گی - اہل ایمان کو ان نیک عمل بیویوں کے ساتھ بہشت میں رہنے کا حکم ہوگا اور وہاں کی عورتوں کی پیدائش عجیب قسم کی ہوگی - سب کی سب خوب صورت ، جوان ، باکرہ اور ہم عمر ہوں گی - مسلمانوں کے ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اہل جنّت کا کلام ذکر الٰہی اور حکمت کی باتیں ہوں گی اور انھیں ایک قسم کی شراب جسے شراب طہور کہتے ہیں، مرحمت ہوگی اور تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے کہ اس شراب کا نام طہور اس واسطے ہے کہ

---

۱ - حور زبان عربی میں حوراء کی جمع ہے ، مگر فارسی اور اردو میں یہ لغت مفرد مستعمل ہوتا ہے - حوراء اس عورت کو کہتے ہیں جس کے جسم اور آنکھوں کی سفیدی اور آنکھوں اور بالوں کی سیاہی بہت تیز اور خوش نما ہو -

۲ - غلمان غلام کی جمع ہے اور لغت میں اس لفظ کے معنی لڑکے کے ہیں -

۳ - ایسے مقاموں پر قرآن میں مصدر تزویج کے مشتق صیغے مذکور ہیں اور تزویج کے معنی بیاہنے کے اردو ترجموں میں لکھے ہیں اور تفسیر بیضاوی میں تقرین یعنی قرین اور ہم نشین کرنے کے بیان کیے ہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان صیغوں کے آگے لفظ حور پر بے واقع ہوئی ہے اور جب تزویج کا صلہ بے ہوتا ہے تو اس کے معنی تقرین کے ہوتے ہیں -

لغت میں طہور کے معنی پاک کرنے والے کے ہیں اور یہ شراب بہشت کے لوگوں کو دیدار خدا کے سوا سب چیزوں کی رغبت سے پاک کر دے گی اور دیدار الٰہی سب نعمتوں میں اولیٰ ہے اور یہی درجہ سب درجوں میں اعلیٰ ہے۔

دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ہر ایک طبقے میں گنہگار اپنے اپنے درجے کے موافق رہیں گے مگر سب سے نیچے کا طبقہ جہاں نہایت سخت سزا ہوگی، منافقوں کے واسطے ہے جو ظاہر میں مسلمان کہلاتے ہیں اور باطن میں کفر کے کام کرتے ہیں۔ اس سے اوپر کا طبقہ مشرکوں کی جگہ ہے جو معبود حقیقی کو مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک اور مختار جانتے ہیں۔ دوزخیوں میں سے جس شخص کے دل میں کچھ بھی نور ایمان ہوگا، وہ انجام کار اپنے گناہوں کی سزا پا کر بہشت میں چلا جائے گا اور جو لوگ ایمان سے بالکل بے بہرہ ہیں، وہ سزائے ابدی میں مبتلا رہیں گے۔

بہشت اور دوزخ کے بیچ میں ایک جگہ ہے، جسے اعراف کہتے ہیں اور تفسیر مدارک التنزیل اور اور کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں وہ لوگ جن کے نیک اور بد فعل برابر ہیں اور اور کئی قسم کے آدمی رہیں گے مگر آخر کو یہ بھی بہشت میں جائیں گے۔

مسلمانوں کے ہاں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضرت محمدؐ اور تمام انبیا اور اولیا اور نیک آدمی گنہگاروں کی شفاعت میں سعی کریں گے اور حضرت محمدؐ کو ایک حوض جس کا نام کوثر ہے، عطا ہوگا۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، حضرت محمدؐ اس سے لوگوں کو سیراب کریں گے اور اور جو کوئی اس کا پانی پیے گا، پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ ذبح کیے ہوئے جانور بہشت کی خاک ہوں گے اور حضرت صالحؑ کی اونٹنی جو معجزے کے طور پر پتھر میں سے پیدا ہوئی تھی اور حضرت یونسؑ کی مچھلی اور اصحابِ کہف کا کتا اور حضرت محمدؐ کی سواری کی اونٹنی اور بعض پیغمبروں کے جانور بصورت مجسّم بہشت میں جائیں گے اور براق جس

پر حضرت محمدؐ صاحب سوار ہو کر معراج کو گئے تھے ، خود بہشتی جانور ہے -

مسلمانوں کے ہاں دن رات میں پانچ مقرّر وقتوں کی نماز فرض ہے ان کے نام یہ ہیں : فجر ، ظہر ، عصر ، مغرب ، عشا -

فجر کی نماز کا وقت صبح صادق[1] کے ظاہر ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے سے کچھ پہلے تک ہے اور ظہر کی نماز کا وقت دوپہر ڈھلے سے اُس لمحے تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اُس کے اصلی سایے یعنی اُس سایے کے سوا جو ٹھیک دوپہر کے وقت ہو ، دو چند ہو جائے اور حضرت امام محمد اور حضرت امام ابو یوسف کا یہ قول ہے کہ جب اصلی سایے کے سوا اُس کے مثل ہی کو پہنچ جائے اور عصر کی نماز کا وقت ظہر کے بعد سے آفتاب کے غروب ہونے سے کچھ پہلے تک ہے اور مغرب کی نماز کا وقت آفتاب کے غروب ہونے کے بعد سے اُس لمحے تک ہے کہ شفق نہ غائب ہونے پائے اور عشا کی نماز کا وقت شفق کے غائب ہونے سے اُس لمحے تک رہتا ہے کہ صبح صادق[1] نہ ظاہر ہو - نماز کے وقتوں کی حدّیں یہی ہیں جو لکھی گئیں مگر عین وقت پر نمازوں کا ادا کرنا بہتر ہے اور موسموں کے لحاظ سے انھیں حدّوں میں بعض نمازیں جلد اور بعض توقف سے پڑھنی اولیٰ ہیں -

ان نمازوں کے سوا مسلمانوں کے ہاں اور بھی نمازیں ہیں مثلاً جمعے کی نماز ، دونوں عیدوں کی نمازیں ، جنازے کی نماز ، صلوٰۃ تسبیح ، اشراق کی نماز جو آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے ، تہجد کی نماز جو پچھلی رات کو پڑھتے ہیں ، استسقا کی نماز جو مینہ کی درخواست کے واسطے پڑھی جاتی ہے اور علیٰ ھٰذالقیاس یہ لوگ بہت سی نمازیں پڑھتے ہیں -

اہل اسلام اپنے بچوں پر نماز کی بہت تنبیہ کرتے ہیں اور بچپن ہی

---

۱ - صبح صادق وہ روشنی ہے جو رات کی تاریکی کے بعد آسمان کے گرد و نواح میں پھیل جاتی ہے -

میں ان سے نماز شروع کراتے ھیں - ان کے ھاں سات برس کی عمر میں بچوں کو نماز کی تاکید کرنی ضرور ھے اور دس برس کی عمر میں اس فرض کے ادا کرنے کے واسطے انھیں مارنا لازم ھے - بہتیرے مسلمان ھر روز قرآن کی تلاوت میں مشغول رھتے ھیں اور وظیفے اور دعائیں جو اُن کے ھاں حدیث میں لکھی ھوئی ھیں، اپنا ورد رکھتے ھیں -

اھل اسلام زکٰواۃ دینی فرض جانتے ھیں اور قرآن میں بیاسی جگہ نماز اور زکٰوۃ کا ساتھ ھی ذکر ھے - اس فرض کے ادا کرنے کے واسطے ھر قسم کے مال میں خواہ نقد، خواہ مویشی، خواہ کوئی اور جنس ھو ایک نصاب یعنی حد مقّرر ھے کہ جو شخص اپنے ضروری خرچوں کے بعد اُس نصاب کا مالک ھو تو سال بھر کے پیچھے اُسے زکٰوۃ دینی ضرور ھے- علاوہ زکٰوۃ کے اھل اسلام کے ھاں اور بھی کئی صدقے مقّرر ھیں مثلاً عیدالفطر کے روز یعنی ماہ شوال کی پہلی تاریخ مالک نصاب پر ایک مقرر صدقہ ادا کرنا لازم ھے - سوائے اس کے فقیروں اور مسکینوں کو خیرات دینا اور کھانا پکوا کر کھلانا اور ھر طرح سے اُن کی مدد کرنا مسلمانوں کے نزدیک بہت اچھا ھے - جو شخص نصاب کا مالک ھے اُس پر عیداضحیٰ کے دن یعنی ماہ ذالحجہ کی دسویں تاریخ قربانی کرنی واجب ھے اور اگر خاص عید کے روز قربانی نہ کر سکے تو گیارھویں یا بارھویں تاریخ کو کر دے -

مسلمانوں کے ھاں تمام ماہ رمضان کے روزے رکھنے فرض ھیں اور اس مہینے میں یہ لوگ عبادت میں زیادہ تر مصروف رھتے ھیں چنانچہ مقّررہ نمازوں کے علاوہ رات کے وقت تراویح[1] کی بیس رکعتیں پڑھتے ھیں - قرآن کی بھی بہت تلاوت کرتے ھیں اور کچھ آدمی اعتکاف[2] میں بیٹھتے ھیں - رمضان کے روزوں کے سوا اھل اسلام کے ھاں اور بھی روزے رکھنے بہت اچھے ھیں چنانچہ یہ لوگ

---

۱ - تراویح ایک قسم کی نماز کا نام ھے جو مسلمان لوگ رمضان کے مہینے میں رات کے وقت پڑھا کرتے ھیں اور اس کی بیس رکعتیں ھوتی ھیں -

۲ - اس لفظ کی شرح پہلی فصل میں حضرت محمدؐ کے بیان میں گزر چکی ھے -

ماہ ذی الحجہ کی نویں اور ماہ شعبان کی پندرھویں اور ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ اور علیٰ ھٰذالقیاس اور بعض دنوں کے روزے رکھنے بڑے ثواب اور اجر کے حاصل ہونے کا باعث سمجھتے ہیں۔

مسلمان کعبے کا حج کرنا فرض جانتے ہیں اور فتاویٰ 'دُرِّ مختار' میں لکھا ہے کہ حج اُس مسلمان پر فرض ہے جو تندرست ہو اور نابینا نہ ہو اور ضروری خرچوں کے سوا زادِ راہ اور سواری کا بھی مقدور رکھتا ہو اور رستے میں بھی امن ہو۔

ان باتوں کے علاوہ مسلمانوں کے ہاں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے اور بہتیری ایسی ہیں جن سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

اہل اسلام کے ہاں سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی نہایت تاکید ہے اور اس امر کا ذکر قرآن اور حدیث میں بہت جگہ لکھا ہوا ہے۔ یہ لوگ سچ بولنا اور جھوٹ سے پرہیز کرنا اپنا اعتقادی امر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جھوٹ سب برائیوں کی جڑ ہے مگر تین جگہ مضائقہ نہیں۔ اول دو آدمیوں کے تنازع اور فساد کے دفع کرنے اور صلح کرانے میں، دوسرے لڑائی کے وقت غنیم کے غافل کرنے اور چکما دینے میں، تیسرے اپنی بیوی کے خوش کرنے اور اُس کے راضی رکھنے میں اور ان مقاموں پر بھی یہ شرط ہے کہ جھوٹ بولنے کے سبب سے کسی طرح کی عہد شکنی یا کوئی اور قباحت نہ لازم آتی ہو ورنہ مطلق حرام ہے اور کسی طرح جائز نہیں۔ مسلمانوں کا عام مسئلہ یہ ہے کہ آدمی کو اکل حلال[1] اور صدق مقال اختیار کرنا مقدم ہے۔

ماں باپ، اُستاد اور بزرگوں کا ادب کرنا، ہمسایے کے حق کا خیال رکھنا، وجہ حلال سے معاش پیدا کرنی، عزیز و اقربا کا حق سمجھنا،

۱۔ یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔

مہمان نوازی اور سخاوت کرنی ، لوگوں سے خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آنا ، علم کی بڑائی اور عالموں کی تعظیم کرنی اور آور اسی قسم کی باتیں عمل میں لانی اہل اسلام کے ہاں نہایت ضروری ہیں ۔ مسلمان سودی روپیہ قرض دینا بہت بُرا جانتے ہیں اور یہ بات ان کے مذہب میں بالکل ناجائز ہے بلکہ جو شخص مسلمان ہو کر سود لے ، اس کے ہاں کا کھانا بھی درست نہیں اور سود دینے والے کا بھی بہت بُرا درجہ لکھا ہے ۔

نشہ خواہ کسی قسم کا ہو ، مسلمانوں کے ہاں ہرگز جائز نہیں بلکہ مسکرات کے کارخانے کی نوکری بھی درست نہیں ۔ ان لوگوں کے مذہب میں رشوت بالکل حرام ہے اور لکھا ہے کہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے ۔ غیبت کرنی ، کسی کو ناحق ستانا ، یتیموں کا مال کھانا ، ظلم کرنا ، اپنے تئیں اچھّا جاننا ، اکڑ کر چلنا ، تکبّر کرنا ، اترانا ، کسی پر ناحق تہمت لگانی ، امانت میں خیانت کرنی ، خدا کی رحمت سے نا اُمید ہونا ، وعدہ کر کے پورا نہ کرنا ، قرآن پڑھ کر بھول جانا ، جھوٹی گواہی دینی ، سچ بات کی گواہی چھپانی ، خدا کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا ، کسی کا ناحق گلہ سُننا ، وجہ حرام سے معاش پیدا کرنی ، حرام کا لقمہ کھانا ، خلق کی تکلیف سے خوش ہونا ، چوری کرنی ، جؤا کھیلنا ، کھیل کود میں مشغول ہونا ، نجومیوں اور آور ایسے ہی لوگوں کی باتوں پر اعتقاد کرنا ، شرع کی باتوں پر ہنسی کرنی ، منہ سے بیہودہ بات نکالنی ، مُردے کو پیٹنا یا پکار کر رونا ، حقارت کی نظر سے کھانے کو بُرا کہنا ، لوگوں کے دکھانے کو عبادت میں مصروف ہونا ، ہنسی ٹھٹھا کرنا ، ظالموں کی خوشامد کرنی اور آور اسی طرح کی باتیں مسلمانوں کے مذہب میں نہایت بُری ہیں اور ان کی کتابوں میں لکھّا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کا دل اور زبان یکساں ہو ۔

مسلمانوں کو ایک ہی وقت میں چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت

ہے ، مگر اس میں یہ ضروری ہے کہ ہر چیز میں سب کا حق برابر سمجھیں اور عدل و انصاف سے پہلو تہی نہ کریں - علاوہ اس کے وہ جس قدر چاہیں لونڈیاں بھی رکھ سکتے ہیں - اگر کسی لونڈی کے ہاں اُس کے آقا سے اولاد ہو جائے تو اُس کی بیع جائز نہیں اور وہ اپنے آقا کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی -

مسلمان اپنی بیویوں کو طلاق بھی دے سکتے ہیں اور اگرچہ یہ فعل ان کے ہاں مباح ہے مگر بہت ہی نازیبا کہتے ہیں - چنانچہ ان کی کتابوں میں اس امر کو ابغض‌المباحات یعنی مباح چیزوں میں سے نہایت ہی بُرا لکھا ہے - ہر مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوبارہ اپنے تصرّف میں لا سکتا ہے ، مگر تیسری طلاق کے بعد وُہ اُس کے نکاح میں نہیں داخل ہو سکتی ، جب تک وہ کسی اور شخص کے نکاح اور قبضے میں آ کر طلاق نہ پائے -

اہل اسلام کے ہاں عورت کے دوبارہ نکاح کرنے کی اجازت بلکہ تاکید ہے اور شرع کی رُو سے اس مسئلے کے ناجائز سمجھنے والے کو کفر سے منسوب کرتے ہیں مگر ہندوستان کے مسلمان خصوصاً گاؤں کے رہنے والے بیوہ کا نکاح کم کرتے ہیں -

بعض صورتوں میں مسلمانوں کو اجازت ہے کہ اپنی بیویوں کو ماریں مگر اس میں یہ شرط ہے کہ بے جا اور اس طرح کی ضرب نہ پہنچائیں جس سے ہڈی پر صدمہ آئے یا اُسے زیادہ تر تکلیف ہو - اُن کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ خاوند بیوی کو شریعت کی راہ بتائے اور دین کے مسئلوں سے آگاہ کرے - اگر وہ نہ سیکھے تو پہلے نرمی سے سمجھائے ، اس سے نہ مانے تو اختلاط ترک کرے - اس سے بھی باز نہ آئے تو مارے اور انجام کار طلاق کا درجہ ہے -

ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ بارہا امیر اور دولت مند آدمی کبھی غریب بھی کئی بیویاں کر لیتے ہیں مگر اکثر مسلمان صرف ایک ہی نکاح کرتے ہیں - انگریزوں کی عملداری میں لونڈیاں کی خرید و فروخت نہیں ہوتی ، اس واسطے یہاں کے مسلمان لونڈیاں کم

رکھتے ہیں اور بعض آدمی جو اور عورتیں کہ نہ بیویاں ہوتی ہیں نہ لونڈیاں ، اپنے گھر میں ڈال لیتے ہیں ، یہ امر مسلمانوں کی شرح کے خلاف ہے -

سُنی مسلمان مذہبی امور میں چار اماموں میں سے کسی نہ کسی کے مقلد[1] ہیں اور اُن کے نام یہ ہیں : حضرت امام ابو حنیفہ رح جنھیں حضرت امام اعظم رح بھی کہتے ہیں ، حضرت امام شافعی رح ، حضرت امام مالک رح ، حضرت امام احمد ابن حنبل رح - یہ چاروں امام مذہب کے مجتہد ہیں اور مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ بڑے عالم ، فاضل ، عابد ، عارف ، صادق اور منصف تھے - جو لوگ جس جس امام کے مقلد ہیں ، وہ اُسی امام سے نام زد ہیں ، چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کرنے والے حنفی کہلاتے ہیں اور اسی طرح باقی تین اماموں کے مقلد شافعی ، مالکی اور حنبلی مشہور ہیں -

مسلمانوں میں فقیروں کے بھی بہت سے فرقے ہیں ، جن میں سے اکثر خانقاہوں اور اور اسی قسم کے مکانوں میں رہتے ہیں اور گوشہ گزیں ہو کر پرہیزگاری سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں - بعض فرقے مثلاً قلندر اور رسول شاہی بالکل آزاد منش ہیں اور کسی بات کے پابند نہیں - رسول شاہی فرقے کی ابتدا کو بہت عرصہ نہیں ہوا - اس فرقے کی بنیاد ایک شخص رسول شاہ نامی نے ڈالی اور اُس کے جانشین حنیف شاہ نے اُسے رونق دی - یہ فرقہ نشے کی چیزوں سے کچھ پرہیز نہیں کرتا بلکہ نشے میں مست رہنا دنیا کی بے تعلقی کا وسیلہ جانتا ہے مگر جو لوگ شرع کے پابند ہیں ، وہ ایسے فرقے کے لوگوں کو مسلمان نہیں کہتے -

تھوڑے عرصے سے سنی مسلمانوں کے دو فرقے اور مشہور ہو گئے ہیں - ایک وہابی کہلاتا ہے ، دوسرا بدعتی اور اس کی اصل یہ ہے

---

۱ - پیرو -

کہ انیسویں صدی مسیحی کے شروع میں ایک شخص عبدالوہابؒ نامی نے مکّے کے گرد و نواح میں رونق پائی اور بعض احکام بہ تشدّد جاری کرنے شروع کیے - چنانچہ نیاز نذر ماننی اور قبروں پر روشنی کرنی اور غلاف چڑھانے سے لوگوں کو سختی سے منع کیا ، یہاں تک کہ ۱۸۰۳ء میں اُس نے بہت سے آدمیوں کے ساتھ ہو کو شہر مکّہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے بعض عالی شان مقبرے اور بُرج ڈھا دیے اور رفتہ رفتہ اَور مقاموں پر بھی قابض ہو گیا - آخر ۱۸۱۸ء میں محمد علی مصر کے فرماں روا نے ان لوگوں کو شکست دی -

پس فرقۂ بدعیّہ اکثر مسلمانوں کو اسی عبدالوہابؒ کی طرف منسوب کر کے وہابی کہتا ہے مگر وہابی لوگ اپنے تئیں اہل سنت و جماعت بتاتے ہیں اور اگر لفظ وہابی بھی اپنے واسطے تسلیم کرتے ہیں تو وہاب کی طرف جو خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے ، اپنے تئیں منسوب سمجھتے ہیں - برخلاف اس کے وہابیہ فرقہ بہتیرے مسلمانوں کو لفظ بدعت کی طرف منسوب کر کے بدعی[1] یا بدعتی مشہور کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت مذہب کی نئی بات کو کہتے ہیں جس کا اختراع کسی مثال سابق پر نہ ہو - تو وہابی لوگ اس نظر سے کہ فرقۂ بدعیّہ نے بہت سی نئی باتیں جو حضرت محمدؐ اور اُن کے اصحابؓ اور اصحابؓ کے تابعین کے وقت میں نہ تھیں ، مذہب اسلام میں جاری کر دیں ، ان لوگوں کو بدعتی بولتے ہیں - مگر یہ لوگ اس لفظ کو اپنے واسطے تسلیم نہیں کرتے اور وہ بھی اپنے تئیں اہل سنت و جماعت کہتے ہیں اور کوئی سی نئی بات جو اُنھوں نے مذہب میں اختیار کی ہے، اُسے بدعت حسنہ[2] بتاتے ہیں -

---

۱ - عربی کے قاعدے کے موافق لفظ بدعت میں یائے نسبت لگا کر بدعی بولنا بہتر ہے ، جیسے ہجرت سے ہجری -

۲ - بدعت حسنہ وہ ہے جو قرآن شریف اور طریق نبوی اور قول و فعل خلفا اور اجماع علما کے خلاف نہ ہو -

تیسری فصل

اہل اسلام کی ذاتوں کا بیان

تمام مسلمانوں کے نزدیک اہل عرب جو سام ابن نوحؑ کی اولاد میں ہیں ، خصوصاً وہ لوگ جو حضرت اسمٰعیلؑ ابن حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں ہیں ، سب سے شریف اور بزرگ گنے جاتے ہیں اور ان کی فضیلت حدیث سے ظاہر ہے ۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت محمدؐ کی زبانی بیان کیا ہے کہ عرب والوں کو تین سببوں سے دوست رکھو ! میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور اہل جنّت کی زبان عربی ہے ۔

ان میں قبیلۂ قریش جس میں حضرت محمدؐ پیدا ہوئے ہیں ، شرافت کے لحاظ سے اور بھی فوقیّت رکھتا ہے اور یہ امر بھی حدیث سے بخوبی ثابت ہے ۔ چنانچہ کتاب مشکٰوۃالمصابیح میں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت محمدؐ سے روایت کی ہے کہ جو شخص قریش کی اہانت چاہے گا ، اللہ تعالیٰ اس کی اہانت کرے گا اور حضرت عبداللہؓ ابن مطیع نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت محمدؐ نے مکّے کے فتح ہونے کے دن کہا ہے کہ آج کے بعد روز قیامت تک قریش لوگ قید ہو کر قتل نہ کیے جائیں اور حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت محمدؐ سے روایت کی ہے کہ سلطنت قریش میں ہونی چاہیے اور کتاب عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ امام فرمانروا اور حاکم پیشوا کا قریشی ہونا ضرور ہے یعنی شیخ ہو یا سیّد مگر قبیلۂ قریش میں سے ہو کیوں کہ حضرت محمدؐ نے کہا کہ امام قبیلۂ قریش میں سے ہوا کریں ! اس قبیلے میں اسلام پہلے پہل جاری ہوا اور ابتدا میں جو لوگ اس قبیلے سے مسلمان ہوئے ، وہ اس سبب سے کہ شیخ کے معنی بزرگ کے ہیں، شیخ کہلانے لگے اور خود حضرت محمدؐ بھی اس قبیلے میں سے تھے ۔ ان سب قریشی شیخوں کو اسلام کی

بزرگی کے باعث سے اُل فوقیّت حاصل ہوئی ۔

پھر ان میں سےجو لوگ خاص حضرت پیغمبرؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوں، وہ سیّد کے نام سے معروف ہوئے اور آور لوگوں پر بدستور شیخ کا نام قائم رہا ، مگر قریشی شیخ جو باقی تین خلفا کی اولاد میں ہیں ، وہ بھی علاحدہ علاحدہ انھیں خلفا کے نام سے پکارے گئے ۔ چنانچہ جو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں ہیں ، وہ شیخ صدیقی کہلانے لگے اور جو حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد ہیں ، وہ شیخ فاروقی مشہور ہوئے اور جو حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد میں ہیں، وہ شیخ عثمانی نامزد ہوئے۔ حضرت علیؓ کی اولاد جو حضرت فاطمہؓ کے سوا ان کی اور بیویوں سے ہے ، وہ سیّد علوی کہلاتی ہے ۔ جو لوگ انصار کی اولاد میں ہیں ، وہ شیخ انصاری پکارے جاتے ہیں ۔

مغلوں اور پٹھانوں کی اصلیں مختلف طور سے لکھی ہوئی ہیں ، مگر اکثر کتابوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ مغل لوگ یافث ابن حضرت نوحؑ کی اولاد میں ہیں اور ان کی ابتدا اس طرح سے ہے کہ یافث کی چھٹی پشت میں ایک شخص مغل نامی پیدا ہوا ، جو لوگ اس کی نسل میں ہیں، وہ مغل کہلاتے ہیں اور ان لوگوں میں حضرت محمدؐ کے کئی سو برس بعد مذہب اسلام جاری ہوا ۔

پٹھانوں کی اصل کا حال انھیں کی اکثر کتابوں سے یہ دریافت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص افغان نامی سلیمانؑ ابن داؤدؑ کے وقت میں تھا ، اس کی اولاد افغان سے نامزد ہوئی ۔ پھر حضرت محمدؐ کے زمانے میں جب دین اسلام کی بنیاد قائم ہوئی تو ان میں سے ایک شخص قیس نامی ستّر آدمیوں سمیت افغانستان سے حضرت محمدؐ کے پاس آ کر اسلام لایا اور اس نے اپنے ملک میں جا کر تمام قوم میں یہ مذہب جاری کیا ۔ چوں کہ افغانوں میں اسلام کی ابتدا اس شخص سے ہوئی تھی ، اس واسطے ان لوگوں میں ان کا لقب پٹھان مشہور ہو گیا کیوں کہ پٹھان ان کی زبان میں جہاز کے نیچے کے تختے کو کہتے ہیں ۔ تو جیسے جہاز کی پائداری اس تختے سے ہوتی ہے ، ویسی افغانوں میں

اسلام کی پائداری قیس سے ہوئی اور وہ بھی بتان کہلانے لگا - یہی لفظ بگڑتے بگڑتے پٹھان ہو گیا اور افغانوں میں جو لوگ خاص قیس کی نسل میں ہوئے وہ بھی اس لفظ سے مشہور ہوئے -

اگرچہ مسلمانوں میں بالاتفاق قریشیوں کو سب پر فضیلت ہے مگر پھر بھی ہندوستان میں چار قومیں شیخ ، سیّد ، مغل اور پٹھان شریف مشہور ہیں -

ان کے سوا اور بہت سی قومیں ہیں اور ان میں سے اکثر اپنے پیشوں کے نام سے معروف ہیں مگر وہ شریف نہیں گنی جتیں -

جو شخص کسی اور مذہب میں سے دین اسلام میں آئے ، حقیقت میں مسلمانوں کے ہاں پہلی چار ذاتوں سے اس کی ذات کچھ نہیں ہوتی ، مگر جو کہ شیخ کے معنی بزرگ کے ہیں تو وہ لوگ نو مسلم پر بھی اس کی بزرگی کے لحاظ سے شیخ کا اطلاق کرتے ہیں -

چھٹا باب

جہاں را بیگم اور محمدؐ یوسف
گیتی آرا بگم اور محمدؐ جمیل الدین کا قصّہ[1]

کلام مصنّف نے اپنی طرف سے لکّھا ہے ، اُس
کے پہلے م ہے اور جو غیر کی جانب سے لکھا ہے ، اُس کے
اوّل ہے[2] -

ایکروز کا ذکر ہے کہ کسی جگہ آندھی بڑے زور و شور سے آ رہی تھی ، درختوں میں ہوا سنسنا رہی تھی ، چاروں طرف کالی گھٹا چھا رہی تھی ، بادلوں میں بجلی خوب آب و تاب دکھا رہی تھی ، لوگوں کی نظروں میں موت کا سا پھر رہا تھا ، غیر موسم کی گھٹا سے سب کے دلوں پر فکر کا بادل گھر رہا تھا ، اسی جگہ سڑک کے کنارے پر ایک اباد سرا تھی جو نہایت پختہ اور خوش نُما تھی - معمول کے موافق وہاں بہت سے مسافر آئے ہوئے تھے مگر اس حادثے سے گھبرائے ہوئے تھے- سرا کے ایک کونے میں چھوٹا سا مکان بنا ہوا تھا ، اس کے

---

۱ - اس قصے میں جن لوگوں کا بیان ہے ، ان میں سے اکثر خاندانی اور شرع
کے بہت پابند تصوّر کیے گئے ہیں - اسی سبب سے اُن کو اُن توہمات اور
بیہودہ رسموں کے پیرو خیال نہیں کیا ہے، جو ہندوستان میں کمتر درجے کے
مسلمانوں میں رائج ہیں اور نہ اُن کو ناچ گانے اور آور اسی قسم کی چیزوں
کا شائق سمجھا ہے ، اس واسطے کہ جو لوگ شرع پر چلتے ہیں وہ ایسی
چیزیں نا پسند کرتے ہیں -

۲ - اس اڈیشن کے ایڈیٹنگ میں م اور غ کی علامتوں کو اس خیال سے حذف
کر دیا گیا ہے کہ اس سے مطالعے کی روانی میں خلل پڑتا تھا -

اندر کسی کوٹھڑی میں ایک شخص بے ہوشی حالت میں پلنگ پر پڑا ہوا تھا ، اس کے سرھانے دونوں طرف دوئیں[1] مونڈھوں پر بیٹھی ہوئی رومال ہلا رہی تھیں اور وہیں دو خوبصورت لڑکیاں جہاں آرا بیگم اور گیتی آرا بیگم چپکے چپکے باتیں کر کے رنج و غم کو بھلا رہی تھیں ، ایک دوسرے کو خدا کی یاد دلا رہی تھیں ، تسلی کی باتوں سے دل کے غنچۂ پژمردہ کو کھلا رہی تھیں ۔ باہر کسی اور مکان میں اُن کے نوکر چاکر تھکے ماندے پڑے ہوئے تھے ۔ پالکی گھوڑا ، رتھ اور بیل وہیں کھڑے ہوئے تھے ۔

دونوں لڑکیاں آندھی اور طوفان کا ذکر کر رہی تھیں کہ اتنے میں اور بھی اس کی شدّت ہوئی ۔ ہوا کے زور سے شمع کافور[2] ہوگئی ، چراغ گل ہوگیا ۔ دونوں گل اندام اندھیرے میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے سے رہ گئیں ۔ اگرچہ تاریکی کی حالت میں وقت کی کچھ تمیز نہ ہوتی تھی مگر جب اُن کے بالوں اور چہروں پر بجلی کی چمک پڑتی تھی تو رات دن کا ایک ہی وقت میں سما بندھ جاتا تھا ۔

تھوڑی دیر بعد مینہ کا جھڑاکا شروع ہوا اور اس قدر برسا کہ سب طرف پانی ہی پانی دکھائی دینے لگا ۔ یہ خوفناک حادثہ دیکھ کر جہاں آرا بیگم بولی ''دیکھو بوا[3] گیتی آرا ! جب ہم عجیب آباد سے چلے تھے تو اس مصیبت کی کیا خبر تھی کہ ابّا جان[4] کا یہ حال

---

۱ - مسلمانوں کے ہاں جو عورت خدمت کے واسطے نوکر رکھی جاتی ہے ، اُسے ماما کہتے ہیں ۔

۲ - شمع کے کافور ہونے سے کنایہ ہے اُس کے بجھنے سے ۔ کیوں کہ کافور کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اُڑ جاتا ہے ۔

۳ - مسلمانوں کا اس لفظ کا اطلاق چھوٹی بہن پر ہوتا ہے اور یہ محبت کا بھی لفظ ہے ۔ عورتیں آپس میں گفتگو کرتے وقت اکثر بولتی ہیں ۔

۴ - ابّا باپ کو کہتے ہیں اور جان فارسی لفظ ہے ۔ عزیز اور پیارے پر اس کا استعمال ہوتا ہے ۔

ہو جائے گا ۔ افسوس اس جنگل میں دوا دارو کہاں سے لاؤں ! ابّا جان کو کیا پلاؤں ! یہاں نہ حکیم[1] ہے نہ طبیب ، نوکر اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، بے چارے مصیبت میں گرفتار ہیں ۔ ادھر تو مجھے ابّا جان کا خیال ہے، اُدھر بھائی جان کا دل میں جدا تصوّر ہے کہ وہ دھلی میں بیٹھے انتظار کر رہے ہوں گے ۔ اُنھیں ہماری تکلیف اور مصیبت کی کیا خبر ہوگی! نہیں تو وہ جس طرح ہو سکتا ، اپنے تئیں یہاں پہنچاتے اور دکھ درد میں شریک ہوتے۔ خیر اللہ تعالیٰ اسی میں کچھ بہتری کرے گا ، اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے "۔

گیتی آرا بیگم جس کی نسبت جہاں آرا بیگم کے بھائی سے ہو چکی تھی ، اس کا ذکر سنتے کچھ شرما ہی گئی اور بولی "بؤا ! خدا سب کا مالک ہے ، اُس سے مایوس نہ ہونا چاہیے ۔ ایک دم میں ہزار دم ہیں ۔ کیا تعجّب ہے ، ابھی خدا تعالیٰ چچا جان کو شفا بخشے ۔ کیوں ایسی گھبرائی جاتی ہو ؟ اب دھلی پہنچ جاتے ہیں وہاں ہر فن کا کامل آدمی موجود ہے ۔ جاتے ہی کسی بڑے حکیم کو بلائیں گے ، اچھی اچھی دوائیں پلائیں گے ، خدا تندرست کر دے گا ۔ ھراساں ہونے سے کیا ہوتا ہے صبر کرنا بہتر ہے "۔

دونوں لڑکیاں اس قسم کی باتیں کر رھی تھیں اور خدا کو یاد کرتی جاتی تھیں کہ اتنے میں آندھی کم ہوگئی اور کچھ روشنی نمودار ہوئی ۔

اُس کے بعد اُس مریض آدمی کا حال جو دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ محمد ناصر الدّین نامی ایک شریف زادہ ، دھلی کا نامور رئیس ، ذات کا شیخ ، بڑا خاندانی اور معزّز آدمی تھا ۔ اُس کے باپ دادا کسی زمانے میں جاگیر دار تھے اور بادشاہوں کے وقت میں بڑے بڑے منصبوں پر سرفراز رہے تھے ۔ علاوہ اس کے وہ خود

---

۱ ۔ حکیم اور دانا اُس شخص کو کہتے ہیں ، جو حکمت کے تمام علموں سے واقف ہو اور مجازاً یہ لفظ طبیب پر بھی بولا جاتا ہے ۔

بھی بڑا لئیق تھا اور اب مدّت سے اپنی لیاقت اور کارگزاری کے باعث سے ضلع نور پور کے پرگنے عجیب آباد کا تحصیلدار ھو گیا تھا اور ہمیشہ بہت دیانت و امانت سے کام کرتا رہا - نہ کبھی کسی سے رشوت لی ، نہ کسی مقدمہ میں کسی کی جانب داری کی - ہر دم خدا سے خوف کرتا رھتا اور اپنی عزّت اور خاندان کے نام کا بڑا خیال رکھتا - حاکم محکوم سب لوگ اس سے راضی تھے اور دل سے اس کی بہتری چاھتے تھے -

اس کا ایک بیٹا تھا محمدؐ جمیل الدّین اور ایک بیٹی تھی جہاں آرا بیگم - وہ ان دونوں سے محبت کرتا تھا مگر اپنے بڑے بھائی کی بیٹی کو بھی جس کا نام گیتی آرا بیگم تھا ، ان دونوں سے کچھ کم نہ چاھتا تھا - گیتی آرا بیگم کے ماں باپ اسے بچہ ھی چھوڑ کر مر گئے تھے ، اس سبب سے یہ لڑکی اپنے چچا ناصر الدّین کے پاس رھتی تھی - جمیل الدّین گیتی آرا بیگم سے دو برس بڑا تھا - جب اس کی عمر بارہ برس کی اور گیتی آرا بیگم کی دس برس کی ھوئی تو ناصر الدّین نے ان دونوں کی نسبت کردی مگر نکاح[1] مدّت کے بعد ھوا اور اس وقت تک دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے جدا رکھنا اور ان میں پردہ کرنا ضرور سمجھا گیا - گیتی آرا بیگم کے ماں باپ زندہ نہ تھے اور ناصر الدّین اس سے محبّت بھی بہت کرتا تھا ، اس سبب سے اس نے اپنی بھتیجی کی جدائی گوارا نہ کی بلکہ جمیل الدّین کو عجیب آباد سے اپنے چھوٹے بھائی محمد فیض الدّین کے پاس دھلی میں بھیج دیا کہ وھاں رہ کر علم تحصیل کرنے میں کوشش کرے -

جب ناصر الدّین تیس برس تک لیاقت اور دیانت سے سرکار کا کام انجام دے چکا تو اس نے پنشن کی درخواست کی - سرکار تو اس سے راضی ھی تھی فوراً پنشن منظور ھو گئی - اس نے دھلی آنے کا قصد

---

۱ - مسلمانوں کے ھاں چھوٹی عمر میں شادی نہیں کرتے اور پہلے سے نسبت کا ھونا ضرور نہیں ھے - بیاہ صرف نکاح ھی سے مراد ھے -

کیا اور سفر کا سامان جو کچھ ضرور تھا سب تیار کر لیا - جہاں آرا بیگم اور گیتی آرا بیگم مدّت سے عجیب آباد میں رہتی تھیں - اس سبب سے وہاں کی عورتوں کو جو اُن کے گھر میں کبھی کبھی آیا کرتی تھیں، ان لڑکیوں کی جدائی کا بہت قلق ہوا اور چلنے کے دن سب کی سب اپنی اپنی سواریوں میں بیٹھ کر ملنے کے لیے آئیں - باہر مردانے مکان میں ناصر الدّین کے رخصت کرنے کے واسطے پرگنے کے بہت سے آدمی جمع ہوئے - ناصر الدّین نے اپنے آدمیوں[1] سے سارا اسباب چھکڑوں پر لدوایا اور دونوں لڑکیوں کو ایک رتھ میں سوار کر کے اُن کی خدمت اور نگہبانی کے واسطے دو ماماؤں کو اُن کے پاس بٹھایا اور آپ گھوڑے پر سوار ہو، رتھ، چھکڑوں اور نوکروں چاکروں کو ساتھ لے، وہاں سے روانہ ہوا -

اُس کے اخلاق کا لوگوں کے دلوں پر نقش تھا، کوئی اُس کی جدائی نہ چاہتا تھا - سب آدمی جو باہر بیٹھے تھے، چشم پُر آب افسوس کرتے ہوئے مشایعت[2] کے واسطے اس کے ساتھ ہوئے اور کئی کوس تک پہنچا کر اُلٹے چلے آئے -

ناصرالدّین نے دو منزل تک تو آرام سے سفر کیا مگر پھر اتفاق سے اُسے بخار آگیا اور تین روز تک برابر چڑھا رہا، کچھ ہلکا نہ ہوا۔ دھلی کئی منزل رہ گئی تھی، اس سبب سے کسی قصبے میں ٹھہر گئے۔ وہاں مدّت سے دھلی کا ایک طبیب رہتا تھا، اُسے طلب کیا اور گھر میں اچھّی طرح پردہ کر کے اندر بلایا، مریض کے پلنگ کے برابر بٹھایا - طبیب نے آتے ھی نبض دیکھی، تمام حال دریافت کیا، پوچھا "شیخ صاحب! بُخار کب سے ھے؟ سردی سے آتا ھے یا گرمی سے؟ کیا ھر وقت چڑھا ھی

---

١ - جب لفظ 'آدمی' کی کسی شخص کی طرف نسبت کرتے ھیں تو اُس سے اُس شخص کا خدمت گار مراد ھوتی ھے مثلاً میرا آدمی اور آپ کا آدمی، اس سے میرا خدمت گار اور آپ کا خدمت گار مراد ھے -

٢ - کسی سے رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور جانے کو مُشایعت کہتے ھیں -

رهتا ہے یا کسی وقت ہلکا بھی ہو جاتا ہے ؟

ناصرالدّین نے تمام حقیقت اس کے روبرو بیان کی ۔ طبیب نے جواب دیا ''رستے کی ماندگی اور آب و ہوا کے اختلاف سے یہ بخار عارض ہوگیا ہے ، مادی نہیں ہے ۔ اب آپ یہیں ٹھہریے ۔ یہ قصبہ بھی اچھّا ہے ، ضروری دوائیں یہاں مل سکتی ہیں اور بندہ بھی ہر وقت خدمت گزاری کو موجود ہے ۔ جب شفا ہو جائے گی تو یہاں سے دہلی تشریف لے جائیے گا''۔

ناصرالدّین نے کہا ''آپ کی عنایت میں کچھ شک نہیں مگر دہلی بھی قریب ہے ، وہاں سب منتظر ہوں گے ۔ اب تو جس طرح ہو سکے ، اپنے شہر میں پہنچ جانا مناسب ہے ۔ مرض سخت معلوم ہوتا ہے ۔ دیکھا چاہیے ، پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے ! ہرچہ[1] از غیب میرسد نیکوست''۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک نوکر پُر تکلف خاصدان لایا ۔ اس میں پان کی گلوری اور الائچیاں اور پانچ روپے رکھّے ہوئے تھے ۔ طبیب نے گلوری کھا لی اور روپے دیکھ کر بولے ''آپ کو یہ تکلیف کرنی کیا ضرور تھی ! میں تو آپ کا نیاز مند ہوں ۔ خدمت ہی میں حاضر ہونا اپنی عزّت کا باعث جانتا ہوں''۔

ناصرالدّین نے کہا ''آپ کیا فرماتے ہیں ۔ یہ حقیر شے آپ کے لائق نہیں ہے مگر اس کا قبول کرنا بھی مہربانی سے بعید نہیں ہے''۔

طبیب نے اُس وقت اپنے ایک خدمت گار کو آواز دی اور روپے اُس کے پاس رکھوا دیے۔ پھر کچھ اور تسلّی اور تشفّی کی باتیں کر کے وہاں سے رخصت ہوا ۔

ادھر ناصرالدّین نے بھی دہلی چلنے کا قصد کیا اور دوسرے روز صبح ہوتے ہی پالکی میں سوار ہو ، اپنے تمام ہمراہیوں کو ساتھ لے ، دہلی کی طرف روانہ ہوا ۔ رات کو ایک جگہ مقام کیا اور طبیب کی

---

١ ۔ یعنی جو غیب سے ظاہر ہوتا ہے ، وہی اچھا ہے ۔

تجویز سے جو دوائیاں اپنے ساتھ لیتا آیا تھا ، اُن کا استعمال کیا ۔ علی الصّباح وهاں سے آگے بڑھا اور اُسی سرا میں آیا ، جس کا ذکر حصّے کی ابتدا میں بیان کیا گیا ھے ۔

یہاں اُسے ایسا بے هوشی کا بخار چڑھا کہ سب ساتھ والوں کے حواس ٹھکانے نہ رہے ۔ علاوہ اس کے آندھی اور مینہ کی وہ شدّت ہوئی کہ مسافر چوکڑیاں بھول گئے ۔ اُن کے پنجے اکھڑ گئے ، چھکّے چھوٹ[1] گئے ، سب کے دلوں پر دھاکا بیٹھ گیا ، ہر ایک آدمی اسی ششں و پنج میں پڑ گیا ۔ جہاں آرا اور گیتی آرا دونوں لڑکیاں یہ حال دیکھ کر چپکے چپکے اپنے رنج و مصیبت کی باتیں کرنے لگیں اور تکلیفوں کے دور ہونے کے واسطے خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگنے لگیں ۔ ناصرالدّین کو رات بھر شدّت سے بخار چڑھا رہا ۔ صبح کو کچھ افاقہ ہوا تو اُسے پالکی میں لٹا کر دهلی لے چلے اور شام کے وقت سب کے سب شہر میں پہنچ گئے ۔

وهاں فیض الدّین اور جمیل الدّین دونوں منتظر تھے ۔ ناصرالدّین کے آنے کی خبر سنتے هی اپنے نوکروں چاکروں سمیت تھوڑی دور استقبال کے واسطے گئے اور گھر تک اس کے ساتھ ساتھ آئے ۔ ان لوگوں کو جس قدر اس کے آنے کی خوشی ہوئی ، اُس سے زیادہ اُس کی بیماری کا رنج ہوا ۔ خیر جس طرح هو سکا ، پالکی سے اُتار کر گھر میں لے گئے اور ایک پلنگ پر لٹایا ۔ پھر پردہ کرا کے لڑکیوں کو رتھ میں سے اُتارا اور سارا اسباب بھی چھکڑوں میں سے نکال کر ٹھکانے سے لگایا ۔

گیتی آرا بیگم کے گھر میں جاتے هی جمیل الدّین کا وهاں جانا موقوف ہوا اور وہ باهر دیوان خانے میں رهنے لگا ۔ ضرورت کے وقت کبھی کبھی پردہ هو جاتا اور وہ گھر میں آ کر اپنے باپ سے مل جاتا ۔ محمد ناصرالدّین کے پاس اُس کے تمام رشتہ دار اور شہر کے سلیقے

---

۱ - ان تمام فقروں سے بیقرار ہونے اور گھبرانے سے کنایہ ھے ۔

امیر و رئیس آئے ۔ ہر ایک نے اُس کی خبر پوچھی اور تسکین و تسلّی کی باتیں کیں ۔

ناصرالدّین کو بیماری کی شدّت ہوتی گئی اور روز بروز اس کا حال بگڑنے لگا ۔ جب اُسے اپنی زندگی کی کچھ توقّع نہ رہی تو اُس نے اپنے بھائی فیض الدّین کو یہ وصیّت کی ''میرا تمام مال و متاع اور جائداد شرع کے موافق تقسیم کرنا ۔ جہاں آرا کے واسطے کوئی اچّھا خاندانی عزّت دار اور پڑھا لکھّا لڑکا تجویز کرنا ۔ میں اپنی بیٹی اور بھتیجی کو یکساں سمجھتا ہوں ۔ میرے بعد گیتی آرا کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا اور ہر طرح سے اُسے کی خاطر داری کرتے رہنا ۔ جس قدر جلدی ہو سکے ، جمیل الدّین سے اس کا نکاح کر دینا ۔ میرے مرنے سے کچھ ہراساں نہ ہونا ۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کو ہرگز نہ چھوڑنا ''۔

جب ناصرالدّین کی موت کا وقت قریب آیا اور نزع کی حالت میں اُس کا منہ خشک ہونے لگا تو خشکی کے دور ہونے کے واسطے اس کے منہ میں پانی ٹپکایا ، تھوڑا سا شربت پلایا ۔ اُس کے بیٹے جمیل الدّین نے جو حافظ قرآن تھا اور اس وقت اُس کے سرھانے بیٹھا ہوا تھا آہستہ آہستہ سورۂ یٰسین[1] پڑھنی شروع کی ۔ پھر سب لوگ جو وہاں موجود تھے ، کلمہ پڑھنے لگے ۔ وہ بھی اپنے منہ سے کلمہ پڑھتا رہا اور اسی حالت میں اس کی جان نکل گئی ۔ یہ سنتے ہی سب مردوں اور عورتوں نے افسوس کر کے قرآن کی عبارت کا ایک فقرہ[2] جو مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے ، اپنی اپنی زبان سے نکالا اور اس کا ترجمہ یہ ہے : ''بالتحقیق ہم خدا ہی کے واسطے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ''۔

---

۱ ۔ قرآن کی چھتیسویں صورت کا نام ہے اور مسلمانوں کے ہاں اکثر نزع کے وقت تکلیف کے رفع کرنے کے واسطے یہ سورۃ بیمار کو پڑھ کر سنایا کرتے ہیں ۔

۲ ۔ دوسری سورت کی ۱۵۱ آیت ۔

اس وقت کچھ آدمی چشم پُر آب ہو کر آہستہ آہستہ رونے لگے اور کسی نے چیخ مار کر آواز نہ نکالی ۔ دونوں لڑکیاں جو خُرد سال تھیں ، اپنے تئیں ضبط نہ کر سکیں اور آواز سے رونے لگیں ۔ بڑی عورتوں نے اُنھیں سمجھایا ''دیکھو اس طرح رونا شرع میں منع ہے ، صبر کرنا چاھیے ، صبر کا اجر خدا دیتا ہے اور قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

فیض الدّین نے بھی ان کی بہت تشفّی کی اور محبت کی باتوں سے اُن کی دل جمعی کی ۔ بارے وہ بھی چپکی ہو رہیں ۔ جوں ہی ناصرالدّین مر گیا ، وہیں اس کا منہ اور آنکھیں بند کر دیں اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے ملا کر کسی کپڑے کی دھجّی سے باندھ دیے تاکہ منہ اور آنکھوں کے کھلے رہنے اور پاؤں کے جدا جدا ہونے سے اس کی ہیئت ہیبت ناک نہ ہو جائے ۔

اب اس امر کی تاکید شروع ہوئی کہ جس قدر جلدی ہو سکے ، نہلا دھلا ، کفن دے کر ، دفن کر دینا چاھیے ۔ فوراً دو تین واقف کار آدمی شہر کے باھر جہاں اُن کے خاندان کا قبرستان اور مقبرہ بنا ہوا تھا ، قبر کھدوانے کو بھیج دیے اور یہاں اُس کے نہلانے کو پانی گرم کرنا شروع کیا اور گرم ہوتے وقت پاکیزگی اور صفائی کے واسطے اُس میں بیری[1] کے پتّے اور خطمی کے پھول ڈال دیے ۔ پھر مُردے کے نہلانے کی تجویز کر کے ایک علاحدہ مقام میں لمبا سا گڑھا کھودا تاکہ اُس کے غسل کا پانی سب طرف نہ پھیلے اور وہیں گڑھے میں اکٹّھا ہو جائے ۔ اس کے بعد ایک لمبا تختہ خوب دھو کر اور تین دفعہ خوشبو دے کر ، اُس گڑھے پر بچھایا اور مُردے کو لا کر اُس پر چت لٹایا ۔ پھر اُس کے عزیزوں[2] اور رشتہ داروں نے مذہب اسلام کی

---

۱ ۔ اگر اشنان جو ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے ، مل جائے تو پانی میں ڈالنا اس کا بہتر ہے ، ورنہ بیری کے پتے ڈال دینا چاھییں اور جو وہ وہ بھی نہ ہوں تو صرف پانی ھی کافی ہے ۔

۲ ۔ جو لوگ آپ مُردے کو نہلانا نہیں جانتے ، وہ اس امر کے واقف کاروں کو بلا لیتے ھیں ۔

شرطوں کے موافق نہلایا اور غسل دینے میں تین دفعہ دائیں طرف سے ، پھر بائیں طرف سے اُس کے اُوپر پانی بہایا ۔

ادھر تو اُس کے نہلانے دُھلانے کا سامان ہوتا رہا ، اُدھر ایک بڑی چار پائی سنگا کر اُس کے اُوپر نیا بوریا بچھایا اور سفید کپڑے کا بہت عمدہ کفن تیار کرایا ۔ کفن میں یہ تین کپڑے تھے : لفافہ ، ازار اور قمیض ۔ لفافہ اور ازار صرف دو چادریں تھیں اور قمیض جسے خاص مُردے کی نسبت کفنی بھی کہتے ہیں ، لمبے کُرتے کے طور پر ایک کپڑا بیچ میں سے چاک کیا ہوا تھا ۔ جب چارپائی پر بوریا بچھا چکے تو اُس کے اُوپر لفافہ اور پھر ازار بچھائی اور پھر چاک کی ہوئی جگہ تک کفنی پھیلائی اور باقی موڑ کر سرہانے کی طرف رکھ دی ۔

جب مُردے کو اچھی طرح نہلا دُھلا چکے تو اُس کے بدن کو کپڑے سے پونچھا اور صندل اور کافور پیس کر اس کی پیشانی ، ہاتھوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں یعنی اُن اعضا کو جو سجدے میں زمین پر ٹکتے ہیں ، لگا دیا اور یہی خوشبو کفن کے کپڑوں میں بھی چھڑک دی ۔ چارپائی پر کفن چُن ہی رکھا تھا، اُس پر مردے کو لا کر لٹا دیا اور کفنی کے چاک میں سے اُس کا سر نکال کر باقی کفنی کو جو مُڑی ہوئی اُس کے سرہانے رکھی تھی ، اُس کے اُوپر پھیلا دیا ۔ اس کے بعد ازار اور پھر لفافے کو لپیٹ دیا ۔ سر ، کمر اور پاؤں کے پاس نئے کپڑے کی دھجّیوں کے تین بند باندھ دیے تاکہ کفن ہوا سے نہ اُڑے ۔ کفن جو مرد[1] کے ساتھ قبر میں جاتا ہے ، انھیں تین کپڑوں کا ہوتا ہے مگر اس ہیئت کی پوشش کے لیے ایک لمبی چادر جو مُردے کو چارپائی سمیت اچھی طرح ڈھانک لے ، اس کے اُوپر ڈال دی اور اُڑنے اور سرکنے کے اندیشے سے اُس کے چاروں کونے چارپائی کے چاروں پایوں سے باندھ

---

۱ ۔ عورت کے کفن میں مرد کے کفن سے دو کپڑے زیادہ ہوتے ہیں ۔ ایک تو ڈامنی جو سر پر اُڑھائی جاتی ہے اور جس میں بال لپیٹ کر دونوں طرف رکھے جاتے ہیں ، دوسرے سینہ بند جو بغل سے زانو تک ہوتا ہے ۔

دیے اور پھر عود کی بتّی روشن کر کے سب طرف سے خوشبو دے دی۔

ناصرالدّین کے رشتہ دار اور شہر کے بعض رئیس باہر دیوان خانے میں بیٹھے ہی ہوئے تھے، جنازہ اپنے کندھے پر اُٹھا کر قبرستان کی طرف لے چلے۔ شہر میں سے اور بھی مسلمان ثواب کے خیال سے جنازے کے ساتھ ہوئے اور نوبت بہ نوبت کندھے دیتے گئے۔ جنازے کا سرھانا آگے کی طرف اور پاؤں پیچھے کی طرف تھے۔ سب آدمی کلمہ پڑھتے ہوئے موت کو یاد کرتے ہوئے، اُس کے پیچھے پیچھے معتدل رفتار سے چلے جاتے تھے۔

جنگل میں ایک اچّھا صاف سا مقام دیکھ کر جنازے کی نماز کے واسطے ٹھہرے۔ وھاں کسی کنوئیں پر لوگوں نے وضو کیا۔ پھر جنازے کا سر شمال[۱] اور پاؤں جنوب کی طرف رکھ کر سب لوگ صفیں باندھ کر نماز کے واسطے کھڑے ھو گئے۔ ناصرالدّین کے بیٹے جمیل الدّین کو جو ولی[۲] تھا، امام بنایا۔ اُس نے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس نماز میں چار تکبیریں کہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد خدا کی پاکی اور صفت و ثنا اور دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد مغفرت اور ایمان کی دعا پڑھی اور چوتھی تکبیر کے پیچھے دائیں بائیں سلام کہ کر نماز تمام کر دی۔

جب نماز سے فارغ ھو چکے تو جمیل الدّین نے اذن عام پکار دیا، اس وقت کچھ لوگ رخصت ھو گئے اور باقی قبرستان میں جنازے کے ساتھ گئے۔

وھاں پہلے ھی سے قبر تیّار ھو چکی تھی اور بشکل مستطیل

۱ - اس سمت سے وہ خط مراد ھے جس پر سمت قبلہ عمود ھو۔

۲ - امامت حق اول بادشاہ کا ھے۔ اگر وہ نہ ھو تو قاضی کا۔ اس کے بعد قبیلے کے امام کا، پھر ولی کا اور ولی اصطلاح میں اُس شخص کو کہتے ھیں جو بلحاظ میراث کے مُردے سے زیادہ‌تر قریب رشتہ رکھتا ھے۔

چوکھونٹی کھدی ہوئی تھی ۔ اس کا طول شمالی[1] اور جنوبی اور عرض مشرقی اور مغربی سمت میں تھا اور مغرب کی طرف مُردے کے رکھنے کے واسطے ایک لحد[2] بنی ہوئی تھی ۔ وہاں لے جا کر جنازے کو قبر کے پاس رکھ دیا ۔ پھر اُس کے اوپر کی چادر اُٹھائی اور مُردے کو قبلے کی طرف سے قبر میں اُتار کر لحد میں داخل کیا اور اس کا چہرہ ذرا قبلے کی طرف مائل کیا ۔ اس کے بعد گور کنوں سے قبر کو پٹوا دیا اور اُس کی صورت مسنّم[3] بنوا کر وہاں پانی چھڑکوا دیا تاکہ قبر کی مٹّی بالکل جم جائے، ہوا کے اثر سے اُڑنے نہ پائے، اچھی طرح تھم جائے ۔

جب ان کاموں سے فارغ ہو چکے تو سب نے فاتحہ پڑھی اور نوکروں نے اناج، روٹیاں اور نقدی جو پہلے سے ہاتھیوں پر اپنے ساتھ لیتے گئے تھے، مسکینوں اور فقیروں کو تقسیم کی ۔ ان لوگوں کا وہاں جمگھٹا لگا ہوا تھا، سب راضی اور خوش ہو گئے، دعائیں دیتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے ۔

مُردے کو دفن کر کے سب لوگوں نے گھر آنے کا ارادہ کیا ۔ بعید رشتہ دار اور شہر کے بعض رئیس رستے ہی میں سے جمیل الدّین اور فیض الدّین سے اجازت لے کر رخصت ہو گئے اور باقی عزیز و اقربا ناصر الدّین کے گھر آئے ۔ کھانا پکا پکایا بعض رشتہ داروں کے ہاں سے وہاں آ گیا تھا، سب نے مل کر کھا لیا ۔

تیسرے دن صبح کے وقت اکثر رشتہ دار اور شہر کے بہت سے امیر و رئیس مردانے مکان میں جمع ہوئے اور بہت سے مسکین اور فقیر لوگ بھی آئے ۔ قرآن کے تیسوں سپارے[4] جن کی جلدیں علاحدہ علاحدہ

---

۱ - یہاں بھی شمالی اور جنوبی سمت سے وہ سمت سمجھنی چاہیے جس پر سمت قبلہ عمود ہو اور مشرقی اور مغربی سمت سے قبلہ مراد ہے ۔

۲ - قبر کے پہلو میں جو مردے کے رکھنے کے واسطے اور جگہ بنا لیتے ہیں اُسے لحد کہتے ہیں اور لحد صرف تحت زمین میں کھودی جاتی ہے ۔

۳ - یعنی اونٹ کے کوہان کی سی ۔

۴ - سپارہ مختصر ہے لفظ سی پارہ کا اور لفظ سی پارہ قرآن کے تیسوں حصوں میں سے ہر ایک حصے کو کہتے ہیں ۔

بندھی ہوئی تھیں ، وھاں بیچ میں رکھے ہوئے تھے ۔ ہر ایک نے وھاں سے لے کر ایک ایک دو دو سپارے پڑھے اور تھوڑے عرصے میں کئی قرآن ختم ہو گئے اور دو تین لاکھ دفعہ کلمہ پڑھا گیا ۔

جب فاتحہ ہو چکی تو لوگوں نے جمیل الدّین کے آگے اُس کے باپ کی تعزیت کی اور اُسے صبر شکر کرنے اور خدا کی رضا پر راضی رھنے کی نصیحت کی ۔ آج کے دن بہت افراط سے کھانا پکا تھا، مسکینوں اور فقیروں کو بھی تقسیم کرایا گیا ، عزیزوں اور قریبوں کو بھی کھلایا گیا ۔ تھوڑی دیر بعد سب لوگ رخصت ہو کر چلے گئے ۔

کنبے کی عورتیں کچھ تو ناصرالدّین کے مرتے ھی اور کچھ آج کے دن سواریوں میں بیٹھ کر اُس کے گھر گئی تھیں ؛ اُن میں سے اکثر آج ھی اپنے اپنے گھر چلی آئیں اور کچھ رہ بھی گئیں ۔

اس کے بعد چند روز تک اور بھی رشتہ دار اور دوست آشنا تعزیت کے واسطے آیا کیے۔ باھر مردانے مکان میں جمیل الدّین اور فیض الدّین اور اندر زنانے میں فیض الدّین کی بیوی نجم النّسا بیگم اور دونوں لڑکیاں مہمانوں کی خاطرداری کرتی رھیں اور علاوہ اس کے جمیل الدّین اور اس کی بہن جہاں آرا بیگم دونوں اپنے باپ کے مال میں سے غریبوں اور فقیروں کو بہت سا کچھ تقسیم کرتے رہے ۔

ناصر الدّین کے مرنے کے بعد جہاں آرا اور گیتی آرا اپنی چچی نجم النّسا کے پاس رھیں اور وہ اُن دونوں سے بہت محبت کرتی رھی ۔ جمیل الدّین باھر مردانے مکان میں رھتا اور مولوی فخر الدّین سے جو فارسی اور عربی میں بڑا مسلّم اُستاد اور معقول اور منقول میں فاضل بے بدل تھا ، علم تحصیل کرتا رھتا اور پڑھنے لکھنے میں بہت توجّہ کرتا ؛ کبھی ضرورت کے وقت پردہ کرا کے اپنی چچی سے ملنے کو چلا جاتا ورنہ ھمیشہ اپنے اُستاد کی خدمت میں حاضر رھتا اور فخر الدّین کی فرماں برداری اپنے دین کے فخر کا باعث سمجھتا ۔

جب ناصرالدّین کو مرے ہوئے ایک برس کا عرصہ گزر گیا تو

جہاں آرا بیگم کی خالہ[1] زاد بہن مریم کا ھدیہ[2] اور اُس کے بھائی رحمان بخش کی بسم اللہ[3] قرار پائی - جہاں آرا کی خالہ نے سب عورتوں کو بلاوا بھیجا اور اُسے بھی اپنے گھر میں بلایا - ساری عورتیں نفیس نفیس پوشاکیں اور عمدہ عمدہ زیور پہن کر پردہ دار سواریوں میں بیٹھ کر اُس کے گھر گئیں اور اپنی اپنی ماماؤں اور نوکروں کو بھی ساتھ لیتی گئیں- ھر چند جہاں آرا بیگم کے دل سے باپ کا غم دُور نہ ھوا تھا اور وہ نا کتخدا[4] بھی تھی ، شرم و لحاظ غالب تھا ، ھر جگہ جانا نا مناسب تھا مگر ایسے پاس کے رشتے میں اس کی چچی ھرگز انکار نہ کر سکی اور اپنے ساتھ لے گئی -

جہاں آرا نے پردہ دار پالکی میں سے اُترتے ھی اپنی خالہ کو بڑی تعظیم و تکریم سے سلام کیا ، بہت ادب و قاعدے سے کلام کیا ، اُس نے اسے گلے سے لگایا اور محبت سے اپنے پاس بٹھایا - پھر وہ اپنی چچی کے اشارے سے اُٹھ کر مہمانوں سے علاحدہ ، چپکی ایک کونے میں جا بیٹھی اور اُس کی ددا[5] گلاب بھی اُس کے ساتھ رھی -

اس عرصے میں وھی لڑکی مریم جس کا ھدیہ ھونے والا تھا ، اُس کے پاس آئی اور آتے ھی جہاں آرا بیگم کو سلام کیا - جہاں آرا نے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اُس کے پڑھنے کا حال پوچھتی رھی - مریم نے خوش آوازی سے اُس کو قرآن کا ایک رکوع[6] سنایا - جہاں آرا

---

۱ - خالہ عربی میں ماں کی بہن کو کہتے ھیں -
۲ - ھدیہ اصطلاح میں قرآن کے ختم کرنے کی تقریب کو کہتے ھیں -
۳ - بسم اللہ اصطلاح میں وہ تقریب کہلاتی ھے جس میں بچہ پہلے پہل پڑھنا شروع کرتا ھے -
۴ - کدخدا اور کتخدا دونوں درست ھیں اور اس کے لغوی معنی صاحب خانہ ھیں اور اصطلاح میں بیاھے ھوئے آدمی کو کہتے ھیں -
۵ - یہ لفظ ددہ ھے اور اصل میں ترکی ھے ، اُس عورت کو کہتے ھیں جو بچہ پالنے کے واسطے نوکر رکھی جاتی ھے -
۶ - رکوع اصطلاح میں قرآن شریف کی تھوڑی سی مقرر عبارت کو کہتے ھیں -

بہت خوش ہوئی اور بولی ''بُوا ! تم بڑی ذہین ہو۔ تم نے اتنی سی عمر میں قرآن شریف ختم کر لیا ہے۔ عجب نہیں ہے کہ تم جلدی سے فارسی کی بھی کچھ کتابیں پڑھ لو''۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رحمان بخش چو چار برس کا تھا، وہاں آ گیا اور سلام کر کے جہاں آرا کی گود میں ہو بیٹھا۔ جہاں آرا نے اُسے پیار کیا اور پوچھا ''میاں[1] ! بھلا بتاؤ تو کیوں مہمان جمع ہوئے ہیں ؟ اور اپنا سپارہ تو دکھاؤ، کہاں ہے ؟ ہم نے سنا ہے، تمھارے واسطے کمخاب[2] کا جھمجھاتا[3] جزدان سیا گیا ہے''۔

رحمان بخش نے اپنی ددا لطیفہ نامی سے کہا ''اچھی ددا ! میرا سپارہ لائیو، میں آپا[4] جان کو دکھاؤں''۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک بیاہی ہوئی لڑکی جس کا نام دل افروز بیگم تھا، اس بچّے کی پیاری پیاری باتیں سُن کر وہاں آ بیٹھی اور وہ بھی اُس سے باتیں کرنے لگی۔ رحمان بخش گو کم عمر تھا، مگر اس کی بات مزے کی تھی، چالاکی سے جواب دیتا رہا۔ دل افروز جہاں آرا کو پہلے سے جانتی تھی مگر اس وقت جان بوجھ کر اس بچّے سے امتحاناً پوچھنے لگی ''میاں ! جن کی گود میں تم بیٹھے ہو یہ تمھاری کون ہیں ؟''

اُس نے کہا ''تم کیا نہیں جانتی ہو، یہ میری آپا جان ہیں''۔

دل افروز نے کہا ''تمھاری آپا جان بڑی غریب ہیں جو ایک کونے میں خاموش بیٹھی ہیں۔ کچھ تم ہی سے باتیں کرتی ہیں، ہم سے تو بولتی بھی نہیں''۔

---

۱ - میاں ہندی میں خاوند اور آقا کو کہتے ہیں اور محبت کا بھی ایک لفظ ہے، اکثر کلام کرتے وقت آپس میں بولتے ہیں -

۲ - خاب فارسی میں روئیں کو کہتے ہیں -

۳ - یعنی خوب چمکتا ہوا اور اس قسم کے الفاظ اکثر بچوں کے ساتھ بولا کرتے ہیں -

۴ - آپا بڑی بہن کو کہتے ہیں -

جہاں آرا بیگم نے کچھ جواب نہ دیا مگر لطیفہ جو ان دونوں کے تعارف سے واقف نہ تھی، جھٹ بول اُٹھی ''بیگم! تم انھیں نہیں پہچانتیں، خدا رکھے[1]، جہاں آرا بیگم ہیں، ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی ہے، بات بھی کہیں نہیں ٹھہری ہے، اس لیے شرم و لحاظ سے کونے میں بیٹھی ہیں - ان کے باپ کا انتقال ہو گیا، شادی کا ارمان جی کا جی ہی میں رہ گیا - ہزاروں روپے ان کی زبان میں تھے، بڑے دور دورے تھے - اب بھی اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے - ملکوں کی بہتیری آمدنی ہے، ہر چیز موجود ہے، مگر خدا جلدی سے اُن کے بیاہ کا دن دکھائے، الٰہی مُراد کے موافق شادی ہو جائے!''

جہاں آرا جو پہلے ہی دل افروز کے آنے سے شرما گئی تھی، لطیفہ کی یہ باتیں سُن کر اور بھی لحاظ کرنے لگی - یہ دیکھ کر دل افروز بولی ''بؤا! تم مجھ سے اتنی کیوں شرماتی ہو؟ میں تو کوئی غیر نہیں ہوں، ہمیشہ تمھارے گھر والوں سے ملتی رہتی ہوں - دیکھو تمھارے ابّا جان مجھے کیسا پیار کرتے تھے، اپنے ہاں کی لڑکیوں سے کچھ کم نہ چاہتے تھے - اب تمھاری چچی بھی جن کو میں خالہ جان کہتی ہوں، مجھ سے بہت محبّت رکھتی ہیں - کیا بتاؤں کیسی الفت کرتی ہیں''۔

جب دل افروز نے جہاں آرا سے اس قسم کی باتیں کیں تو اُس نے بھی خیال کیا کہ یہ میرے سارے گھر سے واقف ہے اور یہ سمجھ کر اُس سے کچھ گفتگو کی اور بولی ''بُؤا! جب سے ابّا جان مرحوم کا انتقال ہوا، مجھے اُن کا بہت غم و الم رہتا ہے - اُن کی محبّت کا خیال آتا ہے تو چھاتی[2] پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے، پھر دل کو سمجھاتی ہوں کہ دنیا نا پائدار ہے، خدا کے سوا کسی کی ذات کو بقا نہیں - خیر صبر کرتی ہوں، جو گزرتی ہے، دل ہی پر گزرتی ہے''۔

---

۱ - یہ جُملہ دعائیہ ہے، یعنی خدا انھیں زندہ رکھے -

۲ - 'چھاتی پر سانپ لوٹنا' نہایت اضطراب اور غم سے کنایہ ہے -

دل افروز نے کہا "بُوا ! صبر عجب چیز ہے ۔ تم اپنے دل کو بہلایا کرو ۔ آؤ چلو، صحن میں پھرو ، اس طرح کیوں گھٹی بیٹھی ہو ، ذرا باہر نکلو"۔

اس عرصے میں کھانے کا وقت آ گیا ، پُر تکلّف دستر خوان چُنا گیا ، کھانا رکھّا گیا ، سب نے مل کر کھایا ، پھر دستر خوان بڑھایا ۔ اس کے بعد چلمچی[۱] آفتابہ لا کر مہانوں کے ہاتھ دُھلائے ، پان بنے ہوئے رکھے تھے ، سب کو کھلائے ۔

جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو عورتوں نے وضو کر کے نماز پڑھی ، پھر ھدیہ کی تیاری ہونے لگی ؛ مریم کو نہلا دھلا کر بہت نفیس پوشاک اور عمدہ عمدہ زیور پہنائے ، دالان میں پہلے ھی سے اچھا فرش بچھا ہوا تھا ، قرینے سے تکیے لگے ہوئے تھے ، وھاں صدر جگہ مسند پر مریم کو لا بٹھایا ۔

اتنے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ مریم اور اور لڑکیوں اور بڑی عورتوں نے نماز پڑھی، پھر بہت شائستگی سے سب کی سب تکیوں سے لگ کر بیٹھ گئیں ۔ بیچ میں دو کشتیاں رکھی گئیں ؛ ایک میں مریم کی اُستانی کا بہت عمدہ جوڑا اور دوسری میں اُس کی نذر دینے کے لیے سو روپے نقد رکھے ہوئے تھے ، علاوہ اس کے اُسی جگہ مٹھائی کے بھی بہت سے خوان چنے ہوئے تھے ۔

اُستانی جو مریم کے گھر ھی میں رھتی تھی ، بہت تعظیم و تکریم سے لائی گئی اور صدر مجلس میں مسند پر مریم کے پاس بٹھائی گئی ۔ اُس نے آتے ھی نظم میں کچھ دُعا پڑھی اور دعا کے ہر شعر پر سب لڑکیوں نے جو مریم کی ہم عمر تھیں ، بلند آواز سے آمین کہی ۔ جب دعا ختم ہو چکی تو مریم نے کھڑے ہوکر پہلے اُستانی

---

۱ - یہ لفظ ترکی ہے اور اصل میں اس کا صحیح تلفّظ بائے فارسی سے ہے مگر عوام چلمچی بولتے ہیں اور بعض آدمی جو سیلاپچی کہتے ہیں یہ تکلف سے خالی نہیں ۔

کو پھر سب عورتوں کو بہت ادب سے سلام کیا ، ساری مجلس میں اپنا نام کیا ۔ اس کے بعد مریم کی ماں کو سب نے مبارک باد دی ۔ اُس نے اُسی وقت دونوں کشتیوں پر سے کشتی پوش اُتار کر جوڑا اور سو روپے نذر کے طور پر اُستانی کے روبرو پیش کیے اور کہا ''میں آپ کا حق کسی طرح ادا نہیں کرسکتی ، اسے قبول فرمائیے''۔

اُستانی نے کچھ تامّل کے بعد دونوں چیزیں لیں اور لڑکی کو بہت سی دعائیں دیں ۔ پھر نجم النّسا جہاں آرا اور دل افروز نے مریم کے ھاتھ میں پانچ پانچ روپے دیے اور اَور عورتوں نے بھی اپنے اپنے رشتے اور مقدور کے موافق یہی ڈھنگ برتا ۔ پھر خوانوں کے خوان پوش اُتارے گئے اور بلّورین طشتریوں میں شیرینی تقسیم ھوئی ، گھر میں عورتوں کو دی گئی اور باھر دیوان خانے میں جو بعض عزیز بیٹھے تھے ، انھیں بھی بھیجی گئی ۔

اتنے میں مغرب کا وقت آ گیا ، سب نے نماز ادا کی اور تھوڑی دیر بعد کھانا کھایا اور پھر عشا کی نماز پڑھ کر بڑی رات گئے سونے کی تیاری کی ۔ پلنگ دالانوں میں بچھے ھی ھوئے تھے ، اپنے اپنے ٹھکانے سے جا لیٹیں ۔

جہاں آرا اپنے پلنگ پر سو رھی اور اُس کے پاس اس کی دَدا گلاب بھی ایک چارپائی بچھا کر لیٹ رھی ۔ پچھلی رات کو کچھ عورتیں جاگیں اور وضو کرکے تہجّد کی نماز اور وظیفہ پڑھتی رھیں ۔ صبح بہت سویرے ھی باقی عورتیں بھی اُٹھیں ، سب نے وضو کیا ، نماز ادا کی ، بہت دیر تک وظیفہ پڑھا ، خدا کی درگاہ میں دعا کی ۔

تھوڑا ھی عرصہ گذرا تھا کہ دل افروز کے گھر سے اُس کا نوکر نور خاں آیا ۔ اُس نے اندر اطلاع کرا کے دل افروز کی دَدا سوسن کو بلایا ، اُس کی آواز سنتے ھی وہ گھبرائی اور جھٹ ڈیوڑھی پر آئی ۔ نور خاں بولا ''میں ایک خوشخبری لایا ھوں ، بیگم صاحب سے کہہ دو ابھی حضور کے بھائی صاحب آئے ھیں ، جلدی سے آپ کو بلایا ھے ،

گھوڑے پر سے اُترتے ہی مجھے ادھر بھیجا ہے ، آپ نوکروں چاکروں سے اسباب اُتروا رہے ہیں "۔

یہ شخص محمد یوسف ناسی ایک بڑا لئیق اور نو عمر جوان تھا اور اپنے سب رشتہ داروں کے ساتھ دھلی ہی میں رھتا تھا ، مگر سرکاری نوکری کے سبب سے چار برس سے باھر گیا ھوا تھا اور سرکار انگریزی کو اپنی کار گزاری اور لیاقت دکھا کر چھوٹی ھی عمر میں رسالے کا جمعدار ھو گیا تھا ۔ محمد یوسف اور اُس کے عزیز و اقربا ذات کے سیّد اور بہت عزت دار آدمی تھے ۔ اس کا باپ محمد یعقوب پہلے انگریزوں کے ھاں رسالدار بہادر تھا اور سکّھوں کی لڑائی میں لاھور پر بہت بہادری اور ثابت قدمی سے لڑا تھا ، مگر اب اُس نے پنشن لے لی تھی اور بہت اچھی طرح فراغ بالی سے زندگی بسر کرتا تھا ۔ انگریز اُس کی بہت توقیر کرتے تھے اور اسی کے سبب سے سرکار انگریزی میں اُس کے بیٹے کی بھی بڑی عزّت تھی ۔

جب دل افروز نے سوسن کی زبانی اپنے بھائی کے آنے کا حال سنا تو بہت خوش ھوئی اور اس کو اس کے ملنے کا ایسا اشتیاق ھوا کہ یکا یک جہاں آرا سے کہنے لگی "لو[1] بُوا خدا حافظ ! اب میں اپنے گھر جاؤں گی اور بھائی سے ملوں گی "۔

جہاں آرا کی ددا گلاب جو وھیں بیٹھی تھی ، بولی "بیگم ! ایسی کیوں گھبراتی ھو ، خدا تعالیٰ نے تمھارے بھائی کو بھیج دیا ، اب دل جمعی سے جا کر مل لینا ۔ آج لڑکے کی بسم اللہ ھونے کو ھے ، سارے مہمان ٹھہر گئے ھیں ، تمھارا رھنا بھی ضروری ھے ۔ بیٹی[2] ! تمھارا اور اُن کی خالہ کا ایسا معاملہ نہیں ھے کہ تم بسم اللہ کا انتظار نہ کرو اور ابھی چلی جاؤ "۔

دل افروز نے کہا " ددا اگر مجھے بھائی کے آنے کی خبر نہ ھوتی

---

۱ - لفظ 'لو' لینے سے امر کا صیغہ ھے اور آگاھی کا بھی کلمہ ھے ۔
۲ - یہاں محبت کے طور پر اس لفظ کو استعمال کیا گیا ھے ۔

تو کچھ مضائقہ نہ تھا ، میں ٹھہر جاتی مگر اس خبر کے سننے کے بعد تو مجھ سے نہیں رہا جاتا ، یہی جی چاہتا ہے کہ ابھی بھائی سے جا کر ملوں "۔

اتنے میں رحان بخش کی ددا لطیفہ بولی "بیگم ! تمھارے بھائی ایسے کہاں گئے ہوئے تھے جو تم اُن کے آنے کی خبر سنتے ہی گھبرائیں اور چلنے کو تیار ہوگئیں ؟"

دل افروز نے لطیفہ کی طرف مخاطب ہو کر اپنے بھائی کا حال بیان کرنا شروع کیا اور کہا "ددا ! یہ میرا چھوٹا بھائی ہے ، مجھے اس سے بہت محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے ایسی الفت کرتا ہے کہ کیا بیان کروں ! چشم بد دور ! صورت شکل والا ہے اور اتنی سی عمر میں ایسی بہادری کے کام کرتا ہے جن کے سننے سے تعجب آتا ہے ۔ وردی کے کپڑے اس پر لاکھ لاکھ زیب دیتے ہیں اور سفید پوشاک کو تو خود اسی سے رونق ہو جاتی ہے "۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں دل افروز کے بھائی نے اپنے دوسرے آدمی کے ساتھ پالکی بھیجی اور بلانے کی تاکید کی ۔ دل افروز فوراً جانے کے واسطے کھڑی ہوگئی اور رخصت ہونے کے ارادے سے سب سے ملنے لگی ۔ اس وقت مریم کی ماں نے دل افروز کے پاس آ کر کہا "بیٹی ! تمھارے مزاج میں بڑی جلدی ہے ، بھلا کوئی مہمان بے کھائے بھی کسی کے گھر سے جاتا ہے ؟ بھائی کی بسم اللہ کا انتظار نہیں کرتیں تو کھانا تو کھاتی جاؤ، تیار ہے ، دسترخوان بچھتا ہے "۔

یہ سن کر وہ تھوڑی دیر ٹھہری رہی ، پھر کھانا کھا کر اپنے گھر روانہ ہوئی ۔

ادھر تو وہ جا کر اپنے بھائی سے ملی ، ادھر بسم اللہ کی تیاری ہوتی رہی ۔ عزیز و اقربا اور شہر کے امیروں اور رئیسوں کے لیے پہلے ہی سے رقعے بھیجے گئے تھے، عصر کی نماز پڑھتے ہی سب لوگ آئے

اور مردانے مکان میں تکیوں سے لگ کر قرینے سے ہو بیٹھے -

رحمان بخش کو نہلا دھلا بہت عمدہ پوشاک پہنائی اور ایک شخص اسے گود میں اٹھا کر باھر لایا اور صدر مقام میں اسے تکیے سے لگا کر مسند پر بٹھایا - استاد جن سے بسم اللہ پڑھوانی منظور تھی، وھاں آئے اور انھیں سب لوگ اعزاز و اکرام سے صدر مجلس میں لائے - پاس کے رشتہ دار بھی اس وقت مسند کے پاس آ بیٹھے -

رحمان بخش کے پاس ایک کمخواب کا جزدان تھا اور اس میں سرخ[1] طلائی کاغذ پر بسم اللہ اور سورۂ علق[2] لکھی ھوئی تھی - استاد نے جزدان میں سے کاغذ نکال کر ایک تکیے پر رحمان بخش کے آگے رکھا - شرینی کے خوان پہلے ھی سے وھاں موجود تھے، ان میں سے ایک خوان اس کے آگے سرکا کر کہا ''اگر تم پڑھ لوگے تو جتنی مٹھائی چاھنا آپ لے لینا اور جتنی چاھنا اور لڑکوں کو دے دینا''-

پھر استاد جو جو اپنے منہ سے بولتا گیا، لڑکا جلدی جلدی پڑھتا گیا - اس کے بعد استاد اور ساری مجلس کے لوگوں نے دعا کی اور پھر سب نے مبارکباد ادا کی - استاد کو ایک اشرفی، سات روپے اور بھاری جوڑا دیا گیا اور آئندہ بھی ھر موقع پر اس کے حق کا بہت خیال کیا گیا -

اس کے بعد لوگوں نے رحمان بخش کے ھاتھ میں کچھ روپے دیے، پھر مردانے اور زنانے میں شیرینی تقسیم کی گئی، لڑکے کی ماں کو بھی بہت بہت مبارک دی گئی -

جب شام ھوئی تو سب مردوں نے باھر کھانا تناول کیا اور بہت اچھی خوشبودار گلوریاں جو منہ صاف کرنے کے واسطے تیار

---

۱ - سرخ طلائی کاغذ صرف بچوں کے خوش ھونے کے واسطے لکھا جاتا ھے -
۲ - اھل اسلام کی کتابوں میں لکھا ھے کہ قرآن کی یہی سورت پہلے پہل نازل ھوئی تھی اور اس کا ذکر پہلے حصے میں حضرت محمدؐ کے بیان میں گزر چکا ھے -

ہو کر آئی تھیں ، کھا کر رخصت ہوئے ۔ دوسرے روز عورتیں بھی سواریوں میں بیٹھ بیٹھ کر اپنے اپنے گھر چلی گئیں ۔ جو لوگ اس تقریب میں نہیں آئے تھے ، دستور کے موافق ان کے حصّے خوانوں میں چنوائے گئے اور ان کے گھر بھجوائے گئے ۔

اس کے بعد دل افروز کو جہاں آرا کی ایسی محبّت ہوگئی کہ ہمیشہ تیسرے چوتھے دن اس کی خبر کے واسطے اپنا آدمی بھیجتی رہی اور اس کی چچی نجم النّسا کے مزاج کی کیفیت بھی دریافت کرتی رہی ۔ ایک روز اس کے آدمی نے آکر کہا "حضور! میں ڈیوڑھی پر گیا تھا ، ماما نے کہا بیگم صاحبہ آرام کرتی ہیں ، آج ان کی طبیعت کچھ ماندی ہے ، میں جگا نہیں سکتی "۔

دل افروز یہ بات سن کر بہت فکر مند ہوئی اور دوسرے روز صبح ہی سواری میں بیٹھ کر عیادت[1] کے واسطے جہاں آرا کے گھر گئی ۔ اُترتے ہی نجم النّسا کو سلام کیا اور گیتی آرا بیگم سے بھی ملی ۔ نجم النّسا نے اُسے گلے سے لگایا اور جہاں آرا کے پاس لے گئی ۔ جہاں آرا ایک پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور گلاب اس کے پاس بیٹھی ہوئی رومال ہلا رہی تھی ۔ دل افروز نے جہاں آرا سے پوچھا "بُوا ! تمھاری طبیعت کچھ علیل ہے ؟ مجھ سے تو کہو ، کیا حال ہے ؟ جس وقت سے مَیں نے یہ خبر سُنی ہے ، اُسی وقت سے دل کو ایسی بے قراری ہوئی ہے کہ کیا بیان کروں ! خیر رات تو جس طرح ہو سکا ، گزاری ، مگر صبح کو نہ رہ سکی ۔ آپ ہی تمھارے پاس آئی ، بارے تمھیں بھی ہوش و حورس میں دیکھا ، دم میں دم آیا ۔ اب تم اپنا مفصّل حال بیان کرو ، جو اچھی طرح میرا اطمینان ہو "۔

جہاں آرا نے اپنے مزاج کی کیفیت اُس کے روبرو بیان کی اور کہا "بُوا ! مجھے دو روز سے اعضا شکنی اور بخار تھا ، درد سر بھی شدّت سے تھا ، اب بخار کو افاقہ ہے ، درد سر بھی کم ہے ، حکیم جی

---

۱ - بیمار پرسی -

آئے تھے ، نسخہ پینے کو دے گئے تھے ، دوائیں اچھی ہیں اور خدا کی عنایت سے مجھے موافق بھی ہیں''۔

یہ کہہ کر اپنی ددا سے نسخہ منگایا اور دل افروز کو پڑھ کر سنایا ۔ دل افروز نے وہ نسخہ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی دواؤں کو دیکھ کر پسند کیا ۔

اتنے میں کھانے کا وقت آیا ، دستر خوان بچھا کر سب نے کھانا کھایا ۔ دل افروز کی پٹاری اس کی ددا اپنے ساتھ لیتی آئی تھی مگر یہاں نجم النسا ہی کے پاندان میں سے اسے گلوریاں دی گئیں اور مہمان نوازی کی ساری رسمیں پوری کی گئیں ۔

جب تھوڑا سا دن باقی رہ گیا تو دل افروز نے نجم النسا سے گھر جانے کی اجازت مانگی اور جہاں آرا سے جا کر کہا ''لو بوا ! خدا حافظ ! اب تو میں جاتی ہوں ، خدا چاہے تو عنقریب ملاقات ہوگی ۔ تمہاری چچی کے ہاں لڑکا بالا پیدا ہونے والا ہے ، بھلا وہ مجھے کاہے کو چھوڑیں گی ؟ ضرور بلائیں گی''۔

اس گفتگو کے بعد سوار ہو کر اپنے گھر چلی گئی مگر اب بھی بدستور اپنا آدمی اس کی خبر کے واسطے بھیجتی رہی اور جہاں تک ہو سکا ، اس سے اور اس کی چچی سے ملاقات بڑھانے میں کوشش کرتی رہی ۔

چند روز کے بعد رمضان کا مہینا آیا اور دل افروز بیگم کی چھوٹی بہن قمر زمانی کا جو سات برس کی تھی روزہ قرار پایا ۔ ان لڑکیوں کی ماں پہلے ہی مر گئی تھی ، اس سبب سے قمر زمانی کے روزہ رکھنے کا بلاوا اس کی بڑی بہن دل افروز کی طرف سے گیا ۔ اس نے کنبے کی سب عورتوں کو بلا بھیجا ، نجم النسا ، گیتی آرا اور جہاں آرا کو بھی کہلا بھیجا ۔

ایسے دور کے رشتے میں کواری لڑکیوں کا جانا کب مناسب تھا ، وہاں صرف نجم النسا بیگم کا ہو آنا واجب تھا ۔ آخر وہ خود ہی پالکی میں سوار ہو کر چلی گئی اور ایک ماما کو بھی اپنے ساتھ لیتی

گئی - دل افروز اُس کے جانے سے بہت خوش ہوئی اور بڑی تعظیم سے دروازے کے پاس سے اُتروا کر دالان میں لے گئی - وہاں بہت سے مہمان جمع تھے ، سب کے سب نجم النّسا سے ملے - اتنے میں قمر زمانی بھی آئی اور اُس نے بہت آدب سے سلام کیا - نجم النّسا نے دعا دے کر اُسے اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا "بُوا ! آج تم روزے سے ہو ؟ بتاؤ تو تم نے کیا سحری[1] کھائی تھی اور اب روزہ کھولنے کی کیا کیا تیّاریاں ہو رہی ہیں ؟"

وہ لڑکی اُسے جواب دیتی رہی - جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو اُستانی نے آ کر اُسے وضو کرایا اور پہلے پہل نماز پڑھوائی - نماز کے ختم ہونے کے بعد سب نے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس لڑکی کو نیک ہدایت دے ! عبادت اور نیک نیّتی کی طرف مائل رکھے ، جھوٹ اور خیانت سے بچائے رکھے اور اس وقت سے ہمیشہ نماز کی اُس پر تاکید رہی -

جب آفتاب غروب ہونے کو آیا اور روزہ کھولنے کا وقت قریب آیا تو افطاری[2] کی تیّاری ہونے لگی - پن بھتّا ، فالودہ اور طرح طرح کے لذیذ شربت بنائے گئے ، فصل کی تازی ترکاریاں ، فالسے ، کھرنی ، شفتالو اور اور اسی قسم کی چیزیں قرینے سے لگائی گئیں ، نمک مرچ چھڑکی ہوئی ، نیبو[3] نچوڑی ہوئی چٹ پٹی دالیں بلّوریں طشتریوں میں رکھی گئیں - مغرب کی اذان ہونے سے پہلے ہی سب چیزیں تیّار کر کے دیوان خانے میں جہاں مرد اکھٹّے تھے ، بھجوا دیں اور گھر میں بھی ہر ایک مہمان کے آگے رکھوا دیں -

روزہ کھولنے کا وقت قریب آ ہی گیا تھا ، سارے روزہ دار

---

۱ - سحری اُس کھانے کو کہتے ہیں جو مسلمان لوگ پچھلی رات کو کھا کر دن کو روزہ رکھتے ہیں اور اُسے سحر گہی بھی بولتے ہیں -

۲ - افطار کے معنی روزہ کھولنے کے ہیں اور افطاری اصطلاح میں اُن چیزوں کو کہتے ہیں جو روزہ کھولتے ہی کھانا کھانے سے پہلے تناول کی جاتی ہیں -

۳ - اس لفظ کی اصل سنسکرت کی طرف راجع ہے -

دعائیں مانگنے لگے - قمر زمانی سے بھی خدا کی درگاہ میں رجوع کروائی اور اس سے نیک باتوں کی دعا منگوائی - سب عورتوں نے آفتاب کے غروب ہوتے ھی قمر زمانی کا روزہ کھلوایا اور فوراً آپ بھی افطار کیا ، پھر مردوں نے باھر اور عورتوں نے اندر افطاری تناول کی -

جب مغرب کی نماز سے سب فارغ ھو چکے تو پہلے کھانا فقیروں کو تقسیم کرایا گیا اور پھر مردانے اور زنانے میں جدا جدا دستر خوان بچھایا گیا - اس وقت کے کھانے کا کیا پوچھنا ھے !

ھر قسم کی چیز موجود تھی، خاطر داری اور مہمان نوازی کی بھی کچھ کمی نہ تھی ، سب نے اچھی طرح کھانا کھایا - مردوں کو عشا کی نماز اور تراویح[1] پڑھنے مسجدوں میں جانا تھا ، اُسی وقت چلے گئے اور عورتیں تھوڑی دیر بعد گھر ھی میں نماز اور تراویح میں مصروف ھوئیں -

پھر سب نے پچھلی رات کو سحری کھائی اور دوسرے روز بدستور روزہ رکھّا - آج کے دن سب مہمان رخصت ھوئے اور نجم النّسا بیگم بھی اپنے گھر چلی گئی - گیتی آرا اور جہاں آرا دونوں اس کی منتظر تھیں ، انھوں نے اپنی چچی کو سلام کیا اور بہت ادب سے ملیں - دل افروز نے نجم النّسا کی زبانی گیتی آرا اور جہاں آرا کو بہت بہت سلام کہلا بھیجا تھا ، اُس نے آتے ھی سلام کا پیغام ادا کر دیا -

دل افروز کو جہاں آرا کی گفتگو اور خوش اخلاق اور اس کی صورت و سیرت ایسی پسند نہ آئی تھی کہ وہ ھر دم اُسے نہ یاد کرتی اور کوئی تدبیر اُس کے ساتھ رھنے کے واسطے نہ نکالتی - انجام کار اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جہاں آرا کی خوبی میں تو کچھ شک نہیں مگر میرا بھائی بھی بہت خوش وضع ، نیک اطوار اور نو عمر ھے ، جہاں آرا کے لائق ھے ، اگر دونوں کی نسبت قرار پا جائے تو خاندانی اور خوب صورت لڑکی ھمارے ھاں آ جائے ، بھائی بھی اپنے گھر سے آباد

---

۱ - اس لفظ کی شرح ھو چکی ھے -

ہو جائے۔ آخر اس نے ایک روز موقع دیکھ کر محمد یوسف سے کہا ''بھائی! اب تم جوان ہو گئے ہو، خدا کی عنایت سے صورت شکل والے ہو، تنہا نہ رہنا چاہیے، اپنا گھر آباد کر لینا چاہیے۔ ابّا جان کو بھی تمھاری شادی کا بہت خیال ہے، اگر تم شادی کر لو گے تو وہ بھی نہایت خوش ہوں گے''۔

اس نے جواب دیا ''آپا جان! ابھی تو آپ معاف رکھیے، اچھی طرح گزرے جاتی ہے، آزاد ہوں، کسی کا فکر نہیں، بیاہ کروں گا، طرح طرح کے اندیشوں میں پھنس جاؤں گا''۔

دل افروز نے کہا ''بھائی! خیر ہے، کیا کہتے ہو، کوئی کسی کے سر پر ہمیشہ نہیں رہتا۔ ایسے میں ابّا جان زندہ ہیں، خدا ان کو ہمارے سر پر قائم رکھے! ان کی زندگی میں گھر کی تجویز کر لو۔ دیکھو اچھّی بات ہے اور میں جانتی ہوں، شادی تو کرو ہی گے، اب نہیں دو برس میں، چار برس میں، یوں کب تک بیٹھے رہو گے مگر جو بات[1] میں نے سوچی ہے، وہ پھر نہیں ہاتھ آنے کی۔ ذرا متوجّہ ہو کر سنو اور اچھی طرح خیال کرو تو کہوں۔ بھائی! تم جانتے ہو ناصرالدّین خان[2] اور فیض الدّین خاں کے بزرگوں سے ہمارے بزرگوں کی راہ و رسم اور قرابت چلی آتی ہے۔ دیکھو وہ لوگ کیسے خاندانی ہیں، عزّت والے، مقدور والے، غرض ہر طرح سے اچھّے ہیں۔ بزرگوں کی ملاقات کے علاوہ تم بھی تو لڑکوں بالوں سے واقف ہو، باہر دیوان خانے میں جایا کرتے ہو، سب سے ملتے رہتے ہو اور عورتوں کو تو خود میں ہی دیکھ چکی ہوں۔ بس کیا تعریف کروں، کچھ کہا نہیں جاتا۔ جو تجویز میں نے سوچی ہے خدا

---

۱ - 'بات' اصطلاح میں شادی کے پیام کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اکثر بولا کرتے ہیں کہ اس کی بات آئی ہے اور کبھی نسبت کی جگہ بھی اس کا اطلاق آتا ہے مثلاً اس کی بات ٹھہر گئی۔

۲ - لفظ 'خان' پٹھان کی قوم میں اکثر نام کا جز اور کبھی خطاب بھی ذاتی یا موروثی ہوتا ہے اور آرر قوموں میں اکثر خطابی، ذاتی یا موروثی اور کبھی نام کا جز ہوتا ہے۔

کرے پوری ہو جائے اور وہ لوگ مان بھی لیں۔ بھائی! وہی لڑکی جہاں آرا بیگم جس کی خوبیوں کا ذکر میں گھر میں کرتی رہتی ہوں، اسی کی بات ہے۔ صورت شکل کی کیا تعریف بیان کروں! بس یہ جی چاہتا ہے کہ اسے بیٹھی دیکھا کروں۔ رنگ جیسے انار کا دانہ، نقشہ بہت درست، آنکھیں کٹورا سی، ناک ستواں، آگے قد کو دیکھو تو ویسا ہی اچھا، بات کرتے وقت منہ سے پھول جھڑتے ہیں، اخلاق اور عادتیں سب خوب۔ سگھڑ ویسی ہی، دسوں[1] انگلیاں دسوں چراغ اور بھائی! تم جو یہ کہتے ہو کہ بیاہ کرنے سے طرح طرح کے اندیشوں میں پھنس جاؤں گا، یہ تمھارا فکر بیجا ہے۔ تم جانتے ہو، جو آدمی آتا ہے، اپنا رزق اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابّا جان کو زندہ اور تندرست رکھے! ابھی تو وہ سر پر بیٹھے ہیں، تمھیں کیا اندیشہ ہے؟ آگے خود بھی نوکر ہو، تنخواہ دار ہو، ملکوں کی بہتیری آمدنی ہے، کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ خدا کی دی ہوئی ہمہ نعمت موجود ہے، کیوں ہراساں ہوتے ہو؟ دیکھو اس بات سے نہ چوکنا، دیکھا چاہیے، وہ بھی منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ کچھ ہی ہو پیغام تو جائے گا، اگر مان لیا تو بہتر ہے، نہیں تو ہمارا کیا بگڑتا ہے، بہتیری جگہ سے لوگوں کے رقعے[2] پھر جاتے ہیں''۔

محمد یوسف نے جس وقت بہن کی یہ شائستہ تقریر سنی، خاموشی کے سوا کچھ بن نہ آیا، سر جھکا کر چپکا ہو رہا۔ دل افروز سمجھ گئی کہ بارے میرے کلام نے اس کے دل پر کچھ اثر کیا اور خدا کا شکر بجا لائی مگر اب یہ خیال ہوا کہ جہاں آرا بیگم کے ہاں کیوں کر پیام بھیجوں؟ فیض الدین خاں اور نجم النسا بیگم سے کس طرح اپنا

---

۱ - یعنی ہاتھ کی ہر انگلی ہنر کی روشنی سے چراغ کی طرح چمک رہی ہے۔
۲ - مسلمانوں کے ہاں دستور ہے کہ جس عورت کے ہاں شادی کا پیام بھیجنا منظور ہوتا ہے، وہاں ایک کاغذ جس میں حمد اور نعت اور مرد کے حسب و نسب کا حال لکھا جاتا ہے، بھجوا دیتے ہیں اور اسی کو اصطلاح میں رقعہ کہتے ہیں مگر یہ امر کچھ ضروری نہیں ہے۔

مطلب ظاہر کروں! آخر اُس کی رائے اس امر پر جمی کہ فیض الدّین خاں کے ہاں لڑکا بالا پیدا ہونے والا ہے، ضرور بلاوا آنے والا ہے، جب وہاں جاؤں گی تو خود ہی اس بات کا ذکر چھیڑوں گی ۔ دل افروز کا باپ محمد یعقوب چند روز سے انبالے گیا ہوا تھا، اس سے بھی اس امر کا دریافت کرنا ضرور تھا، فوراً اُسے تمام حال کی اطلاع دی، وہ سن کر نہایت خوش ہوا اور دل افروز کو اس معاملے میں پیام کرنے کی اجازت دی ۔

تھوڑے عرصے کے بعد فیض الدّین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ۔ اُسی وقت قریب کی رشتہ دار عورتیں وہاں آ کر جمع ہوئیں، سب طرف سے مبارکبادی کی آواز آنے لگی، دائی کو بہت سا انعام دیا، کرتہ، ٹوپی پہلے ہی سے سیا ہوا رکھا تھا، بچّے کو نہلا دُھلا کرتا اُس کے گلے میں ڈال دیا اور ٹوپی سر پر پہنا دی، پھر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی اور کچھ شیرینی چبا کر اس کے تالو کو لگا دی ۔ پیٹ صاف کرنے کے واسطے کچھ دوائیں مقرر ہوتی ہیں جن کو مرکّب کر کے گھٹّی کہتے ہیں، وہ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد بچے کو پلاتے رہے ۔ ناتوانی دور ہونے اور دودھ بڑھنے کے لیے حریرے اور سٹھورے اور اور قوّت دار چیزیں زچّہ کو کھلاتے رہے ۔

دو تین روز تک نجم النّسا نے آپ لڑکے کو دودھ پلایا مگر پھر ایک انّا نوکر رکھ کر اُس سے کام چلایا ۔

جب ساتواں دن ہوا تو نجم النّسا کے بلاوے کے موافق سب عورتیں سواریوں میں بیٹھ کر اس کے گھر آئیں ۔ آج کے دن صبح ہی زچّہ اور بچّہ کو نہلایا، ہر ایک کو بہت عمدہ جوڑا پہنایا اور سب بزرگوں کی صلاح سے لڑکے کا نام عبدالرحمٰن قرار پایا ۔ دو[۱] بکرے پہلے ہی سے منگا رکھے تھے، ادھر تو وہ ذبح کیے گئے، ادھر نائی نے بچے کے سر پر اُسترا پھیرا اور اُس کے بال اُتارے ۔ سب لوگوں نے لڑکے کو کچھ کچھ روپے دیے اور انّا جو اُسے گود میں لیے بیٹھی تھی، وہ

---

۱ ۔ بیٹے کے واسطے دو بکرے اور بیٹی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے اور اُسے عقیقے کی رسم کہتے ہیں ۔

روپے اپنے پاس جمع کرتی گئی - بکروں کی کھالیں اور بہت سا گوشت فقیروں کو تقسیم کرایا گیا اور کچھ پکا کر لوگوں کو کھلایا گیا - بچے کے بالوں کے ہم وزن للہ چاندی دے دی اور بہت سا کچھ مسکینوں کو بانٹا - مہمانوں کی بڑی خاطر داری کی اور ہر طرح سے اُن کی خدمت گزاری کی - کچھ عزیز و اقربا جو دیوان خانے میں بیٹھے تھے، اُنھیں بھی کھانا کھلا دیا اور کنبے میں سے جو لوگ نہیں آئے تھے، اُن کے گھر بھجوا دیا -

دل افروز بیگم تو آج کے دن کا انتظار ہی کر رہی تھی، وہ بھی بہت تجمّل سے مہمانوں کے ساتھ آئی اور آتے ہی نجم النّسا بیگم سے ملی اور اسے بیٹے کے پیدا ہونے کی مبارکباد دی۔ نجم النّسا بھی اس سے خوش خلقی سے پیش آئی اور اُس کو اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرنے لگی - پھر دل افروز نے لڑکے کو پیار کیا اور اُسے پانچ روپے دیے - نجم النّسا بولی ''بیٹی! تمھیں یہ تکلیف کرنی کیا ضرور تھی!''

دل افروز نے کہا ''خالہ جان! آپ کیا فرماتی ہیں، میں کس لائق ہوں؟ یہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو دیے ہیں''۔

اس کے بعد بچے کو دعائیں دینے لگی، خدا اسے عمر دراز کرے! تمھیں اُس کے سر پر سلامت رکھے! اپنی زندگی میں اس کا بیاہ کرو! اس کی خوشیاں دیکھو!

پھر وہاں سے اُٹھ کر اور مہمانوں کی مجلس میں چلی گئی اور اُن سے باتیں کرتی رہی مگر اپنی گفتگو کا موقع دیکھتی رہی -

رات کے وقت جب سب مہمان کھانا کھا کر فارغ ہوئے اور اپنے اپنے پلنگ پر جا سوئے، دل افروز زچّہ کے پاس آ بیٹھی اور اس سے ادھر اُدھر کا ذکر کرنے لگی، پھر حرف مطلب زبان پر لائی اور ایک اچھی تقریر سے اس کی بنا اُٹھائی ''خالہ جان! آپ کے اور ہمارے بزرگوں کی راہ و رسم مدّت سے چلی آتی ہے، بہت عرصے سے سب لوگ آپس میں ملتے جلتے رہے ہیں، دکھ درد میں ایک دوسرے کے شریک رہے ہیں - دیکھو تمھارے ابّا جان مرحوم کا میرے دادا جان مغفور سے کیسا اخلاص تھا، کوئی کام بغیر آپس کے مشورے کے نہ ہوتا تھا، چھوٹی

خالہ جان کی نسبت قرار پانے کے وقت لوگوں نے بہتیرے شبہے تمھارے ابّا جان کے دل میں ڈالے مگر جو میرے دادا صاحب نے ان سے کہ دیا ، وھی انھوں نے کیا ، کسی کی نہ سنی اور خدا کی عنایت سے وہ بات سزاوار بھی ھوئی اور اس سے دلوں میں آور زیادہ محبت بڑھی - پھر میرے چچا جان کے بیٹے کا جو آپ کے کنبے میں رشتہ ھوا ، اس سے سب کا اتّحاد اور بھی زیادہ ھو گیا اور عورتوں میں بھی ربط پیدا ھوا - خیر پہلی باتوں کا کیا ذکر کروں ، اب بھی ھمارے ابّا جان خالو جان سے کیسی محبّت کرتے ھیں اور خالو جان بھی خدا انھیں خوش رکھے ، ھر بات میں ان کا کہنا مانتے ھیں اور مجھے یقین ھے کہ جو کچھ میں اُن کی طرف سے کہوں گی ، اس وقت بھی نہیں ٹالنے کے ''۔

نجم النّسا دل افروز کے طرز کلام سے اس کا مطلب سمجھ گئی مگر اس امر کا زبان پر لانا مناسب نہ جانا اور صرف اسی قدر جواب دیا ''ھاں بیٹی ! ھمارے تمھارے بزرگوں کی ایسی ھی راہ و رسم تھی اور اب بھی سب میں وھی محبت چلی جاتی ھے ''۔

دل افروز بولی '' خالہ جان ! کیا اچھی بات ھو ، جو کوئی ایسا سبب ھو جائے جس سے ھماری اور آپ کی راہ و رسم اور بھی زیادہ بڑھ جائے ''۔

نجم النّسا نے کہا ''اب کیا تم کچھ کم جانتی ھو جو آئندہ زیادہ ھونے کی تجویز سوچتی ھو ؟ اب بھی اللہ کی عنایت سے ھمارا تمھارا بہت ربط ھے اور خدا چاھے تو آگے زیادہ ھی ھوتا جائے گا ، دل جمعی رکھو ''۔

ھر چند دل افروز بیگم اپنی تقریر میں ایک آدھ فقرہ اس طرح کا کہ دیتی تھی ، جس سے اُس کا مقصد صاف ظاھر ھو جاتا تھا مگر نجم النّسا بیگم حرف مطلب دانستہ اُڑا جاتی اور ایسا جواب دیتی کہ دل افروز کو ھر دفعہ نئی بات کہنی پڑتی - آخر اس نے کہا ''خالہ جان! میں آپ کی چھوٹی ھوں ، مفصّل نہیں کہ سکتی ھوں ، میرا منہ اس بات کے لائق نہیں ھے ، سارا مطلب کیوں کر عرض کروں ؟ چھوٹا منہ بڑی بات، ابّا جان نے جو کچھ خط میں لکھا ھے، آپ خود ملاحظہ فرما لیجیے''۔

یہ کہہ کر فوراً اپنا صندوقچہ منگایا اور اس میں سے خط نکال کر نجم النسا کو دکھایا ۔ یہ خط محمد یعقوب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور دل افروز کے ایک خط کا جواب تھا ۔ اس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ برخوردار محمد یوسف کا رشتہ ناصرالدین خاں کی بیٹی سے ہونا بہت مناسب ہے اور میرا ارادہ تھا کہ میں خود وہاں آ کر فیض الدین خاں سے اس امر کا ذکر کرتا اور جس طرح ہو سکتا انہیں راضی کر لیتا مگر کیا کروں ، مجبور ہوں، میرا آنا نہیں ہو سکتا ، تم آپ خدا کی عنایت سے ہوشیار اور عقلمند ہو ، یہ کام بہت خوبی سے انجام دے سکتی ہو ، خود اپنی خالہ صاحبہ کی خدمت میں جانا اور اس طرح سے کلام کرنا کہ کوئی بات انہیں ناگوار نہ معلوم ہو ۔

نجم النسا خط دیکھتے ہی بولی ''بؤا ! تمہارا معمّا میری سمجھ میں آ گیا ۔ مگر میں اس مقدمے میں کچھ نہیں بولتی، تمہارے خالو جان کو اختیار ہے ، جہاں چاہیں ، جہاں آرا کی نسبت ٹھہرائیں ، وہی اس کے باپ کی جگہ ہیں مگر ہاں تمہاری خاطر سے یہ خط ان کے سامنے رکھ دوں گی ''۔

دل افروز بولی ''میں جانتی ہوں، خالو جان بھی جو تجویز کریں گے، آپ ہی کی صلاح سے کریں گے مگر آپ جہاں تک ہو سکے ، سعی کرنے میں دریغ نہ کیجیے گا ''۔

نجم النسا نے کہا ''بؤا ! یہ معاملے اور قسم کے ہیں ، میں رشتے کی باتوں میں کچھ دخل نہیں دیتی ۔ لڑکی کے بہتیرے رقعے آئے ، اس کے چچا کو کوئی جگہ پسند نہیں آئی ۔ جہاں ان کا جی ٹھکے گا ، وہیں بات قرار پائے گی ''۔

اس کے بعد دونوں میں کچھ اور باتیں ہوتی رہیں ، پھر دل افروز اپنے پلنگ پر جا کر سو رہی ۔

دوسرے روز جب سہمان چلے گئے ، اس نے بھی اپنے گھر جانے کا قصد کیا اور چلتے وقت زچہ خانے میں نجم النسا سے کہتی گئی ۔ ''خالہ جان ! خدا کرے ، اب با مراد ملاقات ہو ''۔

نجم النّسا مسکرائی اور دل افروز کو گلے سے لگا کر رخصت کیا۔

تھوڑی دیر بعد فیض الدّین گھر میں آیا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر بیٹھا ۔ نجم النّسا نے دل افروز کی ساری گفتگو اس کے سامنے بیان کی اور محمد یوسف کے باپ کا خط بھی دکھایا ، دیکھ کر خاموش ہو رہا ۔ نجم النّسا بولی ''صاحب ! اتنے رقعے آئے ، پھیر دیے ، کوئی پسند نہیں آتا ، آخر لڑکی کی کہیں شادی کرنی ہی ہے ، اس سے بہتر کون سی جگہ ہوگی ؟ لڑکا نیک چلن ، ہوشیار ، خوب صورت ذات کا بہت اچھا ، پڑھا لکھا ، نوکر چاکر ، کماؤ ہے ، آگے باپ بھی پنشن دار ہے ، اچھے مقدور والے لوگ ہیں ، حاکموں کے ہاں بھی ان کی بہت عزت ہے ، جیسے ہمارے گھرانے کا نام ہے ویسے ہی وہ بھی نامور ہیں ، عورتیں بھی بہت ملنسار ہیں ، کوئی بد مزاج نہیں ، گھر کا ڈھنگ اچھا ، مردوں کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت خوب ''۔

فیض الدّین خاں نے کہا ''ہاں اُن کے گھرانے کا حال تو خوب معلوم ہے ، لوگوں کے اچھے ہونے میں کچھ شک نہیں اور اس باب میں جو تمھاری مرضی ہے وہی مجھے بھی منظور ہے ، مگر پھر بھی اچھی طرح سوچ لو ، سمجھ لو ، میں بھی لڑکے کا حال خوب تحقیق کر لیتا ہوں ، آگے جمیل الدّین بڑا بھائی ہے ، اس سے بھی دریافت کر لینا چاہیے ۔

القصّہ اس معاملے میں بہت سی گفتگو اور جستجو عمل میں آئی اور چند روز کے بعد اسی رشتے پر سب کی رائے قرار پائی ۔

دل افروز کے گھر سے تو ہر روز یہاں کی خبر لینے کو آدمی آیا ہی کرتا تھا ، جب لیت[1] و لعل میں بہت دن گزر گئے اور نجم النّسا چِلّہ بھی نہا چکی تو ایک روز دل افروز نے اپنے آدمی کی زبانی کہلا بھیجا ''میرا دل آپ سے ملنے اور بچے کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے ، کل ان شا اللہ تعالیٰ میں بھی آؤں گی ''۔

---

۱ ۔ لیتؔ و لعلؔ عربی زبان میں اُن لفظوں میں سے ہیں جو فعل کے مشابہ ہیں اور یہ دونوں لفظ آرزو اور امید کے مقام پر بولے جاتے ہیں ۔

نجم النّسا نے جواب دیا ''بیٹی! تمھارا گھر ہے، کیوں نہیں آتیں ؟ جس وقت تمھارا جی چاہے، بے تکلّف چلی آؤ''۔

دوسرے دن دل افروز آئی اور سب سے مل کر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی ۔ آخر اپنے مطلب کا فکر کیا اور رفتہ رفتہ رشتے کا ذکر کیا ۔ پھر بولی ''خالہ جان ! یقین ہے کہ آپ نے اور خالو جان نے میرے ابّا جان کی بات کو نہ ٹالا ہوگا''۔

نجم النّسا پہلے تو یہ بات سن کر چپکی ہو رہی ، پھر دل افروز کے درپے ہونے سے ایسی گفتگو کرنے لگی جس سے اس باب میں اس کی رضامندی پائی جائے۔ دل افروز بہت خوش ہوئی اور فوراً بول اٹھی ''خالہ جان ! مبارک ہو''۔

نجم النّسا نے بھی اسے معقول جواب دیا ، پھر تو سب عورتوں کے منہ سے مبارکباد کی آواز نکلی اور بات پختہ ہو گئی ۔

دل افروز اپنے گھر آئی اور تار برقی کے ذریعے سے اپنے باپ کو اس امر کی اطلاع کرائی ۔ وہ تو منتظر ہی تھا ، یہ مژدہ سن کر نہایت خرسند ہوا اور دل افروز کی محبّت کا درجہ بھی اس کے دل میں دو چند ہوا ۔

تھوڑے دنوں کے بعد دل افروز نے لکھا کہ آپ یہاں تشریف لائیے اور بھائی کی شادی کی کوئی تاریخ ٹھہرائیے ۔

محمدؐ یعقوب خوشی خوشی دہلی میں آیا اور شادی کے سامان میں مصروف ہوا ۔ پھر فیض الدّین اور نجم النّسا سے بھی نکاح کی تاریخ مقرر کرنے کا پیغام کہلا بھیجا ۔ وہاں تو پہلے ہی سے تمام جہیز[1] بنا رکھا تھا ، بلکہ ناصرالدّین نے اپنی حیات ہی میں سب کچھ تیار کرا رکھا تھا ۔ انھوں نے سب کے مشورے سے ایک تاریخ مقرر کر دی اور محمدؐ یعقوب نے بھی منظور کر لی ۔

جب نکاح کا دن قریب آیا ، تو محمدؐ یعقوب نے تمام عزیزوں اور شہر کے رئیسوں کے نام اس مضمون کے رقعے بھیجے :

---

۱ - جہیز عربی لفظ ہے اور جہاز کا امالہ ہے ، اُس سامان کو کہتے ہیں جو بیٹی یا مردے کے ساتھ دیا جاتا ہے ۔

رقعہ

عنایت الٰہی اور فیض نا متناہی سے کمال خوشی اور خرمی کا وقت آیا ہے اور فلاں تاریخ عصر و مغرب کے درمیان برخوردار محمدؐ یوسف کا نکاح قرار پایا ہے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید ہے کہ پہر دن رہے سے غریب خانے پر آئیں اور پھر نوشہ کے ساتھ عروس کے گھر تک قدم رنجہ فرمائیں ، وہاں نکاح کی رسم میں شامل ہوں اور اس کار خیر کے ثواب میں داخل ہوں ۔ دوسرے دن دوبارہ میرے مکان پر تشریف لائیں اور بتقریب ولیمہ[1] طعام ما حضر[2] تناول فرما کر امثال و اقران میں میری آبرو بڑھائیں ۔ فقط

المکلّف نیاز اسلوب محمد یعقوب ۔

القصّہ نکاح کے روز پہر دن رہے سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ ایک وسیع مکان پہلے سے آراستہ تھا ، اس میں بہت عمدہ فرش بچھا ہوا تھا ، قرینے سے تکیے لگے ہوئے تھے ، پٹا پٹی کے پردے ، جھاڑ ، فانوس ، دیوار گیریاں اور اور چیزیں اپنے اپنے موقع سے مرتب تھیں ۔ سب کے سب مرد اس مکان میں آئے اور عورتیں اپنی اپنی سواریوں میں بیٹھ کر زنانے مکان میں جمع ہوئیں ۔ محمدؐ یوسف نہا دھو ، شاہانہ پوشاک پہن مردانے میں آیا اور صدر مجلس میں تکیے سے لگ کر مسند پر ہو بیٹھا ۔

محمدؐ یعقوب کی طرف سے مہمانوں کی بہت خاطر داری کی گئی اور مصالح کی تھالی جس میں بُن ، چکنیاں ، الائچیاں اور اور اسی قسم کی چیزیں تھیں ، ہر ایک کے آگے رکھی گئی ۔ دل افروز کا خاوند شیخ فضل احمد اور اور قریب رشتہ داروں نے مجلس کا خوب انتظام کیا اور جو جو چیزیں درکار تھیں ، اچھی طرح اُن کا سرانجام کیا ۔

جب چار گھڑی دن باقی رہا اور سب لوگ اکٹھے ہو چکے تو

---

۱ - نکاح کی ضیافت ۔

۲ - یعنی جو کچھ موجود ہے ۔

محمدؐ یعقوب نے اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اب سب صاحب تکلیف فرما کر نوشہ کے ساتھ تشریف لے چلیں"۔

یہ سُنتے ہی سب لوگ کھڑے ہوگئے اور دولھا کے ہمراہ دلھن کے گھر پہنچے۔ قریب رشتے کی عورتیں بھی پالکیوں اور رتھوں میں سوار ہو کر پیچھے پیچھے آئیں۔ یہاں جمیل الدّین اور فیض الدّین نے خوب دھوم دھام اور کمال آرائشں سے مردانہ اور زنانہ مکان سجا رکھا تھا۔ مرد مردانے مکان میں آئے اور عورتیں زنانے مکان میں اُتریں۔ نوشہ کے واسطے مردانے مکان میں مسند بچھی ہوئی تھی، آتے ہی وہاں اجلاس کیا اور باقی آدمی بھی تکیوں سے لگ کر قرینے سے بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد قاضی نکاح خواں جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھا، نوشہ کے سامنے آ بیٹھا اور اُس کے قریب رشتہ دار اور شہر کے بڑے بڑے رئیس بھی مسند کے گرد جمع ہو گئے۔ قاضی نے نکاح نامہ[1] پہلے ہی سے لکھ رکھا تھا مگر لڑکی کے نام اور مقدار مہر کی جگہ چھوڑ دی تھی، دونوں باتیں اُسی وقت دریافت کر کے لکھ دیں۔ پھر نکاح کا خطبہ[2] پڑھا، اس میں خدا اور حضرت محمدؐ کی تعریف اور نکاح اور تناسل[3] کی توصیف اور اور اسی قسم کی باتیں تھیں۔ اس کے بعد جمیل الدّین کی طرف جو جہاں آرا بیگم کا بھائی اور اس کا ولی[4] تھا،

---

۱ - نکاح نامہ ایک کاغذ کا نام ہے جس میں حمد و نعت اور دولھا دلھن کے نام اور مہر کی مقدار اور نکاح کی تاریخ اور اور اسی طرح کی باتیں ہوتی ہیں مگر اس کاغذ کا لکھا جانا کچھ ضروری نہیں ہے شرع میں صرف زبانی اقرار کافی ہے۔

۲ - خطبہ ایک عبارت کو کہتے ہیں جس میں حمد و نعت اور نصیحت ہوتی ہے۔

۳ - تناسل کے معنی نسل بڑھانے کے ہیں۔

۴ - بارہا لڑکی کی طرف سے ایک وکیل مقرر کیا جاتا ہے اور وہی نکاح کی مجلس میں آ کر اس کی طرف سے اقرار کرتا ہے مگر اس صورت میں وکالت کی تصدیق کے دو گواہ ضرور ہوتے ہیں۔

مخاطب ہو کر پوچھا ''تم نے مسمّاۃ جہاں آرا بیگم بنت شیخ ناصرالدّین مرحوم کو لاکھ[1] روپے کے مہر پر میر محمدؐ یوسف ابن میر محمدؐ یعقوب کی زوجیت میں دیا ؟''

اس نے جواب دیا ''ہاں دیا''۔

پھر قاضی نے نوشہ کی طرف متوجّہ ہو کر کہا ''تم نے مسمّاۃ جہاں آرا بیگم ، بنت شیخ ناصرالدّین مرحوم کو لاکھ روپے کے مہر پر اپنی زوجیت میں قبول کیا ؟''

وہ بولا ''قبول کیا !''

یہ آواز سنتے ہی اہل مجلس دست بدعا ہوئے اور سب لوگوں نے مبارک باد ادا کی ۔

اتنے میں دلھن والوں کی طرف سے دو کشتیاں آئیں ، ایک میں پانسو روپے نقد اور دوسری میں دولھا کا جوڑا یعنی دوشالہ ، مندیل اور اور اسی قسم کی چیزیں تھیں ۔ وہ کشتیاں دولھا کے سامنے رکھی گئیں اور پھر تمام اشیا خبرداری سے اس کے نوکروں کو دی گئیں ۔ چھواروں کے خوان وہاں پہلے ہی سے موجود تھے ، کچھ تو لوگوں کو تقسیم کیے گئے اور باقی لٹا دیے گئے ۔ اس کے بعد شیرینی کے حصّے بٹے اور ہر ایک کے آگے مصالح کی تھالی رکھی گئی اور پانوں کا بھی دور ہوا ۔ جو لوگ دولھا کے دور کے رشتہ دار تھے ، وہ اسی وقت محمدؐ یعقوب سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور قریبی رشتہ دار اور بہت سے یار و آشنا وہیں ٹھہرے رہے ۔

اس عرصے میں دلھن کے وداع ہونے کی تیّاری شروع ہوئی ، جہیز کی تمام چیزیں صندوق ، پلنگ ، چھپر کھٹ ، برتن ، شطرنجیاں اور اور سامان باہر رکھا گیا ۔ اندر گھر میں جہاں آرا بیگم کو پہلے ہی سے خوب آراستہ کر کے دلھن بنا رکھا تھا ، زیور کی گراں بہا

---

۱ ۔ دھلی کے مسلمانوں نے اب اس امر کا انتظام کر لیا ہے کہ دو ہزار روپے سے زیادہ کا مہر ہرگز نہ باندھا جائے ۔

رقمیں اور نہایت نفیس جوڑا پہنا رکھا تھا ۔ یہ سب چیزیں تو اُسی کی تھیں مگر علاوہ اس کے عمدہ کپڑوں کے جوڑے ، بیش قیمت پوشا کیں ، ایک حویلی ، کمرہ ، دس دکانیں اور جہاں آرا بیگم کی سواری کے واسطے پردہ دار پالکی اور رتھ اور محمدؐ یوسف کے لیے تانجھان اور ایک گھوڑا ساز سمیت دیا گیا ۔

جہاں آرا رخصت ہو کر پالکی میں سوار ہوئی اور دل افروز بھی اُسی پالکی میں اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے میکے میں سے اُس کی ددا گلاب اور دو ماماٸیں سہانوں کے ساتھ کسی سواری میں بیٹھ کر اس کی خدمت کے واسطے چلیں ۔

اتنے میں مردانہ محفل کے بھی سب لوگ اُٹھے اور دولھا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔ محمدؐ یوسف گھوڑے پر سوار تھا اور جہاں آرا کی پالکی اُس کے پیچھے اوز عزیز و اقربا اور تمام دوست آشنا بہت تجمّل سے اُس کے ساتھ چلے جاتے تھے ۔

جب وہاں پہنچ گئے تو دلھن زنانے مکان میں اُتری اور محمدؐ یوسف ، محمدؐ یعقوب اور اور تمام مرد مردانے مکان میں بیٹھے ۔ تھوڑی دیر بعد عزیز و اقربا نے کھانا کھایا اور ولیمے کی دعوت کے واسطے رات بھر تیّاری ہوتی رہی ۔

دوسرے روز صبح کو تمام رشتہ دار اور شہر کے رٸیس آئے اور سب نے عمدہ عمدہ کھانے کھائے ۔

جب مرد رخصت ہو گئے اور زنانے میں عورتیں بھی کھانے سے فارغ ہوئیں تو اتفاقاً دل افروز کی ددا کی نگاہ اس کے گلے پر پڑی ، دیکھا تو گلے کا سارا زیور موجود ہے مگر موتیوں کی کنٹھی کا پتہ نہیں ۔ یہ دیکھتے ہی بول اُٹھی ”اے بیگم ! تمھاری کنٹھی کہاں ہے ؟“

دل افروز نے اپنے گلے پر ھاتھ پھیرا تو کنٹھی نہ پائی ، مگر اُسے یہ خیال ہوا کہ ددا نے جو یہ ذکر کیا ہے ، شاید اُسی کے پاس ہوگی ۔ یہ سوچ کر کہنے لگی ”میں تو تھکی ماندی تھی ، رات

کو پلنگ پر پڑتے ہی سو رہی ، تم ہی گہنا پاتا اُٹھا کر اپنے پاس رکھتی ہو ، کنٹھی کی بھی تمھیں ہی خبر ہوگی ۔ اچھی دَدا جو تم نے اُٹھائی ہو تو دے دو ''۔

وہ بولی ''نہیں بیٹی ! قربان کی تھی کنٹھی ، اگر میں نے اٹھائی ہوتی تو پہلے ہی دے دیتی ۔ اپنے صندوقچے میں دیکھو ، پاندان میں ڈھونڈو ، کہیں نہ کہیں تمھارے ہی پاس ہوگی ۔ میں بچھونے میں بھی دیکھ لیتی ہوں ، تمھیں تو اپنی چیز کی کچھ خبر رہتی نہیں ، شاید وہیں پڑی ہو ''۔

یہ کہ کر دَدا نے بچھونا جھاڑا ، پلنگ اُٹھایا مگر کنٹھی کا کہیں پتا نہ پایا ۔ اتنے میں اور عورتوں کو بھی اس بات کی اطلاع ہو گئی ۔ ہم عمر لڑکیاں جو وہاں جمع تھیں ، اُن میں سے ایک دل افروز کی طرف مخاطب ہوئی اور سب کو سنا کر کہنے لگی ''بُوا ! ہم ایک بات بتائیں، تمھاری کنٹھی ابھی نکل آتی ہے ۔ لونڈیاں ، مامائیں اور اور خدمتگاریں جن پر تم کو شبہ ہے ، سب کو اکٹھا کر کے چار چار اُنگل کی تیلیاں اُن کے ہاتھ میں دے دو اور انھیں اپنے پاس سے ہٹا کر تھوڑی دیر بعد وہ تیلیاں مانگ لو ، جس نے تمھاری کنٹھی لی ہوگی ، اُس کی تیلی ایک اُنگل بڑھ جائے گی''۔

اِس گفتگو سے اُس کا یہ مطلب تھا کہ جس نے کنٹھی لی ہو ، وہ پہلے ہی سے اپنی تیلی ایک اُنگل گھٹا دے اور اس تدبیر سے چور کا پتا لگ جائے ۔

ایک اور بولی ''بُوا ! اتنا بکھیڑا کیوں کرتی ہو ؟ لو ذرا سی بات ہے ، ایک کوٹھڑی میں کوئی چیز رکھ دو اور ایک ایک عورت کو جس پر شبہ ہے ، وہاں علاحدہ بھیجو کہ اپنے ہاتھ سے اس چیز کو چھو کر چلی آئے ۔ جس نے کنٹھی لی ہوگی ، اُس کا ہاتھ وہیں چپکا رہ جائے گا ''۔

اور اس میں یہ راز تھا کہ اس شے کو عطر مل دیا جاتا ، سب کے ہاتھوں میں عطر کی خوشبو آتی ، مگر چور ڈر کے مارے ہاتھ نہ

لگاتا اور صاف پہچانا جاتا ۔

ایک اور بول اٹھی ''بوا ! مجھے ایسا عمل آتا ہے کہ آپ سے آپ چور معلوم ہو جائے ، نہ کسی سے کچھ کہو ، نہ سنو ۔ سب لونڈیاں اور ماماؤں کے نام علاحدہ علاحدہ پرچوں پر لکھو اور انھیں جدا جدا ایک لوٹے میں ڈالو ، میں اور ایک اور لڑکی دونوں اپنی انگلیوں سے لوٹا تھام لیتی ہیں اور میں ہر ایک نام پر عمل پڑھتی جاتی ہوں ، جس وقت چور کے نام پر عمل پڑھا جائے گا ، لوٹا خود بخود چکّر کھا جائے گا ''۔

دل افروز یہ سب باتیں سن رہی تھی مگر اسے اس امر کا بہت خیال تھا کہ کوئی مہمان اپنے دل میں برا نہ مانے کہ اسے ہماری لونڈی یا ماما پر شک ہے ۔ یہ سوچ کر اس نے کوئی عمل نہ کیا اور انجام کار اس کی نیک نیتی سے کنٹھی بھی پا گئی ۔

جہاں آرا جو صبح ہی پالکی میں سوار ہو کر اپنے میکے میں چلی گئی تھی ، شام کے وقت پھر سسرال میں آئی اور اسی طرح بارہا میکے اور سسرال آتی جاتی رہی اور اس کے خاوند کو اس سے کمال محبّت ہو گئی اور دونوں بہت اتفاق اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگے ۔

محمد یعقوب کو انبالے میں کچھ ضروری کام تھا ، وہ اپنے بیٹے کی شادی کر کے پھر وہیں چلا گیا ۔

جب جمیل الدّین اپنی بہن کے نکاح سے فارغ ہو چکا تو اس نے مکّے جانے کا عزم کیا ۔ اسے حج کرنے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہمیشہ اسی خیال میں رہتا تھا کہ جس طرح ہو سکے اپنے تئیں مکّے میں پہنچاؤں ۔ اس کا استاد مولوی فخر الدّین بارہا اس کے روبرو حج کی فضیلتیں بیان کرتا رہتا تھا اور سوا اس کے فقہ کی کتابوں میں خود بھی حج کا بیان پڑھتا رہتا تھا ۔ یہ باتیں اس کے دل پر بہت اثر کرتی تھیں اور مکّے جانے کا شوق بڑھاتی تھیں مگر اس نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ بہن کی شادی قریب ہونے والی ہے ، اس میں میرا شامل ہونا ضروری ہے ۔ جب اس کام سے بے فکر ہو جاؤں گا تو

وہاں کا قصد کروں گا ۔ القصّہ جہاں آرا کے نکاح کے بعد اُس کے دل پر مکّے جانے کی جم گئی ۔

ایک روز اُس کی بہن سُسرال سے آئی ہوئی تھی ، وہ اور نجم النّسا بیگم اور فیض الدّین سب کے سب کھانا کھا کر صحن میں تختوں کے فرش پر بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے ، ادھر اُدھر مونڈھے ، کرسیاں بچھی ہوئی تھیں ، ماماثیں ، خدمتگاریں پنکھے جھل رہی تھیں ۔ جمیل الدّین نے موقع دیکھ کر مکّے جانے کا ذکر چھیڑا اور اپنے چچا اور چچی کی طرف مخاطب ہو کر کہا ”مجھے والد مرحوم کے حین حیات ہی سے کعبۃ اللہ جانے کا اشتیاق ہے ، خدا تعالیٰ نے تندرستی عطا کی ہے ، زاد راہ اور سواری کا بھی مقدور دے رکھا ہے ، رستے میں بھی سب طرح کا امن ہے ، حج کرنا مجھ پر فرض ہے ۔ بہن کے نکاح سے بھی فارغ ہو چکا ہوں ، اب اس امر خیر میں توقّف نہ کرنا چاہیے ۔ آپ بھی مجھے وہاں جانے کی اجازت دیں“۔

فیض الدّین اور اُس کی بیوی اس معاملے میں اُسے منع نہ کر سکے ، لیکن اس کی مفارقت کے سبب سے دونوں اپنا رنج ظاہر کرنے لگے ۔ جمیل الدّین نے کہا ”آپ میری جدائی کا فکر نہ کیجیے ، دل جمعی رکھیے ، میں انشاء اللہ تعالیٰ مناسک حج سے فارغ ہو کر بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا “۔

چند روز کے بعد وہ اپنے دو نوکروں سمیت عرب کی طرف روانہ ہوا ۔ اُس کا چچا اور کئی رشتہ دار تھوڑی دور تک اس کے پہنچانے کو گئے اور پھر واپس چلے آئے ۔ جمیل الدّین بڑا عالم ، فاضل ، خلیق اور رحم دل تھا ، بزرگوں کی بہت تعظیم کرتا تھا اور تمام گھر والوں سے اچھّی طرح پیش آیا کرتا تھا ، اس سبب سے سب لوگ اُسے یاد کرتے تھے ۔ جمیل الدّین کو بھی کبھی اپنی بہن اور کبھی چچا اور چچی کا دھیان آتا ، کبھی اُس کے دل میں اس کی منسوبہ[1] گیتی آرا بیگم اور بچپن میں دونوں کے ایک جگہ رہنے

---

۱ - جس لڑکی سے کسی لڑکے کی نسبت قرار پاتی ہے ، اُسے اُس کی منسوبہ کہتے ہیں۔

کا خیال گزرتا ۔ اسی طرح وہ رستے میں سب کو یاد کرتا تھا مگر کعبے کا شوق اور حج کا ثواب ہر دم اس کے دل کو شاد کرتا تھا ۔ گیتی آرا بھی اپنے دل میں طرح طرح کے اندیشے کرتی مگر شرم و لحاظ کے سبب سے کچھ منہ سے نہ نکالتی ۔

جمیل الدّین کے جانے کے چند روز بعد محمدؐ یوسف کی رخصت کے دن بھی پورے ہو گئے مگر اُسے اپنی بیوی جہاں آرا بیگم سے بہت محبّت تھی اور وہ ایک لمحہ اُس سے جدا نہ ہونا چاہتا تھا ، اس واسطے اُس نے اپنے دل میں کہا ”میرا رسالہ انبالے میں ہے اور بہت مدّت تک وہیں رہے گا ، ابھی کوچ نہیں ہونے کا ۔ علاوہ اس کے ابّا جان کا مکان بہت پردہ دار ہے اور وہ خود بھی ان دنوں میں وہیں ہیں ۔ جس طرح ہو سکے ، اپنی بیوی کو انبالے میں ساتھ ہی لیتا جاؤں اور غالب ہے کہ ابّا جان کے وہاں ہونے سے میرے چچیا سُسرے اور چچیا ساس دونوں اس بات سے کچھ ناراض نہ ہوں گے اور وہ بھی خوشی سے اس امر کی اجازت دے دیں گے“۔

یہ سوچ کر پہلے اُس نے اپنی بیوی کو ساتھ چلنے پر راضی کر لیا ، پھر اپنی بہن دل افروز بیگم کو نجم النّسا بیگم کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں جا کر اس کی مرضی دریافت کر لے ۔

اگرچہ فیض الدّین اور اس کی بیوی کو اس بات پر رنج ہوا ، مگر خاوند کو عورت کا اختیار ہوتا ہے ، کچھ دم نہ مارا ، سمدھیانے کا مقدمہ سمجھ کر دونوں چپکے ہو رہے ۔ دل افروز نے نجم النّسا سے کہا ”خالہ جان ! ہمیں ہر طرح سے تمھاری رضا مندی منظور ہے ، کوئی امر تمھاری رائے کے خلاف نہیں ہونے کا“۔

نجم النّسا بولی ”نہیں بیٹی ! جو تمھاری مرضی ہے ، وہی ہماری مرضی ہے“۔

دل افروز بیگم اس معاملے میں اُن کی اجازت لے کر اپنے گھر چلی آئی اور محمدؐ یوسف سے ساری حقیقت بیان کی“۔

جب روانگی کا وقت قریب آیا تو جہاں آرا رخصت ہونے کے

لیے اپنے میکے میں آئی اور فیض الدّین ، نجم النّسا اور گیتی آرا سے ملی ۔ اس کی مفارقت سے سب ھی آزردہ خاطر تھے مگر گیتی آرا کو اس امر کا بہت قلق تھا ۔ جہاں آرا بھی اس سے مل کر چشم پُر آب ہوئی اور حسرت اور افسوس کی باتیں کرنے لگی ، پھر بولی ''بؤا ! مجھے بھی تمھاری جدائی سے بہت رنج ھے مگر کیا کروں ، مجبور ہوں ، کچھ کہ نہیں سکتی ھوں ۔ خیر جو خدا کی مرضی ھے ، وھی بہتر ھے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے ھی عرصے میں ملیں گے ۔ آگے خط بھی آدھی ملاقات ھے ، جلدی جلدی بھیجتے رھیں گے ۔ میں تمھارے پاس اپنے ھاتھ کا لکھا ھوا علاحدہ خط بھیجا کروں گی ، تم بھی جو کچھ حال ھو ، آپ ھی لکھ بھیجا کرنا ''۔

جہاں آرا میکے والوں سے مل کر اپنی سُسرال میں آئی اور دوسرے روز چلنے کی صلاح ٹھہرائی ۔

محمد یوسف نے رتھ میں اپنی بیوی اور دو ماماؤں کو بٹھایا اور آپ گھوڑے پر سوار ھو تین چار خدمتگار ساتھ لے ، انبالے کو روانہ ھوا ۔

وھاں ھنسی خوشی کئی مہینے تک رھا مگر پھر اس کے رسالے کو شاہ جہاں پور جانے کا حکم ھوا اور اسے بھی وھاں جانا ضرور پڑا ۔ یہ حکم سُنتے ھی اسے اپنی بیوی کی جدائی کا فکر پیش آیا اور مفارقت کے غم و الم میں مبتلا ھوا ۔ جہاں آرا نے بھی جس وقت یہ بات سُنی ، حیران و ششدر[1] رہ گئی ۔ کئی دن تک دونوں کو یہی تفکّر رھا اور جس قدر سفر کا زمانہ قریب آتا تھا ، اسی قدر فکر و اندیشہ زیادہ ھوتا جاتا تھا ۔

آخر روانگی کے ایک دن پہلے جب رات کو دونوں کھانا کھا چکے اور تنہائی کا وقت آیا تو محمد یوسف نے جہاں آرا بیگم سے کہا

---

۱ ۔ ششدر اُس ۔ مقام سے کنایہ ھے ، جہاں سے رھائی دشوار ھو اور مجازاً عاجز و متحیر کی جگہ بھی مستعمل ھوتا ھے اور ششدر اصل میں نرد کی بازی میں چھ خانے ھوتے ھیں کہ جب مہرہ اُن کے پچھلے خانے میں پھنس جاتا ھے تو وھاں سے اُس کا نکلنا مشکل ھے ۔

''بیگم ! مجھے تمھاری جدائی کا بہت رنج ہے مگر کیا کروں ؟ مجبور ہوں ، سرکار کا حکم ہے ، تعمیل ضرور ہے ۔ اس قدر اداس کیوں ہوتی ہو ؟ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے ۔ تم ابّا جان کے پاس چند روز رہو ، میں بھی تھوڑے عرصے میں دھلی آنے کی کچھ تدبیر کروں گا اور تمھیں بھی وہیں بلا لوں گا''۔

جہاں آرا جس کے دل پر غم کی گھٹا چھا رہی تھی اور آنکھوں سے مینہ کی جھڑی لگ رہی تھی ، خاوند کی باتیں سُن کر بولی ''صاحب ! تمھیں کسی کے دل کی کیا خبر ہے ، ان تسلّی کی باتوں سے کیا فائدہ ؟ ملاقات جب ہی ہوگی ، جب خدا کی مرضی ہوگی ۔ خیر جس طرح ہو سکے گا ، ہم بھی صبر کریں گے ، مگر تم اپنا دل کیوں بھاری کرتے ہو ؟ تمھارے کڑھنے سے میری چھاتی پھٹی جاتی ہے''۔

رات بھر دونوں میں اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں ، صبح کی اذان ہونے سے پہلے دونوں اُٹھے ، تھوڑی دیر بعد نماز پڑھی ، خدا کی درگاہ میں ایّام مفارقت کے دور ہونے اور زمانۂ مواصلت کے قریب ہونے کی دُعا کی ۔ محمد یوسف نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر بولا ''لو بیگم ! خدا حافظ !''

جہاں آرا نے کہا ''خیر اللہ نگہبان ہے''۔

پھر محمد یوسف اپنے باپ کے پاس آیا اور بہت ادب سے اس کی تشفّی اور تسلیّ کی باتیں کرتا رہا ۔ اس کے بعد مردانے مکان میں گیا ، وہاں پہلے ہی سے اس کے دوست آشنا بیٹھے تھے ، سب سے مل ، گھوڑے پر سوار ہو ، اپنے رسالے میں چلا گیا ۔

تھوڑی دیر میں رسالہ روانہ ہوا اور کوچ مقام کرتے ہوئے چند روز بعد شاہ جہان پور پہنچ گیا ۔

محمد یوسف کو وہاں گئے ہوئے کچھ بہت عرصہ نہ ہوا تھا کہ دھلی میں غدر ہو گیا اور انگریزوں کی فوج جو میرٹھ میں پھر گئی تھی ، اس نے دھلی میں آتے ہی بہت سے انگریزوں کو قتل کیا

اور اُن کے بنگلے جلا دیے ۔ کئی دن تک یہ لوگ بے سر و افسر رہے ، پھر انھوں نے دھلی کے بادشاہ کو اپنا سردار بنا کر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کا سامان کیا ۔

انگریزوں کے وقت میں جن لوگوں کی جاگیروں اور منصبوں میں فرق یا خلل واقع ھو گیا تھا ، اُن میں سے چند آدمیوں نے یہ خیال کر کے کہ بادشاہ کے ذریعے سے ھماری جاگیریں پھر مل جائیں گی اور منصب سابق حاصل ھو جائے گا ، بادشاہ کے ھاں رجوع کی اور انگریزوں کی عملداری جاتے رھنے سے خوش ھو گئے ۔

فیض الدّین کے بزرگ کسی زمانے میں جاگیر دار تھے ، وہ بھی اپنی جاگیر کی امید پر بادشاہ کے پاس گیا ۔ بادشاہ نے اس کی بہت توقیر کی اور منصب جلیل پر سرفراز کرنے کا وعدہ کیا اور اس سبب سے اُس کا دل اور بڑھ گیا ۔

اس عرصے میں شہر کے باھر پہاڑی پر انگریزوں کی فوج آ پڑی اور لڑائی شروع ھوگئی ۔ فیض الدّین ھر روز ہتھیار باندھ ، گھوڑے پر سوار ھو ، فوج کے ساتھ جاتا اور گھر میں آ کر نجم النّسا اور گیتی آرا سے طرح طرح کا ذکر کرتا اور کہتا ''اب انگریزوں کی شکست ھونے والی ھے ، پہاڑی بھی فتح ھوا چاھتی ھے ، ھماری جاگیر پھر ھمیں مل جائیگی ، تمام عمر ھماری اولاد چین کرے گی ۔ انگریزوں نے شریفوں کے رتبے گھٹا دیے ، اُن کی جاگیریں مفت ضبط کر لیں ، کسی نے نہ پوچھا کہ یہ لوگ عزت دار ھیں کیوں کر اپنا گذارہ کریں گے ۔ ان کے وقت میں بڑے بڑے عہدے اور منصب بھی ھم لوگوں کو ملنے موقوف ھوگئے ۔ عمدہ علاقوں کا تو کیا ذکر ھے ، مطلق روزگار ھی کی کساد بازاری ھوگئی ۔ اگر زندگی باقی ھے تو دکھا دیں گے کہ بادشاھی عملداری میں کیسے کیسے منصب شریفوں کو ملتے ھیں اور اگر لڑائی میں مارے گئے تو عاقبت میں درجہ پائیں گے ''۔

نجمؔ النّساؔ اور گیتی آرا اس کی باتوں سے نہایت رنجیدہ ھوتیں اور کہتیں ''تم انگریزوں کے جانے سے خوش ھوتے ھو ، ان کے وقت

میں کیا تکلیف تھی ؟ ہر طرح سے امن چین تھا ۔ یہ لوگ دین کی باتوں میں کچھ دخل نہ دیتے تھے ۔ سب مسلمان نماز روزہ دل جمعی سے ادا کرتے تھے ۔ کسی کو کچھ ممانعت نہ تھی ۔ آگے اہل اسلام کی قدر و منزلت بھی بہت تھی ۔ اب پوربیوں نے تو آ کر شہر کا ستیاناس کر دیا ۔ بیٹھے بٹھائے سب کا چین کھو دیا ۔ آنکھوں کی نیند اڑ گئی ، دل پریشان ہو گیا ۔ بھلا بال بچوں اور عورتوں کا مارنا بھی کہیں شرع میں درست ہے ؟ یہ فوج والوں نے کیا غضب کیا کہ انھیں بھی نہ چھوڑا ۔ ایسی باتوں سے عاقبت کے درجے کی کیا توقع رکھنی چاہیے ؟''

گیتی آرا کبھی کبھی یہ بھی کہا کرتی تھی ''چچا جان ! آپ جو کہتے ہیں کہ انگریز شریفوں کی قدر نہیں کرتے ، بھلا آپ ہی خیال کیجیے کہ میرے ابّا جان اور سنجھلے چچا جان کی کیسی خاطر کرتے تھے ۔ ابّا جان ڈپٹی کلکٹر تھے ، جب ظہر کی نماز کا وقت آتا تو کچہری میں سے اٹھ کر نماز کو چلے جاتے اور انگریز بہت خوشی سے انھیں اجازت دیتے اور چچا جان کا بھی تحصیلداری کے علاقے میں یہی طریق رہا ۔ مذہب کی باتوں میں تو یہ لوگ کسی کو نہیں روکتے ۔ اپنا کیسا ہی کام ہو ، کچھ خیال نہیں کرتے ، نماز پڑھنے کی مہلت دے دیتے ہیں ''۔

لڑائی کے دنوں میں فیض الدّین اور اس کے گھر کی عورتوں میں اکثر اسی قسم کی گفتگو رہتی اور عورتیں اسے بہت سمجھاتیں ، مگر وہ کاہے کو باز آنے والا تھا ، اسے تو کچھ اور ہی خیال تھا ۔ روز دھاوے پر جاتا اور گھر میں وہاں کی سرگزشت کہہ کر سب کو جلاتا ۔

ایک دن اس نے مولوی فخر الدّین سے بھی اپنی شجاعت اور بہادری کا ذکر کیا اور پہاڑی پر جانے اور انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی ساری حقیقت بیان کی ۔ مولوی فخر الدّین تو بڑا عالم فاضل اور تفسیر اور فقہ اور حدیث اور تمام دینی علموں میں اُستاد مسلّم تھا یہ سنتے ہی جھلّا اٹھا اور علمی تقریر سے اسے سمجھانے لگا ''تمھارے

دل میں کیا خیال خام سمایا ہے ۔ کیوں الجھتے ہو ؟ دیکھو ان باتوں سے باز آؤ ، تمھیں انگریزوں کے وقت میں کون سی تکلیف تھی جو اس طرح جلی بھنی باتیں کرتے ہو ؟ انھوں نے تو ایسا آرام دے رکھا تھا کہ اب سب یاد کرتے ہیں۔ خصوصاً مسلمانوں سے بہت ہی ملے جلے رہتے تھے اور انھیں بڑے بڑے عہدے دیتے تھے۔ علاوہ اس کے ان کی عمل داری میں سب لوگ اچھی طرح دل جمعی اور فراغ بالی سے مذھبی رکن ادا کرتے تھے ۔ کسی ضروری بات میں حرج نہ تھا ۔ کیا تم اس لڑائی کو مذھبی لڑائی جانتے ہو ؟ دین اسلام کی ترقی کا باعث سمجھتے ہو ؟ اگر یہ خیال کرتے ہو تو تمھارا گمان باطل ھے ۔

"دیکھو ، پہلے کیسے اطمینان سے مسلمان لوگ با جماعت نماز پڑھتے تھے۔ مسجدیں کھلی رہتی تھیں ، کچھ خطرہ نہ تھا ، رات دن جس وقت جی چاھتا تھا ، بے باک مسجدوں میں چلے جاتے تھے ، بے کھٹکے عبادت کرتے تھے ۔ جامع مسجد میں عشا کی نماز بڑی رات گئے ہوتی تھی ، کچھ اندیشہ نہ تھا ۔ اب رات تو ایک طرف رھی ، دن دھاڑے بھی مسجدوں میں اچھی طرح جماعت نہیں ھوتی ۔ بادشاہ برائے نام حاکم ھے مگر واقع میں محکوم ھے ۔ فوج کا ھر شخص اپنے تئیں حاکم سمجھتا ھے ۔ نہ کوئی سردار ھے ، نہ امام ھے ۔ ایک بے فائدہ غدر مچ رھا ھے ۔ بازاری اور واقعہ طلب آدمی اس غدر میں شریک ھو گئے اور اگر کوئی شریف بھی شامل ھو گیا ھے تو فوج کی زبردستی یا خوف یا کسی اور باعث سے پھنس گیا ھے ۔ تم شریف ھو کر اس طرح کی باتیں کرتے ھو ؟ ھوش میں آؤ ، عاقبت اندیشی اختیار کرو ۔ دیکھو ھندوستان کے تمام مسلمان سرکار انگریزی کے امن میں ھیں اور شرع کے موافق کوئی مستامن[1] ان لوگوں سے جن کے امن میں ھے ، مذھبی لڑائی نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ فتاویٰ 'در مختار' اور ھدایہ اور عالمگیری میں لکھا ھے کہ جو مسلمان غیر مذھب والوں کی عمل داری میں امن سے رھے

---

۱ ۔ مستامن اُس شخص کو کہتے ہیں ، جو غیر مذھب کی عمل داری میں امن سے رھے ۔

اسے ان کے خون یا مال سے تعرّض کرنا حرام ہے ۔

"خیال کرو کہ انگریزوں نے ہندوستان پر دو طرح سے حکومت حاصل کی ۔ یا غلبے اور فتح کے سبب سے یا عہد و پیمان کے باعث سے ۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں مذھبی لڑائی کی شرطوں میں لکھا ہے کہ ھم میں اور دشمنوں میں عہد و پیمان نہ ھوا ھو اور اس امر کی اور بھی شرطیں ھیں کہ ان میں سے یہاں ایک بھی نہیں پائی جاتی ۔ مذھب اسلام میں یہ بات مقرّر ھو چکی ہے کہ اگر مسلمان اپنے اختیار سے کسی کو بادشاہ بنانا چاھیں تو مسلمان کو قوم قریش میں سے بنائیں ، لیکن جو شخص اپنے غلبے سے بادشاہ ھوا ھو یا مسلمان لوگ پہلے ھی سے کسی بادشاہ کی اطاعت میں ھوں تو اس بادشاہ کا مسلمان ھونا شرط نہیں ہے ، وہ کسی مذھب کا ھو ، اس کی اطاعت لازم ہے۔ چنانچہ کتاب تاتار خانی میں کتاب ملتقط سے نقل کی ہے کہ جس بادشاہ کی تقلید کی جائے ، اس کا مسلمان ھونا شرط نہیں ہے اور ھمارے ھاں کا یہ مسئلہ اصل توریت مقدّس سے اخذ کیا گیا ہے ۔ کتاب پیدائش کے انتالیسویں باب میں لکھا ہے کہ حضرت یوسف[ع] نے قطفیر[1] مصری کی اطاعت میں اس کی نوکری قبول کی اور نہایت وفاداری سے اس کی خدمت انجام دی ، حالانکہ قطفیر مسلمان نہ تھا ۔

"اسی طرح ہندوستان میں مسلمانوں کو سرکار انگریزی کی اطاعت کرنی ضرور ہے ۔ دیکھو باز آؤ ، یہ ایک ناحق غدر مچ رھا ہے ، اسے مذھبی لڑائی سے کچھ علاقہ نہیں ۔ سبحان اللہ ! ھمارے پیغمبر[ص] خدا تو عورتوں اور بچّوں اور بڈھوں کے مارنے سے منع فرمائیں اور پھر اس فوج نے دانستہ یہ امر گوارا کیا اور تم بھی مسلمان ھو کر اس کی رفاقت کرتے ھو ؟

"حدیث کی بڑی معتمد کتابوں بخاری[2] اور مسلم[3] میں عبداللہ[رض] ابن عمر

---

۱ - اس شخص کا لقب عزیز تھا ۔ اور اس کا ذکر حصۂ اول میں حضرت یوسف[ع] کے حال میں گزر چکا ہے ۔

۲، ۳ - یہ کتابیں اپنے مؤلفوں کے ناموں سے مشہور ھیں ۔

کی روایت سے لکھا ہے کہ رسولؐ خدا نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا اور ابو داؤد[1] میں انس رضؓ کی روایت سے نقل کی گئی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ''نہ قتل کرو بڈھے ضعیف کو اور نہ چھوٹے بچّے کو اور نہ عورت کو۔

''دیکھو پیغمبرؐ خدا کے خلیفہ اوّل ، حضرت ابوبکرؓ نے فوج کے دو افسروں ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو جو ملک شام کی طرف گئے تھے ، یہ نصیحت کی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ عورتوں یا بچوں کے قتل کرنے سے اپنی فتح کو داغ لگاؤ۔ درختوں کو نہ توڑنا ، اناج کو نہ جلانا اور جو عہد و پیمان کرو ، اس پر ایمان داری سے قائم رہنا ، اور لازم ہے کہ تمھارا قول و فعل دونوں مطابق ہوں۔

''فیض الدّین ! تم فوج والوں کی باتوں پر نہ جانا اور ہرگز یہ امر نہ اختیار کرنا ۔ وہ جو اہل اسلام کو بھڑکا کر کہتے ہیں کہ نصاریٰ اور مسلمانوں میں بڑی عداوت چلی آتی ہے ، یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ حقیقت میں پوچھو تو مسلمانوں کے مذہب میں نصاریٰ کے سوا کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ مذہب کی رو سے مسلمانوں کا ارتباط ہو۔ قرآن شریف میں سورۂ مائدہ[2] کی پچاسی آیت میں خدائے تعالیٰ نے ہمارے پیغمبرؐ سے فرمایا کہ تو سب سے زیادہ مسلمانوں کا دوست ان لوگوں کو پائے گا ، جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں ، اس سبب سے کہ ان میں عالم اور پارسا ہیں اور اس واسطے کہ وہ تکبّر نہیں کرتے سوا اس کے ، جس زمانے میں فارس والوں نے اہل روم کو جو عیسائی تھے ، شکست دے کر روم پر غلبہ کیا تو مسلمان لوگ عیسائیوں کے شکست کھانے سے ایسے غمگین ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلّی کی اور ہمارے پیغمبرؐ پر وحی بھیجی کہ میں عنقریب عیسائیوں کے فتح دینے سے مسلمانوں کو خوش کروں گا ۔ چنانچہ سورۂ[3] روم کی پہلی ہی آیتوں میں

---

۱ - یہ کتاب اپنے مؤلف کے نام سے مشہور ہے ۔
۲ - قرآن شریف کے پانچویں سورت کا نام ۔
۳ - قرآن کی تیسویں سورت کا نام ہے ۔

یہ ذکر لکھا ہے ۔

''علاوہ اس کے جب مکّے کے مشرکوں نے مسلمانوں کو نہایت تکلیف دی تو اسی ارتباط کے سبب سے پیغمبر خدا نے بھی مسلمانوں کو حکم[1] دیا کہ تم حبشے کو جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا اور نجاشی کہلاتا تھا ، چلے جاؤ ۔ اس حکم کے موافق چند مسلمان وہاں چلے گئے اور نجاشی نے ان کی بہت خاطر داری کی ''۔

فیض الدّین نے جس وقت مولوی فخر الدّین کی یہ علمی تقریر سنی ، اس کے دل پر بہت اثر ہوا مگر پھر بادشاہ نے اسے بڑا منصب عطا کیا اور اپنا مقرّب خاص بنایا ۔ اس باعث سے وہ لڑائی کا بہت اہتمام کرتا اور سب سے آگے دھاوے پر جاتا ، اپنی زندگی کو ترقی دیتا اور موت کو نجات عقبیٰ کا باعث سمجھتا ۔

ایک روز وہ کسی رسالے کو لیے ہوئے پہاڑی پر چڑھ گیا اور آگ کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتا جاتا تھا کہ اس کے سر میں ایک گولی لگی اور وہ فوراً عالم آخرت کو روانہ ہوا ۔

جب نجم النّسا اور گیتی آرا کو یہ خبر پہنچی ، غم و الم میں مبتلا ہوئیں ۔ ادھر تو اپنی تنہائی کا فکر پیدا ہوا ، ادھر جہاں آرا بیگم کی طرف سے کوئی خبر نہ آتی تھی ، اس کی تشویش لاحق ہوئی ۔ اس پریشانی کی حالت میں انھوں نے مولوی فخر الدّین سے صلاح پوچھی ۔ اس نے کہا ''یہاں رہنا ہرگز مناسب نہیں ، کہیں چلے جانا بہتر ہے ''۔

وہ بولیں ''کیا کریں ، کہاں جائیں ؟ رستے بند ہیں ، فوجیں چلی آتی ہیں ، گوجروں نے جدا ناک میں دم کر رکھا ہے ، ہر جگہ لوٹ مچ رہی ہے ۔ کیا مجال کہ کوئی کوس بھر بھی رستہ چل سکے ''۔

مولوی فخر الدّین نے جواب دیا کہ اب جہاں آرا بیگم کے پاس انبالے چلی چلو ۔ انبالہ امن کی جگہ ہے ۔ وہاں انگریزوں کی عمل داری ہے ، میں تمھارے ساتھ ہوں ، دو تین نوکر بھی موجود ہیں ، رستے

---

۱ - یہ حال حصہ اول میں حضرت محمدؐ کے بیان میں گزر چکا ہے ۔

میں گوجروں سے جس طرح ہو سکے گا ، بھگت لیں گے اور جب انبالے پہنچ جائیں گے تو آرام سے ہو جائیں گے ۔ وہاں جہاں آرا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اور محمد یوسف کی خیر و عافیت بھی دریافت کر لینا ۔

آخر سب کی یہی رائے قرار پائی اور ایک روز چلنے کی صلاح ٹھہرائی ۔ نجم النسا اپنے بچے سمیت اور گیتی آرا اور اس کی ددا گاڑی میں ہو بیٹھی ۔ مولوی فخر الدین اور تین نوکر سب کے سب ہتھیار باندھ کر ان کے ساتھ ہو لیے اور فوج سے بچ کر ایک آور طرف سے انبالے کی راہ لی ۔

رستے میں وہی امر پیش آیا ، جس کا خطرہ تھا ۔ گوجر اپنے اپنے لٹھ اور تلواریں لے کر سب طرف سے نکل کھڑے ہوئے ۔ مولوی فخر الدین بہت ثابت قدمی اور قائم مزاجی سے عورتوں کو سمجھانے لگا ”دیکھو کچھ ہراساں نہ ہونا ، استقلال سے بیٹھی رہنا ، صبر کا وقت ہے ؛ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے ، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں “۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گوجر دھاوا کر کے آ پڑے ۔ مولوی فخر الدین اور تینوں نوکر بہت بہادری سے مقابلہ کرتے رہے ۔ بڑی دیر تک دونوں طرف سے کُشت و خون ہوا ۔ آخر مولوی فخر الدین اور اس کے همراهیوں نے دنیا سے کوچ کیا اور نجم النسا کے بچے عبدالرحمٰن نے بھی جو اس وقت گاڑی بان کی گود میں تھا ، لٹھ کے صدمے سے دم دیا ۔ گوجروں نے خوب اسباب لوٹا اور ساری چیزیں لے کر بھاگ گئے ۔

اب صرف نجم النسا ، گیتی آرا اور اس کی ددا یہی تینوں عورتیں باقی رہ گئیں اور تکلیفیں اٹھاتی ہوئی آگے چلیں ۔ نجم النسا کے دل پر اس کے لڑکے کا صدمہ ایسا نہ ہوا تھا کہ وہ زندہ رہتی ۔ جیتے جی مر گئی اور اس کے فکر میں سخت بیمار ہوئی ۔

جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو گیتی آرا کی طرف مخاطب

ہو کر کہا ''بوا ! تقدیر میں یہ صدمے اٹھانے تھے ، ظالموں نے میرے لخت جگر عبدالرحمٰن کو اس بے رحمی سے مارا - اس کا باپ پہلے ھی مر چکا تھا ، اب مجھے اپنے مرنے کا تو افسوس نہیں ھے ، تمھاری تنہائی کا بہت خیال ھے - تم ایسے وقت میں صبر و استقلال سے رھنا ، ھرگز نہ گھبرانا - اللہ تعالیٰ سب مشکلیں آسان کر دے گا ، وہ بڑا کریم و کار ساز ھے''۔

اس گفتگو کے تھوڑی دیر بعد اس نے عالم عاقبت کا رستہ لیا اور صرف گیتی آرا اور اس کی دَدا باقی رہ گئی -

گیتی آرا نے ایک گاؤں والوں کی مدد سے جس طرح ھو سکا ، اس کی تجہیز و تکفین کی اور وھیں جنگل میں اسے دفن کر دیا - پھر حیرانی اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھی اور رنج و الم کا حال اپنی دَدا سے کہتی گئی - کبھی اپنے چچا فیض الدّین کی محبت اور کبھی اس کے بچّے کی الفت کا ذکر کرتی ، کبھی نجم النّسا کی مفارقت اور اس کی رفاقت اور موافقت کا حال بیان کرتی ، کبھی پہلی راحت و آسودگی کو یاد کرتی اور کہتی '' دَدا ! ابّا جان نے ھمیں اسی دن کے واسطے ناز و نعمت میں پالا تھا ؟ صدمے اٹھاتے اٹھاتے چھاتی پتھّر بن گئی ھے - کچھ کہہ نہیں سکتی ھوں ، ھر حالت میں صبر و شکر بہتر ھے''۔

کبھی جہاں آرا اور اس کے خاوند کا فکر کرتی ، کبھی جمیل الدّین کا خیال کرتی اور دل ھی دل میں کہتی ، دیکھیے اس پر کیا گزرتی ھوگی ، کہاں ھوگا ، کس طرح زندگی بسر کرتا ھوگا ؟

انھیں خیالات میں وہ طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا کر اپنی دَدا سمیت انبالے میں پہنچی اور وھاں جا کر ابتدا سے آخر تک جہاں آرا کے روبرو سارا حال بیان کیا - جہاں آرا کو نہایت رنج ھوا مگر بہت استقلال سے اپنے تئیں سنبھال کر بولی ''بوا ! مجھے پہلے ھی اندیشہ تھا کہ دیکھیے میرے عزیزوں پر کیا بنی ھوگی ! اب اس وقت میری یہ حالت ھے کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں''۔

گیتی آرا نے پوچھا ''بھائی محمد یوسف کہاں ھیں ؟''

جہاں آرا نے کہا "بؤا بھلا مجھے کیا معلوم ! جب سے غدر ہوا ہے ، کسی کی کچھ خبر نہیں ہے - رستے بند ہیں ، نہ کوئی کہیں جا سکتا ہے ، نہ آ سکتا ہے - خدا کا شکر ہے کہ تم میرے پاس آ گئیں - آنکھوں کے سامنے رہو گی ، تمھیں سے دل بہلے گا"۔

اُدھر تو جہاں آرا اور گیتی آرا دونوں انبالے میں رہیں - ادھر جمیل الدّین حج سے فارغ ہوکر دھلی آیا - یہاں انگریزوں کا تسلّط ہو ھی گیا تھا ، اس نے اطمینان سے اپنے عزیز و اقربا اور آستاد اور یار و آشنا کو دیکھنا شروع کیا - دل افروز بیگم کے خاوند شیخ فضل احمد نے غدر کے زمانے میں سرکار کی بہت خیر خواھی کی تھی ، اس سبب سے سرکار نے اس کو اور اس کے مال و متاع کو اپنے امن میں رکھا تھا اور کسی کو دست اندازی نہ کرنے دی تھی - اتفاقاً جمیل الدّین اس کے ھاں گیا اور اس سے تمام حال دریافت کیا - اسے پہلے ھی تمام حادثوں کی اطلاع ھو چکی تھی، ساری حقیقت جمیل الدین کے روبرو بیان کر دی - وہ سنتے ھی فکر و اندیشہ میں مبتلا ھوا مگر صبر و استقلال قائم رکھا اور خدا کا شکر بجا لایا -

فضل احمد نے اس کی بہت خاطر داری کی اور رات کو اس سے حج کا بیان اور رستے کی سرگزشت پوچھتا رھا - جمیل الدّین نے کہا "میں دھلی سے روانہ ھو کر بمبئی گیا اور وھاں سے جہاز پر سوار ھوا - جب جہاز اھل یمن کے میقات[1] یعنی مقام یلملم پر پہنچا تو وھاں سے میں نے اور آور حج کرنے والوں نے احرام باندھ لیا اور احرام باندھنے کی حقیقت تم جانتے ھی ھو ، وضو کرنا ، ایک پاک صاف چادر گھٹنوں تک باندھنی ، دوسری چادر پیٹھ پر ڈالنی ، خوشبو لگانی ، نماز کی دو رکعتیں پڑھنی اور حج کی نیت کرنی - یہی احرام باندھنے کے معنی ھیں - اس کے بعد

---

۱ - میقات اصطلاح میں اُس مقام کو کہتے ھیں ، جہاں سے مکے جانے والا حج کا احرام باندھتا ہے - اور اس طرح کے مقام پانچ ھیں اور اھل یمن کا میقات مقام یلملم ہے اور اسی جگہ سے ھندوستان والے بھی احرام باندھتے ھیں -

میں نے عشق و فسق کی گفتگو ، قتال و جدال ، شکار کھیلنا ، خوشبو لگانی ، ناخن کتروانے ، بال منڈوانے اور زیب و زینت کی ساری چیزیں بالکل ترک کر دیں اور نماز کے بعد بلکہ اکثر اوقات خدا کی صفت و ثنا کے کلمے پڑھتا رہا ۔

”جب مکّہ معظمہ میں پہنچا تو پہلے حرم میں گیا اور بیت اللہ کو دیکھتے ہی خدا کی بزرگی اور توحید کا کلمہ پڑھا تاکہ شرک کے نام و نشان کا بھی پتا نہ رہے۔ پھر حجر اسود[1] کے پاس جا کر اسے بوسہ دیا اور خدا کی حمد کی اور رسول خدا پر درود پڑھا ۔ اس کے بعد کعبۃ اللہ کو بائیں طرف کر کے دروازے کے متّصل دائیں طرف سے طواف شروع کیا اور حطیم[2] کو شامل کر کے بیت اللہ کے گرد سات طواف کیے ، تین جھپٹ کر اور چار اپنی رفتار سے ، اور ہر دفعہ حجر اسود کو بوسہ دیتا گیا اور اسے طواف قدوم کہتے ہیں کہ جو شخص کسی اور جگہ سے آتا ہے ، وہی یہ طواف کرتا ہے ۔

”اس طواف سے فارغ ہو کر میں نے مقام ابراہیمؑ[3] کے پاس نماز کی دو رکعتیں پڑھیں اور پھر حجر اسود کو بوسہ دیا اور خدا کی بزرگی اور توحید کے کلمے پڑھے “۔

فضل احمدؒ بولا ”یہ تو بتاؤ کہ حطیم اور مقام ابراہیمؑ کن مقاموں کے نام ہیں ؟“

جمیل الدّین نے کہا ”ہمارے رسولؐ خدا کے وقت میں جو قریش نے کعبۃ اللہ کی از سر نو تعمیر کی تھی ، اس وقت کسی خاص سبب سے اس کا مغربی حصّہ بنائے سابق سے باہر رہ گیا تھا ، اسی کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اسے بھی شامل کرنا ضرور ہے اور مقام ابراہیمؑ

---

۱ - حجر اسود کی کیفیت حصۂ اول میں حضرت آدمؑ کے حال میں گزر چکی ہے۔
۲ - حطیم کا حال حصہ اول میں حضرت محمدؐ کے بیان میں بھی لکھا گیا ہے ۔
۳ - مقام ابراہیم کا بیان حصہ اول میں حضرت ابراہیمؑ کے حال میں بھی گزر چکا ہے ۔

اُس پتھّر کا نام ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے کھڑے ہو کر کعبہ تعمیر کیا تھا اور اُن کے قدموں کے نشان اُس پر ہو گئے تھے - اب آگے سُنو ! ان کاموں سے فارغ ہو کر میں صفا[۱] پر چڑھا اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے خدا کی بزرگی اور توحید کے کلمے پڑھے اور پیغمبرؐ خدا پر درود بھیجا اور دعا کی - پھر مروہ[۲] کی طرف چلا مگر میلین[۳] اخضرین کے بیچ میں اپنی رفتار تیز کر لی اور مروہ پر چڑھ کر وہی کیا جو صفا پر کیا تھا اور سات دفعہ یہی عمل کرتا رہا "-

فضل احمد نے پوچھا "لوگ صفا اور مروہ پر کیوں جاتے ہیں اور میلین اخضرین کے بیچ میں کس واسطے دوڑتے ہیں ؟"

جمیل الدّین نے جواب دیا "حج کے اکثر قاعدے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے وقت سے جاری ہیں اور انھیں طریقوں پر مبنی ہیں اور تمھارے سوال کا یہ جواب ہے کہ جب وحی الٰہی کے موافق حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو مکّے کے میدان میں چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بہت شدّت سے پیاس لگی تو ان کی والدہ ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں سات دفعہ صفا اور مروا پر گئیں ، مگر دونوں طرف صفا اور مروہ پر چڑھتے ہوئے حضرت اسمٰعیلؑ پر ان کی نگاہ پڑتی رہتی تھی - اس واسطے وہ بے قرار ہو کر وہاں نہ دوڑتی تھیں اور نشیب میں میلین اخضرین کے بیچ میں حضرت اسمٰعیلؑ ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے تھے ، اس سبب سے وہاں دوڑ کر چلتی تھیں - یہی طریق سب لوگوں کے واسطے مقرر ہو گیا اور اسی طرح ہر ایک بات کی کامل وجہ ہے ، مگر میں تمھارے سامنے مختصر حال بیان کر رہا ہوں - اس عمل سے فارغ ہو کر میں نے مکّہ معظمہ میں ایک مکان کرایے کو لیا اور وہاں رہنے لگا مگر احرام باندھے رکھا اور کبھی کبھی طواف بھی کرتا رہا -

---

۱ ، ۲ - ان لفظوں کی شرح حصہ اول میں حضرت ابراہیمؑ کے حال میں لکھی گئی ہے -

۳ - عربی میں میل منارے کو کہتے ہیں اور اخضر کے معنی سبز کے ہیں اور میلین اخضرین دو سبز میناروں کے نشان ہیں -

''جب ماہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ ہوئی تو ظہر کی نماز کے بعد امام نے خطبہ پڑھا اور اُس میں حج کے احکام یعنی منیٰ[1] میں جانا اور نماز پڑھنی اور عرفات[2] پر ٹھہرنا اور اور اسی قسم کی باتیں بیان کیں۔

''آٹھویں تاریخ مکّہ معظمہ میں فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ میں گیا اور عرفہ[3] یعنی نویں تاریخ کی صبح تک وہیں رہا۔ پھر وہاں سے عرفات پر گیا۔ جب دوپہر ڈھلی تو ظہر کی نماز سے پہلے امام نے جمعے[4] کے سے دو خطبے پڑھے اور ان میں باقی احکام یعنی عرفات پر ٹھہرنا اور کنکریاں پھینکنی اور قربانی کرنی اور سر منڈوانا اور طواف زیارت اور اور ضروری باتیں سکھائیں اور وہاں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں پڑھیں۔ پھر امام اونٹنی پر سوار ہو کر قبلے کی طرف منہ کر کے جبل[5] رحمت کے پاس کھڑا ہوا اور دعا مانگی اور مناسک[6] تعلیم کیے۔ اس کے پیچھے خلقت قبلہ رُو کھڑی ہوئی ساری باتیں سنتی اور روتی رہی۔

''جب آفتاب غروب ہو گیا تو مزدلفہ[7] میں آیا اور جبل قزح[8] کے پاس اُترا۔ وہاں عشا کے وقت مغرب اور عشا کی دونوں نمازیں پڑھیں۔ پھر اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھ کر مزدلفہ ہی میں ٹھہرا اور خدا کی بزرگی اور توحید اور صفت و ثنا کے کلمے پڑھے اور رسول[ؐ] خدا پر دورد بھیجا۔

۱۔ منیٰ مکے کے پاس ایک گاؤں کا نام ہے۔

۲۔ اس لفظ کا بیان پہلی فصل میں حضرت آدم[ؑ] کے حال میں بھی گزر چکا ہے۔

۳۔ ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو عرفہ اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اس روز حج کرنے والوں کو عرفات پر ٹھہرنا ہوتا ہے۔

۴۔ یعنی جیسے جمعے کی نماز کے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔

۵۔ ایک پہاڑی کا نام ہے۔

۶۔ اس لفظ کی شرح پہلی فصل میں حضرت محمد[ؐ] کے حال میں لکھی گئی ہے۔

۷۔ اس لفظ کا بیان پہلی فصل میں حضرت آدم[ؑ] کے حال میں گزر چکا ہے۔

۸۔ ایک پہاڑی کا نام ہے۔

''جب روشنی ہو گئی تو منیٰ میں آیا اور تکبیر پڑھ کر جمرۂ[1] عقبہ پر سات کنکریاں ماریں اور یہ عمل شیطان کے دفع کرنے کے واسطے کیا جاتا ہے ، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا ۔ اب بعض کاموں کا پڑھنا موقوف ہو گیا ۔ اس کے بعد قربانی کی ، پھر سر منڈوایا اور اس وقت سے بہتیری باتیں جو احرام میں ممنوع تھیں ، جائز ہو گئیں ۔ اس کے بعد طوافِ زیارت کیا ، مگر ساتوں گردشوں میں سے جھپٹ کر کسی میں نہیں چلا اور صفا اور مروہ کے بیچ میں بھی نہیں دوڑا کیوں کہ یہ عمل پہلے کر چکا تھا ۔

''پھر منیٰ میں آیا اور رات کو وہیں رہا اور گیارھویں تاریخ دوپہر کے بعد تکبیر پڑھ کر تینوں جمار[2] پر سات سات کنکریاں ماریں ۔ پہلے اُس جمرہ پر جو مسجد کے پاس تھا ، پھر درمیانی پر ، پھر جمرۂ عقبہ پر ۔

''جب قربانی کے تینوں دن یعنی دسویں ، گیارھویں اور بارھویں تاریخ گزر چکی تو چوتھے روز بہت سویرے وہاں سے چلا اور محصّب[3] میں ٹھہرا ۔ پھر مکّۂ معظمہ میں آ کر طوافِ صدر یعنی رخصت کا طواف کیا مگر اُس میں بھی جھپٹ کر نہیں چلا اور نہ صفا اور مروہ کے بیچ میں دوڑا ۔ پھر آبِ زمزم پیا اور بیت اللہ کی چوکھٹ کو بوسہ دیا اور ملتزم[4] پر سینہ اور چہرہ لگایا اور رو کر دعا مانگی ۔ اس کے بعد مسجد میں سے باہر آیا ۔

''جب حج سے فارغ ہو چکا تو چند روز مکّۂ معظمہ میں رہا اور پھر مدینۂ منوّرہ میں ، جہاں حضرت سرورِ کائناتؐ کا مزار ہے ، زیارت

---

۱ - جمرہ لغت میں کنکری کو کہتے ہیں اور اُس مقام پر بھی جہاں حج کرنے والے کنکریاں پھینکتے ہیں ، اس لفظ کا اطلاق آتا ہے اور اس قسم کے مقاموں میں سے ایک کا نام جمرۂ عقبہ ہے ۔

۲ - جمار جمرہ کی جمع ہے ۔

۳ - محصّب منیٰ میں ایک مقام کا نام ہے ۔

۴ - ملتزم ایک خاص جگہ کا نام ہے ۔

کے واسطے گیا اور وہاں سے مراجعت کر کے مکّے میں آیا اور ہندوستان کا قصد کیا ''۔

فضل احمدؒ نے کہا ''میں آپ کی گفتگو سن کر نہایت خوش ہوا ، خدا تعالیٰ سب مسلمانوں کو حج کی توفیق دے ۔ اب یہ تو بتاؤ کہ آپ کو اس غدر کی کہاں خبر ہوئی اور یہاں تک کیوں کر پہنچے ؟''

جمیل الدّین نے جواب دیا ''جس وقت میں مکّہ معظمہ سے بمبئی آیا ، اُسی وقت میں نے یہ غلغلہ سنا ۔ بہت حیران اور متفکّر ہوا کہ دھلی میں میرے عزیز و اقربا پر کیا گزری ہوگی ۔ فوراً وہاں کے حاکموں سے ملا اور ایک رسالے میں مقرر ہو گیا اور بہت ثابت قدمی اور وفاداری سے اپنا کام انجام کرتا رہا ۔ پھر اتفاقاً دھلی کی طرف اُس رسالے کا کوچ ہوا ، میں بھی اُس کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوا ۔ اب اُس کے ساتھ ساتھ یہاں تک پہنچا اور تم سے آ کر ملا ''۔

رات کو جمیل الدّین اور فضل احمد دونوں اسی طرح کے ذکر کرتے رہے ۔ جب صبح ہوئی تو جمیل الدّین نے دھلی کے انگریزوں کو اپنے آنے کی اطلاح دی ۔ وہ اُس کی خیر خواھی کے سبب سے اُس سے بہت خاطرداری سے پیش آئے اور اُس کی جائداد گزاشت کر کے شہر دھلی میں رہنے اور تمام عزیز و اقربا کے بُلا لینے کی اجازت دی ۔

جمیل الدّین نے خوب طرح مطمئن ہو کر دو تین روز بعد انبالے میں اپنی بہن جہاں آرا بیگم کے نام خط بھیجا اور تمام حقیقت اس میں لکھ دی ۔

وہاں تو پہلے ھی سے کمال انتظار تھا ، خط کے پہنچتے ھی سب کے سب پژ مردہ خاطر نہال ہو گئے اور خوشی کا ایک سماں بندھ گیا ۔

اب صرف جہاں آرا بیگم کے خاوند محمد یوسف کا فکر باقی رہا ، اس باب میں نگرانی خاطر کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ وہ ایک رسالے کا جمعدار تھا اور اس کی طرف سے یہ تردّد تھا کہ وہ انگریزوں کی وفاداری میں ثابت قدم رہا یا فوج کے لوگ جو سرکار انگریزی سے پھر گئے تھے ، اُسے بھی زبردستی اپنے ساتھ لے گئے - محمد یعقوب ، گیتی آرا اور جہاں آرا کو رات دن یہی خیال تھا اور سب کے سب اسی فکر و اندیشہ میں مبتلا تھے -

ایک دن اضطراب کی حالت میں جہاں آرا بیگم کی ددا گلاب بول اٹھی ''بیگم ! آپ بھی خوب واقف ہیں اور میں بھی جانتی ہوں ، غیب کا حال تو کوئی نہیں جان سکتا اور جو اس بات کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے ، مگر آج تو دیوان حافظ میں فال کھولو''-

جہاں آرا نے جواب دیا ''ددا ! نجوم اور اور ایسے ہی عملوں سے جو باتیں دریافت ہوں ، اُن کو سچ جاننا اور ان پر اعتقاد کرنا ہمارے مذہب میں کفر ہے - یہ کام ہرگز نہ کرنا چاہیے''-

گلاب نے کہا ''بیگم ! جو کچھ فال میں نکلے ، اُس پر یقین کرنے سے آدمی کافر ہوتا ہے ، نرے دیکھ لینے سے تو کافر نہیں ہوتا - بھلا دیکھ تو لو ، دیوان حافظ میں کیا نکلتا ہے''-

یہ کہ کر محمد یوسف کا حال دیکھنے کے واسطے طاق میں سے دیوان حافظ اٹھا لائی اور جہاں آرا بیگم کے آگے رکھ دیا - جہاں آرا نے جوں ہی کتاب کھولی ، وہیں یہ شعر نکلا :

یوسف[1] گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

---

۱ - اس شعر میں اُس شخص کی تسکین کا مضمون ہے ، جو کسی کی جدائی کے غم و الم میں مبتلا ہو اور اصل میں حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کے قصے کی طرف اشارہ ہے گویا ایسی حالت میں کہ جب حضرت یوسفؑ اپنے باپ حضرت یعقوبؑ سے علاحدہ ہو گئے تھے اور حضرت یعقوبؑ کنعان

ہر چند فال کا مضمون مطلب کے موافق تھا مگر کسی کو اس پر اعتقاد نہ ہوا اور سب کا اضطراب بدستور رہا ۔

اسی حالت میں چند روز گزر گئے ، آخر ایک دن بہار کے موسم میں جہاں آرا اور گیتی آرا دونوں اپنے گھر کے چمن میں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں اور اس وقت وہاں عجب سماں تھا ، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ، فوارے چھوٹ رہے تھے ، طرح طرح کے پھول کھل رہے تھے ، پودے لہلہا رہے تھے ، جانور چہچہا رہے تھے کہ اتنے میں ایک خوب صورت نو عمر آدمی فوج کی وردی پہنے ، ہتھیار باندھے بے باک اندر چلا آیا ۔

جہاں آرا اور گیتی آرا اسے دیکھتے ہی حیران ہوگئیں اور آنچل سنبھالتی ہوئی بھاگ کر دالان میں جا چھپیں ۔

یہ شخص محمد یوسف ہی تھا اور اس نے بھی غدر کے زمانے میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں ۔ اس کا رسالہ انگریزوں سے پھر گیا تھا مگر وہ باوجود مصیبتوں کے سرکار انگریزی کے ساتھ رہا اور وفاداری اور ثابت قدمی کا میدان اس کے ہاتھ رہا ۔ انجام کار انگریزوں نے بھی اسے خوش حال کیا اور طرح طرح کے انعام سے مالا مال کیا ، عہدہ رسالداری پر ممتاز کیا اور خلعت گراں بہا دے کر امثال و اقران میں سرافراز کیا ۔ اس منصب کے حاصل ہونے کے بعد وہ انگریزوں سے اجازت لے کر انبالے گیا اور جب گھر کے قریب پہنچا تو گھوڑے پر سے اُتر ، یکا یک بے اطلاع گھر میں چلا گیا ۔ اس کی بیوی نے اسے بالکل نہ پہچانا اور وہ اور گیتی آرا دونوں چمن میں سے اٹھ کر بھاگیں ۔

محمد یوسف نے جوں ہی اپنی بیوی کو بھاگتے ہوئے دیکھا ،

بقیہ صفحہ ۳۱۸ :
میں ان کے غم میں رویا کرتے تھے حضرت یعقوب کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ کچھ غم نہ کر ۔ یوسف جو گم ہو گیا ہے ، کنعان میں پھر آ جاتا ہے اور تیرا غم کا گھر ایک دن باغ بن جاتا ہے ۔

بے اختیار ھنس پڑا اور گیتی آرا کے پردے کے سبب سے اندر دالان میں نہ جا سکا ، باھر ھی سے بولا ''بیگم میں ھوں ، کیوں گھبرائیں ، کہاں چلی گئیں ؟''

جہاں آرا یہ کلام سن کر بہت خوش ھوئی اور باھر آ کر محمدؐ یوسف سے ملی - پھر دونوں چمن میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے - جہاں آرا نے سارا گزرا ھوا حال اپنے خاوند کے روبرو بیان کیا - اس سرگزشت کے سنتے ھی اسے بہت رنج ھوا مگر اپنی بیوی کی تشفّی کی - گیتی آرا کو بھی سلام کہلا بھیجا اور اس کی بھی بہت تسلّی کی -

اتنے میں محمدؐ یعقوب جو اس وقت کسی انگریز کے پاس اپنے بیٹے کی خبر پوچھنے گیا ھوا تھا ، مردانے مکان میں آیا - محمد یوسف فوراً چمن میں سے اٹھ کر اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ھوا اور اس کے دل کو باغ باغ کیا -

تھوڑے عرصے تک سب کے سب انبالے میں رہے ، پھر محمد یوسف نے اپنے وطن دھلی میں آنے کا ارادہ کیا اور جمیل الدّین کو اس امر کی خبر دی -

جب روانگی کا دن آیا تو جہاں آرا ، گیتی آرا اور ان کی ددائیں رتھ میں بیٹھیں اور ایک گھوڑے پر محمد یوسف اور دوسرے پر اس کا باپ محمد یعقوب سوار ھوا - نوکر چاکر کچھ تو ان کے ذاتی ھی تھے کچھ انگریزوں نے بھی رستے کی محافظت کے واسطے ساتھ کر دیے تھے سب کے سب بہت آرام سے دھلی میں آئے -

محمد جمیل الدّین کو نہایت خوشی ھوئی اور اس نے ھر ایک کی خاطرداری میں بڑی کوشش کی - پھر دل افروز بیگم بھی ان سے ملی اور چند روز بعد محمد جمیل الدّین کا نکاح گیتی آرا بیگم سے ھو گیا اور سب ھنسی خوشی رھنے لگے -

——:o:——

اردو ۲۸ ۳۹۰۹۵۵

آشوب، پیارے لال - رکومزبیز

۲۷۵۳۹ ۱۸۵۹ء

Date	No.	Date	No.
[illegible]	1919	[illegible]	2854